تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس۔اُردو

منتخب اردو سفر ناموں میں جاپان کے ثقافتی اور سماجی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ: دوسری جنگ عظیم کے تناظر میں

محقق

انعم رابعہ

285-FLL/MSURD/S22

نگران

ڈاکٹر غلام فریدہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

شعبۂ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

International Islamic
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD

K
Accession No. TH-27418

MS
891.4393
ان م

جاپان - تمدن - 1945 کے بعد
جاپان - معاشرہ - بیسویں صدی
اردو سفرنامے - تنقیدی مطالعہ
جاپان - سفر و سیاحت - اردو ادب میں
دوسری جنگ عظیم، 1945-1939 - اثرات - جاپان
اردو ادب - سفرنامے - جاپان

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: Anam Rabia

Title of the Thesis: منتخب اردو سفرناموں میں جاپان کے ثقافتی اور سماجی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ: دوسری جنگِ عظیم کے تناظر میں

Registration No: 285-FLL/MSUrdu/S22

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Masters of Philosophy Degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr.Kamran Abbas Kazmi
Chairperson
Department of Urdu ,IIUI

External Examiner:

Dr. Syed Aoun Sajid Naqvi
Assistant Professor
Department Of Urdu
Federal Urdu University, Islamabad

Internal Examiner:

Dr.Bibi Ameena
Assistant Professor
Department of Urdu,IIUI

Supervisor:

Dr.Ghulam Farida
Assistant Professor
Department of Urdu,IIUI

الجامعة الإسلامية العالمية

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبۂ اردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ انعم رابعہ رجسٹریشن نمبر285-FLL/MSURD/S22 نے ایم۔ ایس۔ اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان " **بعنوان منتخب اردو سفر ناموں میں جاپان کے ثقافتی اور سماجی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ : دوسری جنگ عظیم کے تناظر میں** "میری نگرانی میں رقم کیا ہے۔ میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران:

ڈاکٹر غلام فریدہ

اسسٹنٹ پروفیسر (شعبۂ اردو)

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

خدائے بزرگ و برتر کے خصوصی کرم سے میں نے آخر کار ایم فل کا تحقیقی مقالہ مکمل کیا، جو مجھے ہر طرح سے ایک مشکل اور مشقت طلب کام لگا۔ تکمیل مقالہ کے اس موقع پر میں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں جس نے مجھے بے شمار نعمتوں سے نوازا اور علم کی بدولت اس مقام تک پہنچایا جہاں پر پہنچنا کسی کے لیے بھی خواب ہو سکتا ہے ۔میں اپنے والدین کی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے اپنی زندگی کے کئی ماہ و سال کی ان تھک محنت سے ہمیں اعلیٰ تعلیم سے ہمکنار کیا۔ میں اپنے والدین کے بھروسے، حوصلہ افزائی اور مالی تعاون کی بھی بے حد مشکور ہوں جس کے بغیر میں کبھی بھی اپنے مقالے کو مکمل نہیں کر سکتی تھی۔اس کے بعد میں اپنی شفیق اور قابل صد احترام استاد، نگرانِ مقالہ محترمہ ڈاکٹر غلام فریدہ کی انتہائی شکر گزار ہوں جو نہ صرف میری محسن ہیں بلکہ تحقیق کے ہر مشکل مرحلے پر میں نے ان کی بصیرت اور علمیت سے فیض حاصل کیا ہے۔انھوں نے نہ صرف موضوع کے انتخاب میں میری مدد کی ہے بلکہ تحقیقی مقالے کی تکمیل میں مصروفیت اور ذمہ داریوں کے باوجود قدم قدم پر ہر ممکن مدد اور تعاون فراہم کیا ہے ۔یہ کام ان کی حوصلہ افزائی اور خاص توجہ سے ہی مکمل ہوا ہے۔ میں اپنی پیاری دوست فضہ کی بھی بے حد مشکور ہوں جس نے مجھے ہمیشہ کام کو جلد مکمل کرنے کی تلقین کی اس کے بعد میں خاص طور پر اپنی بہن جیسی بھابھی ماریہ کی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ہمیشہ مجھے اپنی بہن ہونے کا احساس دلایا اور مجھ پر کوئی گھریلو ذمہ داری نہیں ڈالی تاکہ میں یکسوئی سے کام کر سکوں۔ میں اپنے ان پیاروں کی بھی شکر گزار ہوں جو مجھے اس مقام سے بھی آگے دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور میرے لیے دعا گو ہیں۔ آخر میں اُن سرد گرم حالات کا شکریہ جو دورانِ تحقیق میرے ساتھ رہے ان مشکلات اور رکاوٹوں کا بھی شکریہ جو مجھے سرگرم عمل رکھنے کا بہانہ بنیں۔

انعم رابعہ

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۲۴ء

فہرست موضوعات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	
۱۔	**باب اوّل:**	
	دوسری جنگ عظیم سے پہلے اور بعد کے جاپان کا سماجی منظر نامہ	۱
	جاپان کا تاریخی پس منظر	۱
	دوسری جنگ عظیم سے پہلے کا سماجی منظر نامہ	۱۷
	دوسری جنگ عظیم کے بعد کا سماجی منظر نامہ	۴۰
	حوالہ جات	۴۶
۲۔	**باب دوم:**	
	منتخب سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کی تعلیمی اور ثقافتی تبدیلیوں کا مطالعہ	۵۵
	منتخب سفر ناموں کا مختصر تعارف	۵۷
	تعلیمی تغیرات کا مطالعہ	۶۳
	ثقافتی تغیرات کا مطالعہ	۷۱
	حوالہ جات	۸۵
۳۔	**باب سوم:**	
	اردو سفر ناموں میں جاپان کے صنعتی معاشرے میں سماجی رویوں کا مطالعہ	۸۹
	صنعتی معاشرے میں سماجی رویوں کا مطالعہ	۱۰۴
	حوالہ جات	۱۲۲
۴۔	**باب چہارم:**	
	اردو سفر ناموں میں جاپان کے اقداری نظام اور رسم و رواج کا مطالعہ	۱۲۴

جاپان کے اقداری نظام کا مطالعہ	۱۲۴
جاپان کے رسم و رواج کا مطالعہ	۱۳۴
حوالہ جات	۱۵۳
ماحصل	۱۵۷
سفارشات	۱۶۵
ضمیمہ جات	۱۶۶
کتابیات	۱۷۱

باب اول:

دوسری جنگ عظیم سے پہلے اور بعد کے جاپان کا سماجی منظر نامہ

جاپان کا تاریخی پس منظر:

جاپان کا نام مارکو لو پولو نامی سیاح نے'' زِپن کو'' لکھا ہے۔ یہ ملک چینی زبان میں'' جپن کوؤ'' کہلاتا ہے۔ جاپانی میں اس کو اوڑا ''نیپن ''(جاپان عظیم)،''نیپن''نور کا چشمہ) ہے۔اس کے سفید رنگ کے جھنڈے کے درمیان میں سرخ گروہ (قرص) کا نشان بنا رہتا ہے جس کی وجہ سے اس میں خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ جاپان ایک قدیم سلطنت ہے۔ جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ طلوع ہوتے سورج کی زمین ہے۔ جاپان لفظ کے لغوی معنی بھی سورج اور لفظ جاپانی کا مطلب بھی سورج کا سر چشمہ ہے۔

پاکستان کے شاعر مشرق علامہ اقبال سے لے کر معروف مزاح نگار ابن انشا تک اور ابن انشا سے لے کر ڈاکٹر آصف محمود جاہ تک سب نے اپنی تخلیقات میں جاپان کو بیان کیا ہے جاپان کی تاریخ پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جس میں مصنفین نے اپنے اپنے انداز میں تاریخ رقم کی ہے۔ جاپان کی تاریخ کے بارے میں پہلا تاریخی تذکرہ ۲۰۰ عیسوی میں چینی سیاح کے سفر نامہ ''ہن کی کتاب''میں ملتا ہے، اگرچہ اپنے آغاز کے بارے میں جاپانیوں کے ہاں یہ روایت ہے کہ ان کا پہلا شہنشاہ ''جیموتینو'' ہے جو سورج دیوتا کی اولاد ہے جو قریب ۶۶۰ ق م تخت نشین ہوا تھا۔ جاپان کے لوگ اپنی تمام قوم کو ایک خاندان سمجھتے ہیں، اور اس خاندان کا سب سے بڑا بزرگ اپنے شہنشاہ کو مانتے ہیں اور آج تک ان کے ہاں یہی طریقہ برقرار ہے۔

تاریخ میں ان شہنشاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ جاپانیوں کی تاریخ میں دو باتیں بے مثال ہیں ایک بات تو یہ ہے کہ جو موجودہ حکمران ہیں وہ ان پرانے وقتوں سے حکومت کرتے آرہے ہیں۔ جب انسان کی تاریخ محض ایک داستان کی حیثیت رکھتی تھی دوسری بات جاپان کو کئی مرتبہ مسخر کرنے کوشش کی گئی، لیکن حملہ آوروں کو ہمیشہ اپنے منہ کی کھانی پڑی اور ناکامی کا سامنا ہوا ہے۔ جاپانی اپنے شہنشاہ کو صرف ایک بادشاہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ ان کا شہنشاہ ایک زندہ خدا ہے۔

جاپانیوں کے دل میں اپنے بادشاہ کی عظمت اس درجہ زیادہ ہے۔ وہ کبھی بھی اس کے چہرے کو سکوں اور ڈاک کی ٹکٹوں پر بنانا مناسب ہی نہیں سمجھتے، چوں کہ یہ چیزیں استعمال کرنے سے خراب ہوتی ہیں اس لیے اگر ان پر شہنشاہ کا چہرہ بنایا جائے گا، تو یہ شہنشاہ کی بے ادبی ہوگی۔ ۱۸۶۸ء تک شہنشاہ کی تصویروں کو بے نقاب کرنے کے جرم

ایک قانون جاری تھا کہ تصویر بنانے کے جرم میں سزائے موت دی جاتی تھی اس لیے ہر جگہ یہ اپنے شہنشاہ کی تصویر کو کپڑے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ملک دنیا میں مذہبی رواداری کی بہترین مثال ہے تو وہ جاپان ہے جہاں ایک گھر میں بدھ مت، شنٹو دھرم، عیسائی مذہب اور کیمیونزم کے ماننے والے ایک خاندان کے افراد مل جل کر رہتے ہیں۔ مذہبی عقائد کے لحاظ سے جاپان میں بے شمار فرقے موجود ہیں ان فرقوں کی تعداد تقریباً پانچ سو تک ہے۔ ان کے مذاہب میں آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جاپان کو پانچ سو مذاہب کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو خاص قسم کے مذہب ہیں یہ مذہب آپس میں اتنے ملتے جلتے ہیں، کہ باہمی رنجش کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ ایک بدھ مت اور دوسرا شنٹو مذہب ہے، شنٹو ان کا قومی دین ہے۔ اس مذہب میں روح کی لافانیت، دائمی بہشت، بزرگوں کی تعظیم، بادشاہ کی خیر خواہی، آئندہ زندگی کے مسائل موجود ہیں۔ اس مذہب میں سمندر کی دیوی، پہاڑوں کی دیوی، آگ کی دیوی، ندیوں کی دیوی، ہوا کی دیوی سب تسلیم کی جاتی ہے۔ اور قوم کے سپاہیوں اور شاہی خاندان کے وفادار خادموں کی پوجا ہوتی ہے لیکن شنٹو مذہب میں اول اصول شاہی خاندان کی سب سے بڑی دیوی اور اس کے خاندان کی پرستش کرنا ہے۔ اسی عقیدے کے تحت ہی جاپانی اپنے بادشاہوں کے سچے وفادار اور اس پر دل و جان سے قربان ہیں۔

شنٹو مذہب نہیں ہے بلکہ ایک حلقہ ہے۔ جس میں تیرہ فرقے موجود ہیں، یہ انسانی ضمیر کو دیوتا مانتے ہیں اور ان کا حکم یہی ہے کہ ''اپنے ضمیر کی آواز کی پیروی کرو'' اس میں یہ تسلیم کیا گیا ہے دنیاوی موت کے بعد بھی روح زندہ رہتی ہے۔ شنٹو مذہب میں رہبانیت کا عمل دخل نہیں بلکہ اس کے پیروکار بھی عوام کی طرح ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں اور گوشت کھانے سے بالکل پرہیز نہیں کرتے۔ ان کی عورتیں بھی مندروں میں ناچتی گاتی ہیں۔ یہ لوگ اپنے دیوتاؤں کو عموماً پھل، چاول، اور ترکاریاں، اور خاص کپڑا بھی چڑھاتے ہیں۔ جاپان میں خاص طور پر اس کے بڑے مندروں سے لے کر چھوٹے مندر تک ہر قسم کے مندر تقریباً ۲۸۳ مندر تھے۔ شنٹو مذہب کے جو تیرہ فرقوں میں سب سے مقبول فرقے تیشہ فرقہ، شنیری فرقہ بہت زیادہ مقبول ہیں۔ ان فرقوں میں ہر فرقے کے ۴۰ ہزار سے زیادہ پیروکار ہیں۔ باقی فرقوں کے پیروکار کو شامل کریں تو شنٹو مذہب کے پیروکار کی مجموعی تعداد بے شمار ہے۔

اس طرح بدھ مت مذہب جاپان میں ۵۵۲ء میں آیا تھا اور اس مذہب کے جاپان میں چھ فرقے ہیں۔ ''زن سیو''، ''سن گان''، ''سن سیو'' وغیرہ ان میں سب بڑا فرقہ ''شن'' ہے جس کے ۸۰ لاکھ پیروکار ہیں۔ بدھ مت فرقہ سب زیادہ جمہوریت پسند ہے۔ اس مذہب کے مندروں کی تعداد ۱۰۴۲۲۳ تھی۔ جاپانی کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں باقی مذاہب کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ بدھ مت مذہب کی یہ تعلیم تھی کہ علم اور دل کی روشنی سے نجات مل سکتی ہے۔ خودی کو کمال تک پہنچانا نجات کا ذریعہ ہے اور اس کے حصول کی بقاء کے لیے دیوتاؤں کے آگے منت و سماجت کر کے عمر بسر کرنا آخری منزل نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد نِروان ''نیستی'' میں فنا ہو جانا ہی روح کی آخری

منزل ہےاور اس کے عدم سے وجود میں آنے کو ایک قبیح امر سمجھنا چاہیے۔ غرض بدھ مت مذہب کی تعلیم نے جاپانیوں کو اپنا گرویدہ کر لیا جس سے اس کو حلقے میں ایک مقام حاصل ہوا۔اس طرح جاپان میں باقی مذاہب نے بھی جگہ حاصل کی۔اس لیےاس سرزمین کو پانچ سو مذاہب کی سرزمین کہا جاتا ہے۔

جاپان کے لوگ وطن پرستی میں دوسرے ممالک سے آگے ہیں۔اس روئے زمین پر کوئی قوم جاپانیوں کے برابر وطن پرست نہیں۔ جاپان و روس میں جنگ کے زمانے میں بہت سی بیوہ ماؤں نے خودکشی کر لی، تاکہ ان کے بیٹے جنگ پر جا سکیں، کیونکہ ملک کے قانون کے مطابق جن بیوہ ماؤں کے اکلوتے بیٹے ہوتے ہیں۔ وہ فوج میں بھرتی نہیں ہو سکتے تھے۔اس طرح ۱۶۳۱ء میں جب ایک فوجی جنگ پر جانے لگا تو اس کی بیوی خودکشی کر لی تاکہ اس کا خاوند میدان جنگ میں پیچھے کا سوچے بغیر وطن کے لیے جنگ لڑ سکے۔ قربانی اور جذبہ وطن پرستی وہ چیزیں ہیں جن پر جاپان کی عظمت کی بنیاد کھڑی ہے۔

جاپان چھوٹے بڑے مختلف جزیروں کا مجموعہ ہے زمین کا زیادہ تر حصہ چار بڑے جزیروں نے گھیر رکھا ہے۔ جن میں سے ہونڈا ہے۔ (Shikoko) اور شکوکو (Kyusu)، کیوشو (Hokkaido) سب سے بڑا ھوکانڈا(Hondda) جاپان سلسلہ پہاڑی کی دو چوٹی ہے جو کہ سمندر کے قریب قریب واقع ہے۔ سمندر کے آس پاس کی جو زمین ہے وہ ناہموار شکل میں پانی میں ڈوبی ہوئی ہے اور ساحل پر سمندر کی موجیں ڈھلوان کی طرف ٹکراتی ہیں۔ کہیں کہیں کنارے ناہموار اور پتلے بھی ہیں اور سمندر کا ایک حصہ جاپان کے اندر داخل ہوتا ہے۔اس میں چھوٹے بڑے جزائر ہونڈو، کیوسیو، ویلیکیو کو کے درمیان واقع ہیں۔ ایک چشمہ موج سیاہ ہے،اس کا پانی سمندر سے بھی زیادہ گرم ہے۔ جاپان جو کہ زیادہ طرح پہاڑی ملک ہے۔ جزیرہ ہندو میں مسلسل پہاڑی سلسلہ واقع ہے اور جس کی چوٹی نو ہزار تک بلند ہے۔

فیوجی سان جسے کوہ فیوجی بھی کہتے ہیں۔ مشہور گاؤدم کوہ آتش فشاں ہے۔اس کی بلندی ۲۰۰ فٹ ہے۔ تقریباً سارا سال اس کی چوٹی برف سے ڈھکی رہتی ہے۔اس کی خوبصورتی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔اگر کوئی صبح صبح اس کا نظارہ کرے تو بالکل گلابی نظر آتا ہے اور اگر دن نکلنے کے بعد دیکھے تو سفید اور جب سورج غروب ہو رہا ہو تو اس کی شعاعوں کے پڑنے سے اورا نظر آتا ہے۔ جاپانی اس کو بے نظیر پہاڑ کہتے ہیں اور اکثر و بیشتر اس کی تصویریں کتابوں میں بناتے ہیں اس پہاڑ کے ہر سلسلے میں چند وادیاں موجود ہیں اور یہ سلسلہ متواتر اونچائی میں گم ہوتا نظر آتا ہے۔ ہونڈو جزیرہ میں چند ہی وادیاں واقع ہیں، لیکن "یوزو" بالکل ایک پہاڑی جزیرہ ہے جس میں کوئی بڑا دریا موجود نہیں لیکن چھوٹے چھوٹے چشمے موجود ہیں جن کی رفتار میں نہ زیادہ تیزی ہے اور نہ کمی مگر بارش کے بعد اس کی رفتار تیز ہو جاتی

ہے اور یہ چشمے چیزوں کو بہاتے ہوئے سمندر میں لے جاتے ہیں اور ان میں سب سے بڑی جھیل ۳۴ میل لمبی ہے جو کہ اپنی خوبصورتی کی وجہ سے مشہور ہے۔

جاپان کے رقبے کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں مختلف آرا بیان کی گئی ہیں۔سیاست جاپان میں رقبے اور آبادی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے۔:

> سات کروڑ بیس لاکھ انسان ڈھائی لاکھ مربع میل کے رقبہ میں بستے ہیں۔اب سلطنت جاپان میں کوریا، منچوریا، منگولیا، چین کے بعض حصے،انڈوچین، تھائی لینڈ،ملایا،اور برما بھی شامل کر لئے گئے ہیں۔اس کی للچائی نگاہیں ہندوستان اور اسٹریلیا پر بھی لگی ہیں اور وہ تمام دنیا پر قبضہ کرنے کا پریشان خواب دیکھ رہا ہے۔[1]

اس طرح تاریخ جاپان میں جاپان کے رقبے اور آبادی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ:

> اس کل سلطنت کا رقبہ ۱۶۵۰۰۰ میل مربع اور آبادی ۲۰۰۰۰۰ ہے اور جو وسعت آبادی میں احاطہ مدارس یا اس کے قریب کے ہندوکش ریاستوں کے برابر ہے۔[2]

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم ونسق میں جاپان کا رقبہ اور آبادی کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

> رقبہ میں جاپان تقریباً (۱۴۲۰۰) مربع میل ہی اور اخیر مردم شماری کے مطابق جو ۱۰اکتوبر ۱۹۲۰ء کی آدھی رات کو عمل میں آئی اس کی آبادی (۵۵۹۶۱۱۴۰) تھی۔مجموعی آبادی کل سلطنت جاپان کی جس میں کوریا ،فارموزہ ،جزائر سگالین وغیرہ وغیرہ شامل ہیں (۷۷۰۰۵۵۱۰) تھی پس اگر مقابلہ کیا جائے تو جاپان خاص کا رقبہ ممالک محروسۂ سرکار عالی کے دوچند رقبے سے بہت کم اور باشندگان کی تعداد یہاں کے باشندوں کی تعداد سے چند سے زیادہ ہوتی ہے۔[3]

ہر چند کے جاپان کی تاریخ پر لکھی گئی مختلف کتابوں میں ہر دور کے حساب سے رقبے اور آبادی کو تحریر کیا گیا ہے جس دور میں جو تاریخ لکھی گئی اس وقت جو رقبہ اور آبادی تھی اس کے مطابق درج ہے۔یہ بتانا مشکل ہے کہ پہلے پہل جاپان میں کس قوم نے قدم رکھا ہے اور اصل باشندے کس نسل سے تھے۔اکثر مقامات پر کلہاڑیاں دوسرے ہتھیار مدفون پائے گئے تھے مگر یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ان کی موجد کون سی قوم بنی۔ابتدائی تاریخوں کے مطابق جاپان کے سب سے قدیم ابتدائی باشندے ''اینوس'' تھے جنہوں نے جاپان میں قدم رکھا ان کے زیر استعمال میں رہنے والے دریافت شدہ اوزار چھ ہزار سال پرانے بتائے جاتے ہیں۔یہ لوگ اپنے آپ کو ''اینوس''یعنی جس کے معنی آدمی کے ہیں لیکن جاپان کے لوگ انہیں حقارت کی نظر سے ''انیوس'' کہتے ہیں جس کے معنی ''کتے'' کے ہیں۔اس قوم نے سنگسالین جزیزے سے یہاں آکر رہائش اختیار کی۔

یہ قوم چینیوں کی نسل منغول میں سے ہے اور شکل وصورت میں چینیوں سے مختلف ہے۔اینوس کی عورتیں بدشکل ہوتی ہیں یہ قدرتی حسن سے محروم اور بدن کو گودنے سے جسم بدشکل اور نیلا ہو جاتا ہے۔گورنمنٹ جاپان نے اس رسم سے دور رہنے کے لیے احکامات جاری کیے مگر ان کے مطابق گودنا ہمارے ہاں مذہبی رسم ہے۔اینوس قوم کی زبان بھی جاپانی قوم سے مختلف ہے۔ان کے کھانے، پینے، اٹھنے بیٹھنے اور رہن سہن کے طریقے جاپان سے مختلف ہیں یہ لوگ اپنے دونوں ہاتھ اور سر کو اونچا کر کے دعا مانگتے ہیں۔تاریخی اعتبار سے ۲۳۰ء کے جو ریکارڈ ملتے ہیں وہ ایک حد تک قابل اعتبار ہیں۔جاپان کا ایک ملک ۳۰۰ء میں کوریا کی دستاویزوں میں بھی ملتا ہے۔کوریا سے تعلق پیدا ہو جانے سے چینی تہذیب کو بھی جاپان میں داخل ہونے کا سنہرا موقع مل گیا۔جاپان نے براہ راست ۴۱۳ء میں چین کے ساتھ تعلقات قائم کر لیے اور ساتھ چینی رسم الخط بھی اختیار کر لیا۔

زمانہ قدیم میں شمالی ایشیا نسل منغول ہے جن کا مذہب چینیوں سے ملتا جلتا ہے اور وسط ایشیا میں ایرین آباد تھے اور پھر منغول نسل بھی ایرین قوم کے مشرق اور مغرب میں پھیلنے گئی۔ ''چینی مورخین'' کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ منغول نسل کا کچھ حصہ جزیرہ کوریا میں اور کچھ حصہ دوسرے جزائر میں جا کر بس گیا اور پھر ایرین قوم نے ہند پہنچ کر وحشی قومیں جو ہند میں آباد تھی ان سے مقابلہ کر کے ان کو مغلوب بنالیا اس طرح جاپانیوں نے انہی جزائر دیگر اقوام جیسے اینوس وغیرہ جن کو وحشی بھی کہا جاتا ہے ان سے جنگ کی اور ان جزائر پر قبضہ کر لیا۔

اب بھی جزیرہ ہونڈو کے شمال میں جگہ جگہ ''اینوس'' قوم کی ہڈیاں موجود ہیں، جنہیں جاپانی نوجوانوں قتل کیا تھا اور ابھی تک ان قوموں میں نااتفاقی موجود ہے، چونکہ جاپانی نسل منغول سے ہیں، اس طرح جاپانی قوم کی اصل ابتدا منغول نسل سے ہوتی ہے، اہل یورپ کی طرح ان کے سر بڑے ہوتے ہیں اور یورپ کی عورتوں کے برابر جبکہ ان کی عورتوں کے قد چھوٹے ہوتے ہیں۔جاپانیوں کا تعلق دو گروہ سے ایک خاص نسل منغول جبکہ دوسری نسل میں دیگر قوم کی آمیزش شامل ہے۔اول گروہ کا بدن دوہرا اور چوڑی و مضبوط ہڈیاں اور رنگ سیاہ ہوتا ہے۔گول چہرہ جھکی ہوئی ناک ہے یہ گروہ ملکی آبادی سے تعلق رکھتا ہے اور زیادہ تر شمالی جانب آباد ہے۔دوسرا گروہ رنگ میں پہلے گروہ سے اچھا اور دبلے پتلے جسم کا مالک ہے اور بیضوی چہرہ اور بادام کی طرح آنکھیں، اونچی ناک جو آگے کو جھکی ہوتی ہے۔اس گروہ کا شمار اصلی طبقے میں ہوتا ہے۔یہ گروہ زیادہ تر جنوبی حصے میں آباد ہے اور یہ لوگ ملک کو فتح کرنے والے تصور کیے جاتے ہیں۔

جاپان جزائر فلپائن کے بعد دنیا کا کوہ آتش فشاں ملک ہے جو کہ یہاں کثرت سے ہوتی ہے۔اس کی وجہ سے جاپان میں سخت آفت رہتی ہے کوئی ایسا دن نہیں جس میں جاپان کے ہر شہر میں آگ نہ گئے۔اس ملک میں دو سو کے قریب آتش فشاں پہاڑ موجود ہیں۔جن میں پچاس کے قریب پہاڑ مشتعل حالت میں رہتے ہیں۔جزیرہ کیوشو میں واقع

ایک آتش فشاں ہے۔ جو دنیا کے بڑے دہانوں میں شمار ہوتا ہے۔اس کی آتش فشانی کی وجہ سے کئی کئی سال تک زمین خاکستر ہو جاتی ہے۔ جاپان کی تاریخ کو دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہی آتش فشاں پہاڑ جاپان کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ کوہ فیوجی جاپان کا سب سے اونچا پہاڑ ہے جو کہ ۱۷۰۷ء میں اپنی آتش فشانی کی وجہ سے پھٹ گیا اور اس کے ذرے ادھر ادھر بکھر گئے۔ ارد گرد کے مکانات اور کھیت وغیرہ پر تین تین گز سے بھی زیادہ پگھلے ہوئے مادے جم گئے، جس کی وجہ سے لوگ اپنی اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔اس طوفان کی خوفناک آواز سو سو میل تک سنائی دی تھی اور اس سے گاؤں کے گاؤں ویران ہو گئے۔ جزیرہ یوزو پر واقع کوہ تارومائی آتش فشانی پہاڑ ۱۸۷۴ء یکایک پھٹ گیا اور اس کے نیچے والے حصہ ہوا میں اڑ گیا تھا اور اس کی خاک سمندر میں اڑ اڑ کر جاتی برابر نظر آتی تھی۔

زلزلوں کے لئے بھی جاپان بہت مشہور ہے۔ زلزلوں کی سالانہ تعداد ۵۰۰ سے زیادہ ہے ان میں سے بعض زلزلے محسوس نہیں ہوتے لیکن ۲۰ سال کے عرصے میں ایک مرتبہ ایسا زلزلہ آتا ہے جو قیامت خیز ہوتا ہے اور بربادی کا سبب بنتا ہے۔ہندوؤں کے خیال کے مطابق یہ زلزلہ ہاتھیوں کی حرکت کرنے سے آتا ہے، جو زمین کو اٹھائے ہوئے ہیں، جبکہ جاپانیوں کے نظریے کے مطابق زمین ایک مچھلی پر قائم ہے۔ اور اس کی حرکت زلزلے کا موجب بنتی ہے۔ ۶۷۵ء میں ایک دفعہ اتنی شدت کا زلزلہ آیا کہ پہاڑ اوندھے ہو گئے تھے اور دریاؤں کا پانی اچھل کر زمین پر آ گیا اور مکانات تباہ اور لاکھوں انسان اور جانور نیست و نابود ہوئے تھے۔ یہاں کا زیادہ حصہ پانی میں غرق ہو گیا ۔اس کے بعد ایک زلزلہ ۱۸۳۰ء کیوٹو کے مقام پر آیا اور اس زلزے میں مکانات جلے اور پھر گر گئے، اور ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ اس کے بعد ۱۸۵۵ء میں ٹوکیو میں آیا جو کے پہلے سے زیادہ خطرناک زلزلہ تھا۔اسی طرح کے زلزلے اگلے اٹھارہ دنوں میں اسی طرح آئے، جس سے بہت جانی اور مالی نقصان ہوا۔ یہ زلزے جاپان میں متواتر ہوتے رہتے ہیں۔ جو جاپان کی بربادی کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بہتری کی صورت بھی ہیں۔اسی بدولت جاپان کا ایک بہت بڑا حصہ سطح سمندر سے اوپر ہو گیا ہے۔ ورنہ یہ ملک کب کا تباہ ہو چکا ہوتا ۔

جاپان ایک خوبصورت باغ ہے قدرت کی نوازشیں جاپان پر بے شمار ہیں۔ مجموعی طور پر جاپان میں پہاڑی سلسلہ زیادہ وسیع اور میدان نسبتاً کم ہیں۔ بارش کی کثرت سے سارے ملک میں گھنے جنگل اور جگہ جگہ ندیاں بہتی ہیں جس سے مناظر کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ نقل و حمل اور آبپاشی میں بھی مدد ملتی ہے۔ جاپان کی سطح زمین میں بے انتہا نشیب و فراز ہیں۔ ملک کے کونے کونے میں سرسبز پہاڑ، خوبصورت وادیاں، دلکش ندیاں، آبشار اور بے نظیر ساحل پائے جاتے ہیں۔ نباتات کے لحاظ سے بھی جاپان مالا مال ملک ہے جاپان کے آٹھویں حصے میں زراعت ہوتی ہے بقیہ حصہ بلند پہاڑوں میں چھپا ہوا ہے۔ مختلف ترکاریاں، لوبیا، مولی وغیرہ کثرت سے پائی جاتی ہیں اور یہاں چائے کی کاشت

بھی کثرت سے ہوتی ہے اور دوسرے ممالک میں پہنچائی جاتی ہے۔ اور چاول، جو، گیہوں، جوار کو عمدہ غلہ خیال کیا جاتا ہے چاول جاپانیوں کی خاص غذا ہے اور ان کی دولت بھی ہے اس کے علاوہ کیلے کی مختلف اقسام یہاں پائی جاتی ہیں۔

کیلے کے ریشے سے جاپان میں کپڑے بنائے جاتے ہیں اور میوم (بیر) کئی طرح کے ذائقے کے پائے جاتے ہیں۔ نارنجی بھی بکثرت پایا جاتا ہے اور انگور کی کئی اقسام ہیں ایک انگور کی قسم پہاڑ پر جبکہ دوسری قسم سرد آب وہوا میں ملتی ہے۔ مشروم بھی جاپان کی کاشت ہے گوشت سے زیادہ مشروم کی لذیذ ترکاری بنائی جاتی ہے صرف مشروم کی کاشت سے ہی جاپان ایک لاکھ پاؤنڈ سالانہ وصول کرتا ہے۔ سمندر کی ۶۰ فیصد نباتات جاپان میں خوراک کے کام آتی ہے، جبکہ بقیہ ۴۰ فیصد کو کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جاپانیوں کو تمباکو اور روئی پرتگیزوں سے ملا ہے اور وہ اسے مختلف طریقوں سے کاشت کر کے منافع حاصل کرتے ہیں۔

جاپان چرند پرند کی دولت سے بھی مالا مال ہے سوائے چند ایک کے ہر قسم کے جانور اس ملک میں پائے جاتے ہیں۔ جاپان میں ۱۲۴۰ اقسام کے جانور موجود ہیں جن میں جاپان کے مختلف حصوں میں چوہے اور جنگلی سور کثرت سے موجود ہیں۔ وہاں پر رہنے والے لوگ رات کو بغیر آگ جلائے اپنے کھیتوں کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ یہاں گائے کو پالنے کا رواج عام ہے لیکن محض بوجھ اُٹھانے کے لیے اس کے علاوہ انہیں گائے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ جاپانی خاص نسل کے کتے اور بلی کو پالتو جانور کے طور پر پالتے ہیں یہاں پرندوں کی بھی ۷۰۲ اقسام پائی جاتی ہیں یہاں بطخ اور کبوتر کثرت سے پائے جاتے ہیں مچھلی جاپانیوں کی خاص غذا ہے جاپان میں ۱۲۳ قسم کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں سالانہ لاکھوں پاؤنڈ کی مچھلیاں دنیا کے مختلف ممالک میں جاتی ہیں اور اسی سے تقریباً ۱۰ لاکھ افراد کی پرورش ہوتی ہے۔ جاپان میں گوشت بہت کم مقدار میں کھایا جاتا ہے مشکل سے سوا سیر کلو گوشت استعمال ہوتا ہے جاپانی زیادہ تر ترکاری اور مچھلی شوق سے کھاتے ہیں۔ جاپان میں ۴۰ ہزار اقسام کے حشرات الارض پائے جاتے ہیں یہاں سانپ بہت کم مقدار میں موجود ہیں مگر جو ہیں وہ زہریلے نہیں ہوتے سوائے ایک سانپ کے جسے جاپانی ''کوبرا'' سانپ کہتے ہیں اگر کاٹ لے تو انسان کسی صورت نہیں بچ سکتا۔ اہل جاپان اس سانپ کو پکا کر کھا جاتے ہیں ان کے خیال میں اس خوراک سے بہت سی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ریشم کے کیڑوں کی پیداوار جاپان میں کثرت سے ہوتی ہے اسی پیداوار کی کثرت کی وجہ بڑے بڑے ملکوں سے ٹکر کھاتا ہے۔ یہ قوم اتنی ہوشیار ہے کہ کیڑے مکوڑوں سے بھی پیسہ پیدا کر لیتی ہے۔

جنگلی پیداوار کی افراط بھی جاپان میں ہے، یہاں جنگل بہت وسیع و عریض حصے پر موجود ہے، جس کے تقریباً نصف حصے پر جنگل ہے۔ آب وہوا میں نمی اور زمین کی نوعیت کی وجہ سے چھ سو اقسام کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ سو اقسام کے چوبی درخت موجود ہیں اور تقریباً تیس اقسام کے ایسے درخت ہیں، جن سے قیمتی لکڑی حاصل کی جاتی ہے۔ صنعتی ترقی کے سلسلے میں لکڑی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جاپان میں بانس مختلف طرح سے کام

آتا ہے۔اس کو استعمال کرنے کے چھ سو طریقے ہیں، یہاں باغات کی مختلف اقسام ہیں، تقریباً ۴۰-۴۵ کروڑ کیوبک فٹ لکڑی جاپان میں ہر سال کاٹی جاتی ہے۔ ۱۴لاکھ پونڈ کی جاپان ریل کی پڑیاں اور سلائیاں باہر پہنچاتا ہے۔اس طرح بارانِ رحمت بھی جاپان میں کافی ہوتی ہے۔جاپان میں سالانہ بارش اوسط ۴۸ء انچ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جاپان سر سبز اور شاداب رہتا ہے۔

معدنیات کے حوالے سے بھی خوش قسمت ملک ہے۔تانبے،لوہے اور کوئلے کی کمی نہیں خاص جاپان میں ان کی کانیں موجود ہیں۔چین کی بڑی بڑی ضروریات یہاں کا کوئلہ پوری کرتا ہے۔یہاں پہلے زمانے میں دھات کا سارا کام ہاتھوں سے کرتے تھے تقریباً انیتس سونے کی کان،اکتالیس چاندی کی،ترپین لوہے کی اور اکیانوے تانبے کی موجود ہیں۔پٹن و سُرمہ اور سیسہ بہت کم مقدار میں پائے جاتے ہیں۔جاپانی چینی کے برتن بنانے میں سب سے اعلیٰ رتبہ رکھتے ہیں اس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ تین خاص قسم کے برتن بنائے جاتے ہیں۔(۱) خاکی رنگ کے۔ان پر کبھی کبھی درانش ہوتی ہے (۲)لکُ دار برتن(۳) سفید رنگ کے برتن ان پر سونے چاندی، سیسہ اور تانبے وغیرہ کا کبھی کبھی کام جن پر بھی کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جاپان کو ریشم کا ملک کہا جاتا ہے۔یہاں شہتوت کی کاشت کو غیرتِ توقیر کا سبب مانا جاتا ہے۔قدیم زمانے سے ریشم کے کیڑے جاپان میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس کو پیدا کرنے کے لیے دو طرح کی محنت درکار ہوتی ہے۔ایک انڈوں کو پیدا کرنا اور دوسرا ریشم کو بُننا ہے۔انڈوں کی پیداوار حاصل کرنے کا دارومدار کثرت سے کیڑوں اور مکڑیوں کا پایا جانا ہے۔جاپان میں شہتوت کی کاشت کی محنت بھی مشہور ہے۔ریشم کے کیڑوں میں اعلیٰ درجے کے انڈوں میں فرق ان کے رنگ اور قد سے لگایا جاتا ہے۔ ۲۲۰ء سال قبل مسیح سے جاپان مین ریشم کے کیڑے پیدا کرنے اور بُننے کاتنے کا کام چلا آرہا ہے۔جاپان میں کوریا سے ۲۸۳ء میں دو عورتیں آئی تھیں جو کشیدہ کے کام کو جانتی تھی۔گورنمنٹ نے پھر اس محنت کی طرف توجہ دی۔اور وزیر اس کی نگرانی کے لیے مقرر کئے اور ریشم تیار کرنے کے لیے خاص قسم کے قاعدے بنائے۔اس فن نے سولھویں صدی میں کمال حاصل کر لیا۔

روئی قدیم زمانے سے ہی جاپان میں پیدا ہوتی ہے۔جاپان میں روئی کو کاشت کرنے کا طریقہ بالکل ناقص ہونے کی وجہ سے اس کی پیداوار تقریباً ختم ہو گئی تھی مگر جب ۱۵۵۰ء میں پرتگیزی سوداگر نئی اقسام کے بیج لائے تھے تو اس وقت سے ہی جاپان میں روئی کی کاشت کاری اچھی ہونے لگی تھی۔جاپان کی تجارت میں یہ اب مفید شے سمجھی جاتی ہے۔صوبہ سکئی اوِزومی میں دخانی کلوں سے روئی کے کپڑے بُنے جاتے ہیں۔اس طرح کے سولہ صوبوں میں کار خانے ہیں۔اس کے علاوہ ایچیگو صوبہ میں پٹ سن اور ''بہمیریا'' سے دو خاص قسم کے کپڑے بنتے ہیں۔اِوا کی کے صوبہ میں کاغذ اور روئی سے قیمتی کپڑے تیار کیے جاتے ہیں۔کاغذ کا بانا اور روئی کا تانا ہوتا ہے۔اسی طرح سالکس کے پھول،

شہتوت کی چھال اور کیلے کے ریشوں سے سامان بنا کر چٹائی بُنی جاتی ہے۔ گویا دیکھنے میں معمولی چیزیں ہیں لیکن ان کی بناوٹ اور ترتیب میں صنعت نظر آتی ہے۔ روئی کے کپڑوں کو ریشم سے کاڑھتے ہیں اور ان پر رنگ سے تصویر بناتے ہیں یہ بہت خوشنما نظر آتے ہیں۔

جاپان رنگون کے لحاظ سے بھی بہت مشہور ہے، اس میں مختلف رنگ بنائے جاتے ہیں۔ ان میں زردہ سُرخ، نارنگی، گندمی، سیاہ، نیلا، گلابی، سبز، خاکی مائل سبز، شاہ بلوط کا رنگ، سلیٹ کا خاکی رنگ، گہرا نیلا وغیرہ اور یہ رنگ جن چیزوں سے بنتے ہیں، ان میں جاپان کی خاص چیزیں بھی شامل ہیں۔ ان رنگوں کو بنانے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی کام کرتی ہے۔ رنگ پیسنے کا کام عورتوں کی ایک جماعت کرتی ہے، جبکہ اون کو بنانے کا کام دوسری جماعت اور تیسری جماعت اس اون سے چیزوں کو رنگتی رہتی ہے۔ جاپان میں ایسے درخت باکثرت پائے جاتے ہیں، جن سے رنگ نکالا جاتا ہے۔ بعض درختوں کی کاشت اور بعض خودرو ہوتے ہیں، جبکہ کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں۔ جن کو جوش دینے سے رنگ نکلتا ہے اور کچھ میں دھاتوں کے عرق ملا دیئے جاتے ہیں۔

جاپان میں کاغذ کا استعمال چھٹی صدی سے شروع ہوا، پھر چند صدی کے بعد وہاں تین قسم کے کاغذ استعمال ہونے شروع ہو گئے ھشی، ماشی اور کوکشی کاغذ۔ ان کاغذوں کے علاوہ بھی تین طرح کے اور کاغذ کچھ درختوں سے بنائے جاتے تھے اور اب ان کاغذوں کا رواج ہے۔ درختوں سے ہی کاغذ کا سارا سامان حاصل کیا جاتا ہے۔ شہتوت کے درخت کا سب سے پہلے نمبر آتا ہے۔ اس سے بہت خوبصورت قسم کا کاغذ بنتا ہے اور دوسرا درجہ "گمپی" کا ہے اس درخت کے کاغذ کو کیڑے نہیں کھاتے۔ کچھ کاغذ اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ چمڑے کی طرح لگتے ہیں اس پر نقش و نگار بنا کر اور رنگ سے خوبصورت بنایا جاتا ہے۔ اور جس کاغذ سے کاپی، رجسٹر، البم، اور کتاب بنائی جاتی ہے اس کاغذ سے سینکڑوں طرح کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کو مکانوں میں شیشے کی جگہ لگاتے ہیں۔

اس کے علاوہ دیوار کے ساتھ لگا کر کمرے کے دو حصے بھی کر سکتے ہیں۔ اسی کاغذ سے پنکھے، لالٹین، پتنگ، جیبی رُومال اور مصنوعی پھول وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اسی کے خوبصورت، چمکیلے پردے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ٹوکیو کے پنکھے اور چھتیں بھی مشہور ہیں۔ جو کہ سیپ (ایک خاص قسم کی چینی کی لکڑی اور ہاتھی دانت اور بانس) سے بنائے جاتے ہیں۔ رُوشنائی اور سیاہی بھی جاپان میں بنائی جاتی ہے۔ اس کو دو طریقوں سے بنایا جاتا ہے۔ ایک سیاہی بنانے کے لیے اس میں سیاہ لکڑی کا کاجل استعمال ہوتا ہے اور دوسرے میں چراغ کا کاجل ڈال کر بناتے ہیں۔ سیاہی جتنی پرانی ہوتی ہے اتنی استعمال میں اچھی ہوتی ہے۔

جاپان میں جب سے کاغذ ایجاد ہوا ہے، تب سے ہی بالوں کے برش اور بالوں کے قلم کا بھی رواج شروع ہوا۔ پہلے خرگوش اور ہرن کے بالوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ پہلے کاریگر چاول کی بھوسی کی راکھ ہاتھ پر مل لیتا تھا، تاکہ کوئی

چکنائی نہ رہے۔ پھر ہاتھوں سے بالوں کو اٹھا کر تانبے کے کنگھے سے درست کرتا تھا، اور جتنی مقدار یا موٹائی کی قلم بنانے کی ضرورت ہوتی صرف اتنے ہی بالوں کو لے کر ''فنوزی'' نامی سمندری گھاس کی لیئی سے اس کو جوڑا جاتا، پھر خشک ہونے کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ بال ٹھیک لگ گئے ہیں۔ اس کے بعد کاریگر اس کو چاقو سے نوچ کر مخروطی شکل میں لاتا ہے، ساتھ ساتھ ان کو چاٹتا رہتا ہے تاکہ یہ مضبوطی سے بندھ جائے۔ جاپان میں قلم کو ہاتھ سے پکڑنے کا طریقہ مختلف ہے۔ یہ دو انگلیوں سے قلم کو پکڑتے ہیں ساتھ انگوٹھے کا سہارا ملتا ہے۔

جاپان کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں ادنٰی طبقے کے لوگ بھی نقاشی جانتے ہیں۔ اگرچہ جو پہلی صدیوں میں تعلیمی کتابیں، سفر نامے، البم، تاریخی اور مذہبی رسالے شائع ہوئے ہیں ان کو اگر جمع کر لیا جائے تو یہ جاپان کی کوہ ''خیوزی یما'' کی چوٹی سے بھی اونچی جا پہنچے گی۔ ٹائپ کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے مضمون کو پتھر پر کھودتے تھے، پھر تصاویر یا نقشے اور مضمون کو بُرش سے صاف کاغذ پر لکھتے اس کے بعد اس کاغذ کو لکڑی پر لکھے ہوئے حرفوں کو کو اوزار کی مدد سے کھودتے تھے۔ تمام پڑھے لکھے آدمی کاریگر جاپان میں زمین پر ہی بیٹھ کر کام کرتے۔ ہیں ان کے ہاں کرسی کا رواج نہیں ہے۔

تہذیب وثقافت:

جاپان میں دایہ گری کے کام کے لیے حکیم یا طبیب کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کام کے لیے مرد اور عورت اس سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ جاپان میں بچوں کی پیدائش پر سامان کا انتظام دادی کرتی ہے۔ اگر دادی نہیں تو یہ ذمہ داری ماں نبھاتی ہے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کو گرم پانی سے نہلایا جاتا ہے اور تین دن تک ''مکوری'' کے سوا کوئی اور خوراک نہیں دی جاتی اور اس ''مکوری'' کو پانی میں گھول کر ریشمی تھیلے میں بند کر دیا جاتا ہے، پھر بچہ اسی تھیلی کو چوستا رہتا ہے۔ ساتویں دن نام رکھنے کا رواج ہے۔ چاول میں ایک جڑی بوٹی ملا کر کھلائی جاتی ہے۔ اور پھر بیسویں روز سارے ملازموں کے ساتھ مل کر بچے کو مندر لے کر جاتے ہیں۔ جہاں بچے کو خوبصورت پوشاک پہنا کر دیوتا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کو پانی پلاتے ہیں، تاکہ اس کی زندگی خوشحالی میں گزرے۔

جاپان میں شادی ۱۵ سے ۲۵ سال کی عمر کی جاتی ہے۔ شوہر اور بیوی کا انتخاب ماں باپ خود کرتے ہیں۔ نوجوانوں کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ ان کی شادی کہاں اور کس سے ہو گئی۔ شادی کے وقت سب سے پہلے ''نیکوڈو'' کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ یہ شخص گواہ کے طور پر کام کرتا ہے۔ اور کنوارے اور بیوہ ''نیکوڈو'' نہیں ہوتے، پھر یہی دلہن کو خواب گاہ تک پہنچاتے ہیں۔ جہیز میں کپڑے، ریشمی زرلف، مچھلی، اور ساکے وغیرہ ہوتے ہیں۔ جاپان میں اگر کوئی مر جائے تو اسے ایک خاص کمرے میں رکھتے ہیں۔ اور اس کے پاس صاف پانی اور خوشبو رکھ دیتے ہیں اس کے بعد قبرستان

اور مندر میں اطلاع دی جاتی ہے۔ پھر رشتے داروں کو بلایا جاتا ہے۔ اگر جلانا مقصود نہیں تو پھر اس کی قبر کا انتظام کیا جاتا ہے۔ جاپان میں مردوں کو جلایا بھی جاتا ہے اور دفن بھی کیا جاتا ہے۔

جاپان میں چونکہ آئے روز زلزلے اور آتشزدگی ہوتی ہے تو اس لیے جاپانیوں نے مکان بھی اس لحاظ سے بنائے ہوتے ہیں۔ تاکہ مکان کو زلزلوں اور آتشزدگی سے زیادہ نقصان نہ ہو۔ قریب قریب جاپان میں سارے مکان ایک ہی واضع کے بنائے جاتے ہیں۔ ان مکانوں کی بنیاد بالکل نہیں بنائی جاتی بلکہ ستون کے ٹکروں میں سوراخ کر کے دوسرے ستون کے ساتھ پھنسائے جاتے ہیں، اور چھتیں نیچے کی طرف جھکی ہوتی ہیں۔ جس سے بارش کی بوچھاڑ سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ انہی ستونوں کی مدد سے چوڑے اور کشادہ برآمدے بنائے جاتے ہیں۔ ان مکانوں کی زیادہ لمبی اور اونچی دیواریں نہیں ہوتی، لکڑی کے سرکنے والے دروازے ہوتے ہیں۔ ہر مکان کے آگے خوبصورت باغ ہوتا ہے، اس میں لگی سبزیاں اور پھولوں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ پورا مکان ہری بھری بیلوں سے بھرا رہتا ہے۔ جاپان میں پتھر کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مگر جاپان کے معمار عمارت کو بنانے میں لکڑی کے علاوہ کسی پتھر کا استعمال نہیں کرتے۔ دیہات اور شہروں کے مکانات ایک ہی شکل ہوتے ہیں۔

جب کہ دیہاتی مکان میں پہلے مٹی اور بھوسے سے لیپائی کی جاتی ہے، پھر اس کے بعد اس پر پسی ہوئی کوڑیوں کا گارا لگایا جاتا ہے۔ گرمی کے موسم میں یہ مکان بالکل کھلے رہتے ہیں اور بنا کسی مزاحمت کے ان کے طرزِ معاشرت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ کام کاج اور غسل کے وقت بھی مکانوں کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ کاغذ کے باریک پردے لگے ہوتے ہیں۔ جن کو علیحدہ بھی کر دیا جاتا ہے اور جوڑ بھی دیا جاتا ہے، ان کے کمروں میں موٹی اور ملائم چٹائیاں بچھی ہوتی ہیں۔ عموماً چٹائیاں چھ گز لمبی اور ایک گز چوڑی اور موٹائی تین انچ ہوتی ہے۔

اپنے کمروں کا مربع انہی چٹائیوں سے ناپ کر بناتے ہیں کہ اس کمرے میں اتنی چٹائیاں ہیں، اور اس میں اتنی ہیں۔ مگر برآمدے اور باورچی خانے میں خوبصورت روغنی لکڑی کا کام ہوتا ہے۔ دومنزلہ مکان یہاں کم ہوتے ہیں اور اگر کوئی مکان دومنزلہ ہو بھی تو اس کی دوسری منزل کو پیچھے کی طرف بنایا جاتا ہے، تاکہ وزن کی وجہ چھت نیچے کی طرف نہ لٹک جائے جاپانیوں کے مکان کی دیواروں پر خوبصورت کاری گری کی ہوتی ہے۔

ان کے ہاں میز کرسی کا رواج نہیں ہوتا بلکہ دریاں اور چٹائیاں بچھی ہوتی ہیں۔ جن پر یہ دوزانوں ہو کر بیٹھتے ہیں۔ یہ اپنے گھروں میں جوتے پہن کر نہیں آتے، بلکہ انہیں باہر اُتار دیتے ہیں۔ ان کے بستر قیمتی نہیں ہوتے۔ لکڑی کے تکیے جن پر روئی کی گدی رکھتے ہیں۔ اور ایک رضائی ہوتی جسے کمرے میں آرام کرنا ہو تو وہی بستر ڈال کر سو جاتے ہیں۔ مچھروں سے بچنے کے لیے پردوں کا استعمال کرتے ہیں اور ان کے کمروں میں دو چیزیں ضرور رکھی جاتی ہیں، ایک طشتری اور دوسرا آتش دان۔ یہ دونوں چیزیں وہ تیل یا لکڑی سے بناتے ہیں۔ اور ان پر مٹی کا غلاف چڑھا ہوتا

ہے۔ آتش دان میں کوئلہ ڈال کر سلگاتے ہیں اور اس سے حرارت حاصل کرتے ہیں۔ یہ اپنے کمروں کو پردوں، چینی کے برتنوں اور بیل بوٹوں سے سجاتے ہیں۔ یہاں پر زیادہ تر ہر ایک چیز کاغذ کی بنائی جاتی ہے۔ جیسے لالٹین کاغذ کی بنا کر اس میں موم بتی جلاتے ہیں، مگر مٹی کے تیل رواج بھی ہو رہا ہے۔ ان کے ایک کمرے کو عبادت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے، جس میں ان کے بزرگوں، دیوتاؤں اور ان کی عبادت کا سامان رکھا جاتا ہے۔ اور ہر روز خاندان کے افراد اس کی پرستش کرتے ہیں۔ رات کے وقت مکان کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی رات کو دروازہ کھلواتا ہے تو یا توتالی بجائے گا یا پھر ایک جملہ بولتا ہے "معاف فرمائیں"۔

جاپانی کھانے پینے کے معاملے میں بڑے اعتدال پسند ہوتے ہیں۔ بدھ مت مذہب کی ابتدا سے پہلے یہ لوگ مچھلی، درختوں کی جڑیں، شکاری جانور اور پھل پھول کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر جوں جوں وقت بدلتا گیا تو ان کے ہاں گوشت کا استعمال کم اور ترکاری کا استعمال زیادہ ہو گیا۔ یہ لوگ تین وقت کھانا کھاتے ہیں، اور تینوں وقت کا کھانا قریباً ایک جیسا ہوتا ہے، لیکن صبح کا ناشتہ جو ہوتا ہے۔ وہ باقی دوپہر اور رات کے کھانے سے زیادہ ہلکا اور زود ہضم ہوتا ہے۔ شہر میں چاول کا استعمال زیادہ ہے۔ مگر دیہات میں جو، گیہوں، جوار کا استعمال ہوتا ہے۔ دیہاتی چاول پکا کر ضعیفوں اور بیماروں کو کھلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آلو، زمین قند اور باقلا کی کاشت کثرت سے ہوتی ہے مگر لمبی سفید مولی کے قتلے کر کے اس میں نمک ملا کر اسے بہت شوق سے کھاتے ہیں۔

پھلوں میں ناشپاتیاں، سیب، انگور بکثرت ملتے ہیں۔ جاپانی لوگ دودھ نہیں پیتے، مگر اس سے مکھن اور پنیر بناتے ہیں، اور سارا دودھ بچھڑوں کو پلا دیتے ہیں۔ دریائی جانوروں پر اپنی زندگی کا گزر بسر کرتے ہیں، اور بطخ، بندر، مرغ اور ریچھ کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ جاپان میں کھانا چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں ڈال کر کھایا جاتا ہے۔ اور ہر شخص الگ الگ کھانا کھاتا ہے۔ ان کے ہاں جب کوئی مہمان آتا ہے تو سب سے پہلے اس کو آتش دانی اور پائپ دیتے ہیں، پھر ہلکی جوش دی ہوئی چائے پیش کرتے ہیں۔ چاولوں کی بنی ہوئی شراب کا استعمال جاپان میں کثرت سے ہوتا ہے یہ شراب نیم گرم پی جاتی ہے۔ اس لیے اس کا بہت جلدی اثر دماغ پر ہوتا ہے۔

اہل جاپان کا لباس یعنی ان کی پوشاک آب و ہوا اور ان کی حیثیت کے لحاظ سے مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ گاؤں کے لوگ موسم گرما میں صرف ایک کپڑا جسم پر ڈال کر زندگی گزارتے ہیں، جبکہ شہروں میں اس طرح برہنہ ہو کر رہنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بوجھ افلاس سے مزدور بیچارے ننگے جسم رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ موسم گرما میں کسان سوتی کپڑے کا کوٹ استعمال کرتے ہے جبکہ موسم سرما میں لمبے کوٹ اور موزے جو پنجوں سے کٹے ہوتے ہیں، وہ پہنتے ہیں۔ جاپان میں ٹوپی کا رداج بالکل نہیں، مگر بارش سے بچنے کے لیے پتوں اور تنکوں کا کوٹ اور ٹوپی پہنی جاتی ہے۔ اہل جاپان کے لباس سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ کون سا آدمی کس مرتبے اور درجے کا ہے۔ چونکہ اعلی

قسم کا جو لباس ہے وہ صرف معزز اشخاص کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔اور عموماً یہ کپڑے ریشم، سوت اور سن کے تیار ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں اونی کپڑے کا استعمال زیادہ نہیں ہوتا۔ چونکہ ان کے ہاں بھیڑ نہیں ہوتی، اور جو دوسرے ممالک کپڑا منگوایا جاتا ہے وہ گرم ہوتا ہے۔ جاپان میں تمام مرد اور عورتیں ایک جیسا لبادہ پہنتے ہیں۔ جو کہ سینے کے اوپر سے کھلا ہوتا ہے اور سر کے اوپر ایک چوڑا کپڑا یا پٹی کس لیتے ہیں۔ سردی کے موسم یہ لباس ریشمی اور گرمی میں سوتی کپڑے کے بنائے جاتے ہیں۔ان کپڑوں کی آستینیں اتنی ڈھیلی ہوتی ہیں کہ ان میں یہ لوگ رومال وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔ پچھلے وقتوں میں فوجی ان آستینوں میں اپنی تلواریں رکھتے تھے۔

جاپانی جب کسی دعوت یا شادی میں شرکت کرتے ہیں، تو وہ ایک غرارہ دار پاجامہ اور ریشمی کوٹ پہنتے ہیں۔ پہلے کی عورتیں سر پر رومال باندھتی تھی، مگر اب جدید زمانے میں نئی تراش کے بال رکھنے کا رواج ہے۔انہی جاپانی عورتوں میں اپنی جیبوں کے اندر چھتری اور رومال رکھنے کا رواج تھا، اور اس کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتی تھی۔اور کوئی جاپانی ایسا نہیں تھا۔ جس کی جیب میں تمباکو یا حقہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ جاپانی عورتوں کو اپنے بالوں کی دیکھ بھال کا بڑا دھیان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس کو بڑھانے اور چمکدار بنانے میں لگی رہتی ہیں۔ یہ چار قسم کے بیجوں سے قیمتی تیل بناتے ہیں۔ جس سے ان کے بال اتنے دراز ہو جاتے ہیں، کہ ایڑی تک پہنچ جاتے ہیں۔ جاپانی بچوں کی پوشاکیں انہی کی طرح ہوتی ہیں۔ سر پر ٹوپی اور ایک طرف تعویز کی تھیلی لٹکائے پھرتے ہیں۔انہوں نے اپنے بچوں کی گردنوں میں ان کا نام اور پتہ لکھ کر لٹکایا ہوتا ہے۔ تاکہ اگر کہیں گم ہو جائے تو یہ آسانی سے مل جائے۔

قدیم جاپانی باشندے نہانے سے کوسوں دور بھاگتے تھے مگر وقت سے ان میں تبدیلی آئی ہے جس سے یہ اب روز نہاتے ہیں، لیکن ٹھنڈا پانی مشکل سے ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ گرم پانی سے صحت مند رہتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ گرم چشموں میں دن میں کئی مرتبہ غسل کرتے ہیں اور بچے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ ٹوکیو میں ۸۰۰ تقریباً غسل کے حمام ہیں، ان حماموں میں روز ۳۰۰۰۰۰ آدمی غسل کرتے ہیں۔اس طرح کے حمام ہر امیر کے گھر بنے ہوتے ہیں، لیکن جس گھر میں غسل خانہ یا حمام نہیں ہوتا تو وہ لوگ ایک ٹب میں پانی بھر کر دھوپ میں رکھ دیتے ہیں۔ سورج غروب ہونے تک پانی خوب گرم ہو جاتا ہے، تو پھر اس کے گھر کے افراد اس گرم پانی سے نہا لیتے ہیں۔اور یہی پانی خادم بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

جاپانی قوم انتہائی خوش اخلاق قوم ہے، یہاں سب کو برابری کا درجہ حاصل ہے۔ ملازموں اور ادنی سے ادنی کام کرنے والوں سے برابری کا سلوک کیا جاتا ہے۔ جاپانیوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے، کہ جاپانی بڑے ایمان دار ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مالک کے مال کو مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ جاپان میں چوری چکاری اور قتل وغارت شاذو نادر ہوتے ہیں۔ نظم وضبط اس ملک کی پہچان ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں نظم وضبط کا ہی دور دورہ ہے۔افواج کے لحاظ سے تو ہر ملک میں

نظم وضبط ہوتا ہے، مگر جاپان میں پرائمری اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک کے تمام تعلیم اداروں میں اس کے علاوہ کھیل کے میدانوں میں، کارخانوں میں، سینما میں، پارک میں غرض ہر جگہ نظم وضبط نظر آتا ہے۔

جاپان میں تعلیمی نظام بھی باقی ممالک سے مختلف ہے۔ ۱۸۷۲ء میں مجسٹریٹ کے خاص حکم سے جاپان کی رعایا کو ایک سرکاری طور پر اعلان کیا گیا تھا، جس میں یہ کہا گیا کہ پورے ملک میں ایسی تعلیم پھیلائی جائے، کہ کسی کنبے میں اور کسی گاؤں میں کوئی جاہل نہ رہے۔ جاپان کے طریقہ تعلیم میں قومی انسٹرکشن کے تین بڑے اصولوں ہے، جن میں سے دو پائے جاتے ہیں۔ یہ دنیاوی اور لازمی ہے۔ مفت نہیں ہے۔ گنڈرگارٹن، ابتدائی تعلیم، مڈل سکول اور یونی ورسٹی گنڈگارٹن ان بچوں کے لیے ہوتا ہے۔ جن کی عمر تین سے چھ سال کے درمیان ہوتی ہے۔ جاپان میں تقریباً ان کی تعداد ۱۳۰ ہے۔ یہ زیادہ بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ ابتدائی سکول بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ قسم اور معمولی شروع میں چھ برس سے زائد عمر کے تمام بچوں کی ۲۳ ہفتے سالانہ حاضری ضروری ہے ان کو مختلف مضامیں پڑھائے جاتے ہیں۔ جن میں حساب، انگریزی زبان، تاریخ وغیرہ شامل ہے۔ مڈل سکول بھی دو قسموں کے ہوتے ہیں۔ اوّل اعلیٰ اور معمولی اس تعلیم کے لیے طلباء کی عمر ۱۲ سال سے زائد ہونی چاہیے، ان کے لیے لازمی ہے کہ ابتدائی کورس مکمل کیا ہوا ہو اس میں بی اعلیٰ درجے کے مضامین شامل ہوتے ہیں جیسے کیمسٹری۔ حساب۔ چینی زبان، زراعت وغیرہ اس طرح یونیورسٹی کے بھی علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں۔

یونیورسٹی کا طریقہ کار جرمنی کا ہے۔ جاپان کے مدیروں نے اپنی قوم کو خود تعلیم دینے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور اپنی اس خواہش کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ تاکہ ان کی قوم میں ترقی یافتہ ہو سکے۔ جاپان میں چھ سرکاری یونی ورسٹیاں ہیں، جن میں کیوٹو، ٹوکیو، کیوشو، اور سیورو ان میں سے ہر یونیورسٹی کے مختلف شعبے ہوتے ہیں۔ جاپان کا نصاب تعلیم اتنا وسیع اور جامع ہے، کہ ہر موضوع کی تعلیم کا مکمل انتظام موجود ہے۔ جو انسان کے لیے مفید اور مستقبل کے لیے کارآمد ہوتی ہے۔ پورے ملک ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے۔ جب یہ طالب علم لڑکے اور لڑکیاں وردی پہن کے قطاروں کی صورت میں سڑکوں پر نکلتے ہیں، تو ہر طالب علم ملک کا ایک سپاہی معلوم ہوتا ہے۔ جاپان کا تعلیمی نظام مکمل ہونے کے باوجود ان کے علم کی پیاس بجھانے کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے جو لوگ تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے مطالعے کو جاری رکھنے کے لیے مختلف ذرائع تلاش کرتے ہیں۔ اور ان کا جس شعبے سے تعلق ہوتا ہے، اس میں آئے روز جو تبدیلیاں ہوتی ہیں، ان سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سماجی تعلیم سے ضرورت کافی حد تک پوری ہوتی ہے، جس کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی حکومت کرتی ہے، سماجی تعلیم میں اخبار اور رسائل کا خاص حصہ ہے۔ جاپان کے لوگوں کو تصنیف وتالیف اور ترجموں وغیرہ کی شکل میں مطالعہ کرنے کا کافی مواد فراہم ہو جاتا ہے۔

اس میں کتب خانوں کا بھی گہرا تعلق ہے ان کتب خانوں کی تعداد ساڑھے چار ہزار کے قریب ہے۔ سماجی تعلیم کی سب سے اہم جماعتوں میں نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں شامل ہیں، ان کی انجمنیں ہیں جن کا مقصد اچھے شہری پیدا کرنا اور اس کے رکن وہی لوگ ہو سکتے ہیں، جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد کسی روزگار سے وابستہ ہوں۔ جاپان میں تعلیم نسواں شروع میں اس لیے جاری نہیں ہوا تھا کہ عورتیں مردوں کی برابری نہ کرے سکے بلکہ صرف اس لیے جاری ہوا، کہ وہ بہترین بیویاں اور مائیں بن سکیں۔

جاپان کی ترقی میں ریڈیو کی بہت اہمیت ہے۔ جاپان کے ہر گھر میں ریڈیو موجود ہے اور غریب سے غریب بھی چھ آنے ماہوار میں ریڈیو خرید سکتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جاپانی ریڈیو کے ذریعے سے ملکی اور غیر ملکی زبانوں، تجارتی باتوں اور سیاسی معاملوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور روز کی تازہ خبریں اخبار نکلنے سے پہلے معلوم ہو جاتی ہیں۔ ریڈیو صبح سے شام تک جاپانیوں کا ساتھی ہوتا ہے وہ خود کو اکیلا محسوس نہیں کرتے۔ جاپان ساری دنیا سے زیادہ سستے اور بہتر اخبار شائع کرنے والا ملک ہے۔ ان اخباروں کی اشاعت ہزاروں لاکھوں ہے۔ ''اوساکا نچی'' اور ''اوساکا ساہی'' کی اشاعت ۳۰ سے ۳۵ لاکھ ہے یہ ٹوکیو سے دونوں اخبار نکلتے ہیں۔ علمی اور اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ اخباروں میں اضافہ ہوتا گیا ۱۹۳۱ء کے آخر تک ۱۲۸۰ اخبار نکلتے تھے لیکن ایک ہی سال میں ۱۳۳۰ ان کی تعداد ہو گی۔

اگر کسی قوم کی عادات اور رسم ورواج کا اندازہ لگانا ہو، تو اس کے تہواروں اور ان کی سالانہ تقاریر سے لگایا جا سکتا ہے۔ جاپان ہر روز کوئی نہ کوئی تہوار مناتا ہے۔ نوروز کی تقریب کو جاپانی بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ ہر شخص اچھے اچھے کپڑے پہنے گھومتا ہے۔ چاولوں کی روٹی اور چاولوں کی شراب پیتے ہیں۔ لڑکے پتنگ اڑاتے ہیں اور لڑکیاں گیند بلا کھیلتی ہیں پانچ دن تک جشن منایا جاتا ہے۔ یہ لوگ نیا سال بھی بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں۔ تیرہ دسمبر سے '' گان گو'' یعنی کہ نئے سال کے تہوار کے لیے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ سب اپنے اپنے مکانوں کی صفائیاں کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ''ماتچیں''(چاول کی روٹی) بنانے کا دن مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ روٹی بڑے اہتمام اور ہوشیاری سے بنائی جاتی ہے۔

سال ختم ہونے سے دو تین دن پہلے نئے سال کی تیاری شروع ہو جاتی ہے، اور گھروں کے دروازے اور دیواریں سجائی جاتی ہیں۔ مٹی سے بھرے ہوئے برتنوں میں بانس اور صنوبر کی ٹہنیاں لگا کر دروازوں کے آگے رکھی جاتی ہیں۔ گندھی ہوئی گھاس کے ہار بنا کر اوپر سے نیچے تک دیواروں پر لٹکاتے ہیں۔ اپریل کے مہینے میں جب اونو، ٹوکیڈو ومیسکی میں سفید، ملکو جیما میں سُرخ پھول آتے ہیں، تو بھی جاپان میں جشن منایا جاتا ہے۔ جون کے مہینے میں شہد اور جولائی کے مہینے میں قوس وقزح کا میلہ لگتا ہے اور اس طرح خزاں کے موسم میں جب دو خاص درختوں پر نئی کونپلیں لگتی ہیں، تو جاپانی اس پر بھی خوشی مناتے ہیں۔ شادی، موت، پیدائش وغیرہ کی تقریبات گھر پر ہی منائی جاتی

ہے۔شہروں میں آتش بازی کا میلہ اور کچھ مذہبی تہوار بھی منائے جاتے ہیں۔آتش بازی کا تماشہ زیادہ تر دریا کے کنارے ہوتا ہے۔مذہبی تہواروں پر جلوس نکلتے ہیں۔سیر و تماشے سے جاپانیوں کا دل کبھی نہیں بھرتا۔

مشرقی دنیا میں جاپان آمدورفت کا ذریعہ ہے کیوں کہ جاپان سے تین راستے ملتے ہیں۔ایک امریکہ دوسرا یورپ اور تیسرا روس کا جو بحری راستہ ہے۔جاپان کی جو خاص خاص بندرگاہیں ہیں،ان میں کوبے،ناگاساکی،موجی،یکوہما اور سوروگا وغیرہ آمدورفت کے لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہیں۔سیاحت کے لحاظ سے جاپان کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔جاپان کے پہاڑوں،ندیوں،جھیلوں اور طبعی حالات نے ایسے مناظر پیدا کر دیئے ہیں کہ جب کوئی سیاح جاپان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہیں،تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔پھر تاریخ کی عظمت اور اس کی روایات نے اس پر چار چاند لگا دیئے ہیں۔جتنی تفریح گاہیں جاپان میں ہیں اتنی کسی اور ملک میں نہیں۔اور نہ سیاحوں کو اتنے موقع ملتے ہیں کہ ہر روز زندگی کا مطالعہ کر سکے۔زیادہ تفریح گاہیں بڑے شہروں میں واقع ہیں۔تفریح گاہوں کے مناظر بڑے دلکش اور وہاں کی آب و ہوا دلفریب ہے،جاپانی ساحل پر سیاحوں کے لیے مچھلیوں کا شکار کرنے،کشتی چلانے اور تیرنے کا سامان موجود ہوتا ہے۔

جاپان میں قدیم تماشے بھی ہوتے ہیں جن میں ڈرامے،کٹھ پتلی،ننگو شبئ،کبوکی یا علمی اور یہ تماشے فنی لحاظ سے بہت بلند پائے کے ہوتے ہیں۔نوہ گانوں،نظموں اور ناچ پر مشتمل ہوتا ہے اور زیادہ تر ان میں تاریخی واقعات بیان ہوتے ہیں۔اس طرح جاپان میں بے شمار ناچ گھر،قہوہ خانے،شراب خانے اور ہوٹل ہیں جو آپ کی دلچسپی کے مطابق لطف اندوز کرواتے ہیں۔جاپان سیاحت کے لیے اپنے مصنوعی اور فطری حسن و جمال کی وجہ موزوں جگہ مانی جاتی ہے،یہاں ہر فن اور ہنر موجود ہے۔مثال کے طور پر مصوری،سنگ تراشی،فن عمارت وغیرہ کے بہترین نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں،اور قدیم جواہر جیسے عجائب گھر،شنٹو اور بدھ مندروں کے مقابرین اور تصویر خانے محفوظ ہیں،جو آرٹ سے تعلق رکھتے ہیں ان شائقین کے لیے نارا اور ٹوکیو کے عجائب گھر ٹوکیو کے میجی مقبرے کا تصویر خانہ ان سیاحوں کو ضرور دیکھنا چاہیے کیوں کہ ان عجائب خانوں میں صدیوں پرانی نایاب چیزیں پائی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ ہاتھی دانت کا سامان،پنکھے،پردے،چھتریاں،جاپانی گڑیاں وغیرہ اور ریشم کپڑے بھی یہاں دستیاب ہوتے ہیں،جسے غیر ملکی بہت پسند کرتے ہیں۔

قدیم تاریخ اور ترقی کی وجہ سے جاپان کے بڑے بڑے شہروں کو ناز ہیں۔۴۰ لاکھ آبادی کی وجہ سے ٹوکیو دنیا کے تیسرے نمبر آتا ہے۔۳۳ء کی آتشزدگی اور زلزلوں کے بعد اس میں اتنی حیرت انگیز تبدلیاں آئی ہے کہ اب یہ دنیا کے جدید شہروں میں شمار ہوتا ہے۔اب ہزاروں کی تعداد میں سات سات آٹھ آٹھ منزل کی عمارتیں اور صاف ستھری سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔جاپان کا "صنعتی مرکز" اوساکا ہے" اور دنیا کی بہت بڑی روئی کی منڈی ہے۔

کیوٹو ہزاروں برس سے جاپان کی تہذیب کا گہوارہ ہے، اور پہلے جاپان کا دار لحکومت بھی تھا۔ اس وجہ سے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے اور قدیم جاپانی صنعتوں کا مرکز بھی رہا ہے۔ جاپان میں ایک چائے کی تقریب ہوتی ہے۔ جسے چا۔نو۔یو کہتے ہیں، وہاں کے بڑے لوگوں کے لیے یہ شغل ہوتا ہے، اور اس سے ذہنی تربیت بھی ہوتی ہے۔ پہلے جاپان کے تانگ دربار میں سفیر چائے کی پتی لے کر آتے تھے، پھر ۱۰۵ء میں ایک سادھو چین سے چائے کا بیج لایا تھا۔ اس سے پھر جاپان میں بھی چائے کے باغات بن گئے پھر اس طرح پندرھویں صدی سے چاے کی تقریب شروع ہوئی، پھر اس طرح جاپانی تہذیب میں اس کو خاص اہمیت مل گئی۔ جاپان میں چائے خانے کو سوکیہ کہا جاتا ہے چاء کا ایک خاص کمرہ ہوتا ہے جس میں پانچ لوگوں کی گنجائش ہوتی ہے اس سے پیچھے ایک اور کمرہ ہوتا ہے جس میں چائے کے برتن رکھے جاتے ہیں۔ چائے کی تقریب، موقع محل، موسم اور میزبان کے ارادے کے مطابق ہوتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم سے پہلے جاپان کا سماجی منظر نامہ:

''سماج'' لفظ سنسکرت زبان کے دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ ''سم'' اور ''آج'' سم کے معنی ہیں اکٹھا یا ایک ساتھ اور آج کے معنی ہیں رہنا یعنی سماج کے لغوی معنی ہیں ایک ساتھ رہنا۔ اس خیال سے جہاں افراد ایک جگہ جمع ہوتے ہیں وہی سماج بن جاتا ہے۔

> ''سماج'' ہندی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان میں اس لفظ کا ''معاشرہ'' اور انگریزی زبان میں اسے سوسائٹی (Socitey) کہتے ہیں۔ فرہنگ تلفظ میں شان الحق حقی نے سماج کے درج زیل معنی کیے ہیں'' معاشرہ، سوسائٹی، ٹولا، انجمن، حلقہ۔''[۴]

نور اللغات میں ''سماج'' کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں: '' سبھا، انجمن''[۵]

فرہنگ آصفیہ میں ''سماج کے معنی یہ بتائے گئے ہیں: سبھا، انجمن، مجلس، محفل، سوسائٹی، گروہ، جتھا، ٹولی، منڈلی۔[۶]

Webster's New ilkullen Lustrated dictionary کے مطابق سماج کے معانی یوں ہیں:

> Human beings in general taken in relation to one another; an organized community: a boady of person united for some common purpose: The more

cultivated or more fashionable part of the community.[ے]

گویاانسانوں کے بڑے گروہ کو سماج یامعاشرہ کو کہاجاتاہے،جو مشترکہ مفادات کاتحفظ آپس میں کرتاہے۔اور باہمی میل جول کے اعتبار سے مخصوص خوبیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ان کے خاص ضابطہ حیات کے تحت مذہبی و روحانی و نظریاتی، تہذیب و ثقافت) منفرد ہوتی ہے۔انسان کو اپنے بقاءارتقااور نشوونما کے لیےاور اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے دوسرے لوگوں کی ضرورت رہتی ہے،لہذادوسرے لوگوں سے روابط اور تعلقات انسان کو رکھنے پڑتے ہیں۔یوں محدود سطح پر ایک سماج تشکیل پاتاہے، جس کادائرہ اجتماعی مفادات اور ضروریات کے تحت کم یازیادہ ہوتارہتاہے۔سماج کی صورت گری اور تشکیل پذیری کے دیگر عوامل میں رنگ، نسل، موسم، خطہ اور جغرافیہ شامل ہوتے ہیں،ان کے علاوہ عقائد و نظریات بھی اثرانداز ہوتے ہیں یاسماج کی تشکیل کے دوران وجود میں آتے ہیں۔ ہر محلے اور علاقے کااپناسماج ہوتاہے، جس کی اپنی انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں۔ سفر ناموں میں مختلف سماجوں اور معاشروں کی یہ انفرادی خوبیاں کی متنوع صورتیں بیان ہوتی ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سماج اور معاشرے میں واضح فرق محسوس کیاجاسکتاہے۔

جاپان چھٹی صدی کے قریب تک گمنامی میں رہا۔جاپان کی نہ کوئی قدیم تاریخ، روایات اور تہذیب و تمدن تھی۔ جبکہ جاپان کے شہنشاہ کادعوی ہے، کہ جاپانی شہنشاہیت کی داغ بیل سورج دیوتاکے ہاتھوں میں پڑی۔ چین نے چھٹی صدی میں جاپان پر حملہ کرکے اس کو دنیاکے سامنے لایا، چنانچہ چینیوں کایہ حملہ جاپانی تمدن کاوسیلہ بنااوراس نے جاپانیوں کی سماجی زندگی کے ہر پہلو کواجاگر کیا۔ چینی تہذیب و تمدن اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔اور ادب، زبان، مذہب، فنون لطیفہ اور فلسفہ سے بے علم جاپانیوں کو روشناس کیا۔ جاپانیوں کی تاریخ چھٹی صدی تک خانہ جنگی اور جاگیر داروں کی لڑائی پر مشتمل تھی۔

شہنشاہ صرف نام کاتھا۔ شوگن (مذہبی پیشوا) ملکی اقتدار کے مالک جو پشت در پشت چلے آرہے تھے۔ شوگن کے اور ڈائیمور جاگیر دار کے طبقے جوایک دوسرے پر غلبہ پانے میں لگے رہتے تھے۔ڈائیو کے ماتحت ہزاروں جنرل، صوبےداراور سپاہی اپنی جان مالک پر گنوانے کے لیے ہر وقت تیار رہے تھے۔ جاپان میں اس طبقہ کی بڑی عزت تھی اور اس طبقہ کو سمورائی(اطاعت گزار) کہہ کر پکارا جاتا۔ پھر آہستہ آہستہ ان سپاہیوں کے کارناموں سے ایک ادارہ قائم ہوا جوان کی بے رحمی اور ظلم و ستم کا سرچشمہ تھا۔ پہلے جاپان میں یہ عام بات سمجھی جاتی تھی کہ سمورائی طبقہ کاسپاہی کسی بھی راہ چلتے کی اپنی تلوار سے گردن اُڑاسکتاتھا۔ ۱۵۴۲ءجاپان سے کچھ دور پر تگالیوں کے جہاز غرق ہوئےاور وہ بڑی مشکل سے جاپان کے ساحل پر پہنچےاس طرح مغرب سے پہلارشتہ قائم ہوا۔امریکن بحری افسر ۱۸۵۲ء میں جاپان

پہنچااور حکومت سے مطالبہ کیا۔ کہ ڈوبے ہوئے جہازوں کے بچے ہوئے مسافر اور ملاح نے اگر اتفاق سے جاپان کے ساحل پر پناہ لے لی ہے تو اُن کو وہ واپس کر دیا جائے۔ مگر جاپان کی حکومت نے اس تجویز پر غور نہیں کی۔ جس کے نتیجے میں امریکی اور انگریزی جہازوں نے مل کر جاپان پر گولہ باری کی۔ جس کی وجہ سے جاپان کو اپنا رویہ بدلنا پڑا اور یوں غیر ملکیوں کو ملک میں آنے کی اجازت ملی۔

یہاں شہنشاہ خدا کا نائب تصور کیا جاتا ہے اس لیے دوبارہ شہنشاہیت قائم کی گئی۔ ۱۸۶۸ء میں شہنشاہ میجی تخت نشین ہوا اور اس کے ساتھ ہی شوگی اور جاگیریت کی حاکمیت کا اختتام ہوا۔ عہد میجی نے نئے سرے سے مذہبی ریاست قائم کی اور جنگجو سمورائی طبقہ کو اپنے بڑے بڑے میل جول رکھنے والوں اور نوابوں کے مفاد کی حفاظت کرنے کے لیے نہ صرف زندہ رہنے دیا بلکہ انھیں اور زیادہ اختیارات دیئے۔ اور چھوٹے جنگجو سردار اور زمینداروں کو دبا دیا گیا۔ جاگیری مرکزیت کو عروج حاصل ہوا۔ تمام بڑے بڑے ملنے جلنے والوں اور نوابوں کو مثلاً شمازاد، اوکولو، یامانوی وغیرہ خوشی خوشی میجی حکومت کی اطاعت کرنے کے لیے راضی ہو گئے۔ انہی نوابوں کے ہاتھوں میں حکومت کے سارے اختیارات آ گئے جس سے شہنشاہ کو یہ کٹھ پتلی کی طرح نچایا کرتے تھے۔ پھر نئے بادشاہوں نے محسوس کیا کہ جاپان کو زمانے کے ساتھ ترقی کرنی چاہیے چنانچہ یوڈور (موجودہ ٹوکیو) کو دارالخلافہ بن گیا ایک مجلس مشیر کاروں کی بنی جس میں جاگیر دار اور نواب جاپان کے شامل کئے گئے۔ جاپان کی سیاسی زندگی دراصل مجلس شوریٰ کے قیام اور آئینی نفاذ کے بعد شروع ہوئی۔

مشہور جاپانی آئین ساز نے ۱۸۸۳ء میں یورپ کا دورہ کیا تاکہ مختلف ممالک میں رائج آئین کا مطالعہ کر سکے اور ایک نیا آئین جاپان کے لیے مرتب کر سکے۔ اٹو بیجد بسمارک کی عسکریت مرعوب ہو کر پروشیا کے آئین کو اپنا ماڈل بنایا۔ بسمارک کی عسکریت کے نمونے جاپان کے آئین میں پائے جاتے ہیں۔ مذہب کے حوالے سے شاہ جاپان روحانی حاکم اور باپ ہے، جس کی اطاعت فرض ہے۔ جاپان کی رعایا کے لیے شہنشاہ باپ تصور کیا جاتا ہے۔ مقدس باپ نے سماجی طبقوں میں جاپانی باپ کو تقسیم کر دیا ہے۔ پیدائش کے لحاظ سے میجی شہنشاہیت کے بعد رعایا کے تین حصے کئے گئے۔ پہلا زوکو (نواب اور تعلقدار) دوسرا شروکو (جنگجو سمورائی) اور تیسرا ہمین یعنی (عوام) وزارتی کابینہ کی ایک بنیاد آئین نے ڈالی، جس میں صرف بادشاہ جوابدہ ہو گا اور جو عوام کے نمائندوں کی دسترس سے باہر ہو گئی۔ عوام کا فوجی اور بحری محکموں میں ذرہ دخل نہیں تھا اور یہ صرف فوجی اور بحری افسر اس میں دخل لے سکتے تھے۔ اور اصل وجہ تو یہ تھی کہ سیاسی چالیں آئے دن وزرات کو درہم برہم کر دیتی۔ دو ایوانوں پر مجلس شوری مشتمل تھی یعنی دارالامراء اور دارالعلوم۔ دارالامراء نواب، تعلق دار اور رئیس زادوں پر مشتمل تھی جبکہ دارالعلوم میں بھی اتنے ہی ممبر تھے۔ ان سب میں عوام کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ ۱۸۸۹ء تک نہ شاہی مجلس شوری کا افتتاح ہوا، نہ نئے آئین کا نفاذ اور اصل

بات تو یہ ہے میجی تسلط کے بعد ریاست کی نوعیت میں نہ کوئی تبدیلی آئی نہ حکومت کے رویے میں مگر محنت کشوں اور غریبوں کا جاپان ایک سیاسی دور سے گزر رہا تھا۔ مغرب سے لگاؤ کی وجہ سے عوام کے نظریات زندگی بدل رہے تھے۔ حالانکہ جمہوریت پسندی کے زمانے میں جاپانی عوام بھی سامنے آرہی تھی۔ جاپانی عوام میں رُوسُو کا معاہدہ عمرانی مقبول ہونے لگا۔

جاپان جیسے رجعت پسند ملک میں رُوسو کا فلسفہ زندگی اور انگریزی لبرازِم نئی روشنی اور نئے اُبھار کا ثبوت ہے۔اِٹاگاکی نے ۱۸۸۱ء میں جیوٹو پارٹی کا سنگ بنیاد رکھا اور رُوسو کا معاہدہ عمرانی کو اہم اصول قرار دیا۔ انگریزی لبرل ازِم سے متاثر ہو کر کائے شنٹو پارٹی کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۱۸۹۰ء میں آئین کے نفاذ کے بعد پہلا انتخاب ہوا۔ اس انتخاب میں پہلی بار عوام کو اپنے حقوق استعمال کرنے کا موقع ملا۔ دارالعلوم کی نشستوں کے لیے جیوٹو پارٹی کے ایک سو تین نمائندے کامیاب ہوئے جبکہ اکتالیس نشستیں ہی صرف شنٹو پارٹی لے سکی۔ جیوٹو کی فتح سے ظاہر ہو گیا حکومت کو عوام خود سنبھالنا چاہتی ہے لیکن حکومت کو ان کی دخل اندازی گوارہ نہ تھی اور مجلس شوریٰ ۱۸۹۱ء میں انتخاب کے چند ماہ بعد ہی ختم کر دی گئی۔ عوام کا سر کچلنے کے لیے ریماگاٹا کی وزارت توڑ کر مٹوکاٹا کو نامزد کیا گیا اس نامزدگی کا مطلب عوام کو بدتہذیبی کا مزہ چکھانا تھا۔

وزا اعظم کی جانب سے احکامات گورنروں کو صادر کر دیے تاکہ عوام کے بھڑکتے ہوئے جذبات اور حوصلوں کو دبا دیا جائے۔ اور کوشش کر کے کہ آئندہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انتخاب میں حکومتی نمائندے منتخب ہوں۔ حکومت نے جھگڑے کی پہل کی اور عوام بھی مزہ چکھ چکی تھی۔ چنانچہ آئندہ انتخاب میں مختلف جگہ فساد ہوئے اور تین سو اٹھاسی زخمی جبکہ پچیس آدمی مرے، لیکن حکومت بازی نہ لے سکی اور مخالف جماعتوں کی جیت ہوئی۔ حکومت پر بے اعتمادی کی رائے تیسرے اجلاس میں پاس کر دی گئی۔ سیاسی غداری کے اس دور میں ایک سیاسی جماعت کا قیام وقت کا تقاضہ بھی تھا اور حالات کی وجہ سے ضروری بھی، افسوس اس بات کا تھا کہ جیوٹو پارٹی کو اپنی ترقی راس نہ آئی تو آخر کار دلدل میں گر گی۔ اور تیسرے مجلس شوریٰ کے انتخاب میں لبرل جماعت اٹو کی کوششوں[1] سے دارالعلوم میں داخل ہوئی، مگر میری کی کامیابی زیادہ نہ چل سکی۔

چین اور جاپان کے درمیان اس سیاسی ہیجان کے دور میں جنگ چھڑ گئی۔ چنانچہ سیاسی اختلافات کو پس پشت ڈال کر تمام سیاسی جماعتیں جنگ جیتنے میں مصروف ہو گئیں۔ بغیر کسی جھگڑے کے جنگی بجٹ پاس ہو گیا اور سیاسی جماعتوں نے نکتہ چینی چھوڑ دی اور حکومت کو بھی سکون ملا۔ جنگ کے خاتمے پر دبے ہوئے احساسات پھر جاگے۔ جزیرہ لیاؤ ٹنگ کے پٹہ کے مسئلے پر حکومت کی نکتہ چینی شروع ہوئی۔

1

مزدوروں میں بھی صنعت و حرفت اور سرمایہ داری کے آغاز کے ساتھ طبقہ وارانہ بیداری پیدا ہونے لگی اور ایک ہزار مزدور جو لوہے کا کام کرنے والے تھے انھوں نے ۱۸۹۷ء میں اپنی انجمن بنا ڈالی۔ یہ جاپان کی پہلی انجمن تھی۔ حکومت کے خلاف وقت کے فرمان نے ۱۸۹۸ء میں جوابی حملے کی تیاری کی، اور انجمن عوام، ترقی پسند، کاٹے شنٹو، فائنیشل کا کوماشنٹو اور اوپیٹے کلب کو اکھٹا کر دیا۔ ایک متحدہ پروگرام کے تحت مرکزی نمائندہ کلب قائم کیا۔ اس سے پہلے کے مرکزی نمائندہ کلب کوئی قدم اٹھاتا مجلس شوریٰ میں مڈبھیڑ شروع ہوگی۔ دار العلوم میں حکومت کی تجویز جس کے مطابق زمین اور آمدنیوں پر مزید ٹیکس لگایا جائے رد کر دی گئی۔ جس کی وجہ سے حکومت نے مجلس شوریٰ ختم کر دی۔ ملک میں سیاسی بے چینی شروع ہوئی اور حکومت کی مخالفت ہونے لگی جبکہ دوسری طرف لبرل پارٹی جو ابھی تک نوکر شاہی کی گود میں سوئی ہوئی تھی جاگ اٹھی اس کے ساتھ ترقی پسندوں کے زیر تعاون نئی جماعت کیسیکائی (آئینی) پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس جماعت نے نئے خیالات اور وسعتِ نظری کے تحت اپنی جاگیر دشمن پالیسی کا اعلان کیا۔ شہنشاہ جاپان کے لیے یہ بات اطمینان کا باعث تھی، مگر شہنشاہ عجیب مسئلے میں پھنس گیا کہ اگر اس پارٹی کو دبا دیتا تو ملک میں بغاوت اگر آنکھیں پھیرتی ہے تو ان کی کامیابی یقینی تھی۔ آخر کار بلا اختیارات کی حکومت میں باہمی رنجش کی وجہ سے کینسکائی (آئینی) پارٹی کا خاتمہ ہو گیا اور جاگیری جماعتوں کے درمیان آئندہ چار سالوں میں آپسی جھگڑا رہا، جس سے جاگیری نظام غالب آگیا۔ یماگاٹا کے بعد اِٹو اور اِٹو کے بعد کٹورا جماعت نے حکومت کی یوں جاپان میں جاگیرداری نظام رائج رہا۔

بیسوی صدی کے آغاز پر جاپان کو نئی مشکلات کا سامنا تھا۔ اس صدی کے آغاز کا اہم ترین واقعہ اینگلو جاپان ۱۹۵۲ء کا معاہدہ تھا۔ جاپان کو ۱۸۹۴ء میں چین پر حملہ کر کے منہ کی کھانی پڑی تھی۔ جاپان کی خواہش تھی کہ رُوس کے ساتھ مل کر چین پر حملہ کرے، آپس میں آدھا آدھا حصہ لے مگر رُوس تیار نہ تھا رُوس اکیلے چین پر قبضہ چاہتا تھا۔ جب جاپان کی نہ چلی اِٹو نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور رُوس کے دشمن انگلستان سے کسٹورا نے معاہدہ کر لیا۔ اینگلو جاپان معاہدہ دراصل رُوس پر حملے کی ہی پیش قدمی تھی رُوس جاپان سے ہار گیا اور کوریا کا علاقہ ۱۹۰۵ء میں جاپان کے حوالے کر دیا۔

مزدور طبقہ دس سالوں سے محنت کر رہا تھا جیسے جیسے سرمایہ داری اور صنعت و حرفت کو فروغ ملتا گیا، ملوں اور کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد بڑھی تو مزدور طبقہ بیدار ہونے لگا۔ پہلی انجمن تو وہ پہلے ۱۸۹۷ء میں بنا چکا تھا۔ یورپ کے ماڈل پر انجمنیں بنانے کے باوجود جاگیرداری اور سرمایہ داری میں مزدوروں کی بیداری کوئی معنی نہ رکھتی تھی کیٹورا اس سے واقف تھا۔ چناچہ پولیس قانون کا نفاذ ہوا ۱۹۰۰ء میں مزدوروں کا انجمن بنانا غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اس نے

کھیت مزدور اور صنعتی مزدور دونوں کے حقوق اور اجرت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد میں رکاوٹ پیدا کر دی۔ جس کی وجہ سے مزدور تحریک کو صدمہ ہوا۔

جاپان کی تاریخ میں پہلی بار ۱۹۰۳ء میں آزاد خیالوں نے مارکسی خیالات کی اشاعت کی، روس و جاپان کی جنگ کے خاتمے اور روس کے انقلاب کے بعد ۱۹۰۵ء میں مارکسی خیالات کی اشاعت زور شور سے شروع ہو گئی۔ سوشلسٹ پارٹی ۱۹۰۴ء میں قائم ہوئی جس نے ایک ایسے وقت کا پیغام دیا جس میں انسان لوٹ مار سے بالاتر ہو کر ایک باعزت زندگی بسر کر سکے گا۔ جس میں مرد کے لیے لاتعداد ذرائع ہوں گے جس کی بنیاد پر وہ آزادی سے معاشی زندگی میں حصہ لے سکے گا۔ اپنے منشور سے پارٹی نے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ سماج میں بنیاری اور ترقی پسند تبدیلیوں کی قائل ہے ۔عدم عسکریت اور رائے عامہ کے حق کے لیے کوشش کرے گی۔ سوشلسٹ پارٹی ۱۹۱۱ء کے مشہور سازشی مقدمہ کے بعد غیر قانونی قرار دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ حکومت نے مزدوروں کی نہ صرف انجمنیں توڑ دیں بلکہ ان کے جائز مطالبات کو بھی غیر قانونی قرار دے دیا، لیکن ملک میں بورژوا جماعتوں کی سیاسی فتح کے بعد بہت سی اصلاحات کی گئیں۔ جس سے مزدوروں کی تحریک جاگ اُٹھی۔ جاپان میں اشتراکی خیالات کی اشاعت ۱۹۱۵ء کے رُوسی انقلاب کے بعد زور شور سے ہو رہی تھی۔ عوام میں متوسط طبقے کے عقلیت پرست افراد مارکسیت سے متعارف کروا رہے تھے۔ چنانچہ سیاسی تعلیم کی غرض سے ۱۹۲۴ء میں ایک سوسائٹی قائم کی گئی۔

کسان مزدور پارٹی کا اکتوبر ۱۹۲۵ء میں متوسط طبقہ کے مفکروں اور اشتراکیوں کی مدد سے سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ابھی پارٹی بنے کچھ وقت گزر تھا کہ حکومت نے غیر قانونی قرار دے دیا، کیونکہ اس کے جاری رکھنے والے اشتراکی کارکن تھے۔ وہ انسانی فلاح کا واحد ذریعہ اشتراکیت کو سمجھتے تھے۔ مگر جب پارٹی سے انتہا پسند ممبر نکال دیئے تو پارٹی کی سرپرستی جاپان فیڈریشن آف لیبر اور سوشیل ڈیموکریٹ جسے اعتدال پسند کارکنوں کے ہاتھ میں آگئی جس کی وجہ سے کسان مزدور پارٹی سے پابندیاں ہٹ گئیں۔ کسان سبھا کے کارکنوں اور جاپان فیڈریشن آف لیبر کے انتہاپسندوں نے مزدور کسان پارٹی بنائی اس کمیونسٹ پارٹی کا لیڈر ''اویاماتھا'' یہ پارٹی تقریبا کمیونسٹ پارٹی تھی جبکہ اس کا نام ''سمیر کمیونسٹ'' تھا۔ اپنے ارادے نہ پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے ۱۹۲۷ء کو ٹناکا کی وزارت نے اس پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا اور تمام کمیونسٹوں کو گرفتار کر لیا۔ یوں وقت کے ساتھ کسان اور مزدوروں کی جماعتیں بنتی رہی۔ قومی مزدور کسان انجمن عوام اس نئی جماعت کا نام رکھا گیا۔

ٹکاپاشی جاپانی جماعت کا نیا صدر بنا۔ سیاست کے میدان میں وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا اسے وزارت کے میدان میں ۱۹۲۵ء میں استعفیٰ دینا پڑا۔ یوں سیوکائی پارٹی ختم ہو گئی۔ سیوکائی جماعت ایک بورژوا جماعت تھی چنانچہ وہ بڑے سرمایہ داروں کے اثر سے خود کو نہ بچا سکی اور چھوٹے تجارتی سرمایہ داروں کو مایوس کر کے بڑے سرمایہ داروں کی

ترجمان بن گئی۔ جب اس پارٹی کی قیادت ثناکا کے ہاتھ آئی تو سیوکائی جماعت کی رہی سہی ترقی پسندی بھی ختم ہو گئی۔ ثناکا کٹر قسم کا رجعت پسند انسان تھا ترقی پسند اور چھوٹے تجارتی طبقے سیوکائی کی اس تبدیلی سے بدظن ہو گئے۔ اور اس جماعت کو چھوڑ کر کینٹو کی پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ نیم سرمایہ دار، دوکاندار، تجارت پیشہ اور تمام چھوٹے بورژوا اور متوسط طبقہ کے تعلیم یافتہ افراد ایک ہی جگہ جمع ہو گئے اور ایک نئی جماعت کی ۱۹۲۷ء میں ''مینیٹو'' کی بنیاد ڈالی۔ ہماگوچی اس کا صدر مقرر ہوا۔

ثناکا نے ۱۹۲۷ء میں وزارت سنبھالی اور جاپان میں نئے سرے سے استبداد قائم کیا۔ یہ ایک طرح سے ترقی پسند جماعتوں کے لیے موت کا پیغام تھا۔ آزاد خیال اور عقلیت پرستوں کی زبان بند کر دی گئی۔ تمام اشتراکی گرفتار کر لئے گئے اور مزدور تحریک کو دبا دیا گیا۔ ثناکا ایک بہادر جنگ جو تھا۔ اس کی خواہش تھی، جاپان ایشیا کا مالک بنے اور اس کی ملکی حدود مشرق میں امریکہ اور مغرب میں یورپ تک پہنچ جائے۔ ثناکا کی مشہور اسکیم ایک جارحانہ چارٹر ہے۔ جس سے نظر آتا ہے، کہ وہ جاپان خلیفہ الارض بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کی حکومت دیرپا ثابت نہ ہو سکی۔ دارالعلوم میں مینو پارٹی کی خالص اکثریت ۱۹۱۹ء کے عام انتخاب میں ہوئی۔ ہماگوچی صدر نے اس کی وزارت ترتیب دی۔ اور حلقوں میں سنسنی پھیل گئی۔ اور ہماگوچی کو ۱۹۳۰ء میں قتل کر دیا گیا۔ جس کے بعد وکاٹسو کی وزیراعظم مقرر ہوا۔ نوکر شاہی سے وکاٹسو بہت سختی سے پیش آیا۔ وزارت سنبھالتے ہی اس نے تمام افسروں کی تنخواہیں کم کر دیں، جس سے ملک میں شور مچ گیا۔ فوجی اور بحری افسران اس وزرات کو ختم کرنے پر زور دینے لگے۔ تمام مخالف جماعتوں کے افراد کے اصرار پر ۱۹۳۱ء کو مجبوراً کالیٹو نے استعفیٰ دے دیا۔ اور سیوکائی پارٹی کی انُوکائی نے جماعتی وزارت ترتیب دی۔ سیوکائی ۱۹۳۲ء کے انتخاب میں اکثریت میں رہی۔

فسطائیت ایک نظریہ زندگی ہے اور اس کے عموماً تین پہلو ہیں۔ رجعت پسند سماجی ارتقاء سرمایہ دار اور فوج فسطائی ذہنیت اور افکار، فسطائی اقتصادیات اور فسطائی سیاست تینوں فسطائیت کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ تینوں چیزیں جاپان میں موجود ہیں فسطائی ذہنیت اور افکار جس کا دارومدار رجعت پسندی سماجی ارتقاء پر ہے شِنٹوازم جاپان میں قومی بحران ہے۔ یہ ایک سماجی مذہبی ادارہ ہے۔ جس نے جمہوریت کی انجر پنجر ہلا دی۔ اس کے مطابق شہنشاہِ جاپان خدا ہے اور لاکھوں جاپانی اس اصول کو منوانے کے لیے دوسرے خدا کے بندوں کو قتل کرنے کے لئے تیار ہیں۔

فسطائی ذہنیت کے دوسرے ساجھ دار، فوج، بحری طاقت، پولیس اور نوابین ہیں۔ ان سب کو ایک روحانی مرتبہ حاصل ہے، جو قوم ان سب کو مافوق البشر خیال کرے۔ اس کی فسطائی نوازی ظاہر ہے۔ دنیا میں فوجی اور بحری سپاہی خدا کا عکس ہیں تو یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ تمام بندگان خدا پر کہ ان عکسوں سے ڈریں اور ان کی اطاعت کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شنٹوازم کوئی مذہب نہیں بلکہ انسانی ذہن کے خوف کے بھوت کی ایک خوفناک شکل ہے۔

مذہباًبدھ، عیسائی حتٰی کہ لامذہب جاپانی عوام ہو سکتی مگر شنٹوازم سے انکار نہیں کر سکتی۔ ریاستِ جاپان کی اقتصادی نوعیت نہ تو خالص ایک جاگیری ملک ہے، اور نہ خالص سرمایہ پرست، بلکہ سرمایہ دارنہ، اجارہ داری اور جاگیری اقتصادیات کی ملتی جلتی شکل ہے۔ ۱۹۳۱ء میں جاپان نے اٹلی اور جرمنی کی تقلید میں لیبر کلب قائم کیا۔ تاکہ فسطائی خیالات کی اشاعت ہو اور ایک پلیٹ فارم مزدور حلقوں کے دائیں بازو کو مل جائے۔ پہلے ہی فسطائیت سے ذہنی مطابقت تو موجود تھی۔ اِکامٹسو اس تحریک کے روحِ رواں نے جاپان کے کٹر قومیت پرست فسطائی کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ لیبر کلب کا سیکرٹری ہیرنیو مقرر ہوا۔

جاپان کے رجعت پسندوں اور دائیں بازو کے کٹر قومیت پرستوں کے لئے پلیٹ فارم تیار تھا۔ اب صرف مزدور کی جماعتوں میں پھوٹ ڈلوانی باقی تھی۔ قومی مزدور کسان انجمن عوام کے غیروں کو لیبر کلب کے رہنماؤں نے سبز باغ دکھلانے شروع کئے۔ ان کی کوششیں کامیاب ہو گئیں۔ اور بعض ممبران نے رائے پیش کی کہ انجمن کے نصب العین یا کم از کم اس کے پروگرام میں نیشنل سوشلزم فسطائیت کا نظریہ داخل کر لیا جائے۔ پہلے بڑی اکثریت کی رائے سے تجویز رد کر دی گئی اور لیبر کلب میں دائیں بازو کے ممبران انجمن چھوڑ کر اس میں شامل ہو گئے۔ مزدور اتحاد کی زبردست فسطائی چالبازیوں سے بچنے کے لیے کوششیں ہونے لگیں۔ آپس کی افراتفری چھوڑ کر اشتراکیت پسند افراد نے ۱۹۳۱ء کو سوشل انجمن عوام کی بنیاد ڈالی۔ جس میں قومی مزدور کسان انجمن عوام اور جمہوریت عزیز شامل ہو گئے۔ مزدور کسان، اور عام محنت کش عوام کی فلاح کے لیے جدوجہد کرنا سوشل انجمن کا نصب العین طے پایا۔

ترقی پسندوں کو فسطائیت کے فروغ نے گمنامی کے غار میں دھکیل دیا۔ ایک بار اعتدال پسندی اور لبرل ازم نے ۱۹۳۵ء میں اس کو سنبھال لیا۔ اس کے بعد اس کو قبولیت حاصل ہوئی۔ کمیونسٹ تحریک ختم ہو چکی تھی اور اسمبلی کے انتخاب میں لیبرل جماعتیں کامیاب ہوئیں۔ لبرل ازم کو سنبھالنے کے لیے ۱۹۳۵ء میں کوئی اہم اور قابل ذکر ترمیمات اور ریاستی اصلاحات نہ ہو سکی۔ حکومت نے فوجی افسروں اور اس کی بدعنوانیوں سے مجبور ہو کر شورش انگیز فوجی افسروں کو معزول کر دیا۔ جاپان کی فوج جاگیری روایات اور جدید طریقہ جنگ کی ایک ملتی جلی شکل ہے۔ جاپانی فوج دوسرے ممالک کے برعکس سیاست میں بے حد دلچسپی لیتی ہے۔ جاپانی فوج کی دلچسپی اس امر تک ہوتی ہے کہ اکثر قومی حکومت کی نوعیت ہی جنگی ہو جاتی ہے۔

جاپان میں فوجی حکومت اس وقت سے قائم ہے جب ۱۹۳۱ء میں جمہوریت اپنا آخری محاذ بھی ہار چکی تھی۔ ہر زمیندار ایک مختصر سی فوج میں تجدید شہنشائیت تک رکھا کرتا تھا، جس میں سمورائی طبقے کے فوجی بھرتی ہوتے تھے۔ بوشیڈو (سپاہیوں کے طریقے) کے نام سے اس طبقے کو موسوم کیا جاتا تھا۔ جاپانی فوج میں بوشیڈو کی اسپرٹ ابھی تک موجود ہے۔ ایک بڑی سیاسی قوت جاپانی فوج ہے۔ شہنشاہ تک بلاواسطہ وزیر جنگ اور وزیر بحر پہنچ سکتے تھے۔ اور کا

بینہ کو جواب دہ نہیں بلکہ وہ صرف شہنشاہ کی تقرری کے وقت کے بجائے حکومت کے وقت حلف اٹھاتے ہیں۔ ایک جامع اور مانع شے از خود فوجی ادارہ ہے۔ سماجی اور سیاسی قوانین اس کے اپنے مرتب ہیں۔ وہ حکومت آقا ہے نوکر نہیں اتنا اختیار سول وزرا کو نہیں کہ فوجی قوانین میں ترمیمات کریں یا کوئی احکامات منوا سکیں۔ وزیر جنگ کا فرض ہے کہ وہ فوجی اور انتظامی معاملات میں توازن اور یکسوئی قائم کریں۔ سول قانون کو فوج پہ نافذ کروانے کے لیے وزیر اعظم مجبور نہیں کر سکتا۔

رسالے اور پمفلٹ جاپانی فوج شائع کرتی رہتی ہے۔ اور سپاہیوں میں بالا علان تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جاگیریت پرست فوج ہے، فوجیوں کو ڈر ہے کہ اس کے زوال پر کہیں اشتراکیت اپنا سر نہ نکالے، اس لیے وہ سرمایہ داری سے بیزار ہے۔ اس کے علاوہ فوج کو سرمایہ داری کے بین الا قوامی نظریے بھی پسند نہیں کیونکہ یکساں مفاد کے لیے دنیا کے تمام سرمایہ دار باہمی مفاہمت کرلیتے ہیں اور اس طرح اکثر جنگ کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

جاپان کی صنعتی حیثیت ۱۸۶۸ء کے وقت انتہائی خستہ تھی۔ صرف ایک جدید طرز کا کارخانہ موجود تھا۔ دستکاریوں کا عام رواج تھا۔ ملک کی صنعت ظروف سازی، پارچہ بانی اور دوسری ضروریات کی معمولی چیزوں تک محدود تھی۔ درآمدات کا زیادہ تر حصہ مصنوعات پر جبکہ برآمدات کا بڑا حصہ خام اشیاء پر منحصر تھا۔ مختلف صنعتوں کو ابتداء سے ہی تیزی کے ساتھ بڑھانے کی کوشش کی جانے لگی۔ امیر طبقے اور جاگیرداروں کی توجہ ذاتی کارخانے قائم کرنے کی طرف لگائی گئی تاکہ وہ صنعت وحرفت کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرے پھر اس کے بعد کثیر امیروں اور جاگیر دار طبقے نے صنعتی کاروبار میں اپنی اپنی رقومات لگانی شروع کر دیں۔ کچھ عرصے تک ترقی کی رفتار سُست رہی۔ مصنوعات کی مانگ اس وقت زیادہ بڑھ گئی جب ۱۸۹۴ء میں جنگ چین وجاپان کا آغاز ہوا۔ امیروں اور حکومت کے کامیاب ہوتے ہی کارخانوں سے متاثر ہو کر دوسرے نجی ادارے بھی اس طرف متوجہ ہو گئے۔ جاپان کی صنعتی سرگری انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کی ابتداء تک نمایاں طور پر بڑھ چکی تھی۔ جاپانی صنعتوں کے لیے ۱۹۰۴ء میں جنگ روس و جاپان نے ایک اور ترقی کا موقع فراہم کیا۔ پھر چھوٹی بڑی مختلف قسم کی مصنوعات ضروریاتِ جنگ کے لئے کثیر مقدار میں طلب کی جانے لگی۔ سرمایہ کاروں کی ہمتیں اس وقت زیادہ بلند ہوئی جب صنعتوں کی کثرت اور منافعوں میں اضافہ ہونے لگا۔ جاپان کی صنعتوں کی ترقی کے لیے گزشتہ جنگ عظیم نے بہترین موقع دیا۔

جنگوں میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے مختلف ایشیائی ممالک کی درآمدات اور برآمدات گھٹ گئی۔ جنگ کے دوران جاپان کی کچھ مصنوعات نے صرف اس لیے ترقی کی اور اُن کی پیداوار اس لیے بڑھی کیونکہ دوسرے ممالک کی درآمدات موقوف ہو چکی تھی۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر جاپان نے پیداوار میں اضافہ کر دیا۔ امریکہ اور دوسرے

جنگ میں مشغول ممالک کی مقامی ضروریات اور دیگر مصنوعات کثیر مقدار میں یہاں سے روانہ کی گئی۔ جاپان نے جنگ عظیم کے اختتام تک اتنی زیادہ ترقی صنعت و حرفت میں کر لی تھی کہ چند چیزوں کے علاوہ باقی تمام آسائشات کی معمولی سے لے کر بھاری اور نازک ترین چیزیں اندرون ملک تیار ہونے لگی۔ جاپان کی بعض صنعتی مصنوعات کی ترقی کا یہ عالم ہو گیا کہ قدیم صنعتی ممالک جو خود ترقی یافتہ تھے ان کے لیے یہ امر وقت طلب ہو گیا کہ کیسے بین الاقوامی بازاروں میں جاپانی مصنوعات کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کریں۔ جاپان کے آگے ۱۹۱۳ء تک بھاری مشینری کی پیداوار کا مسئلہ بھی اہم رہا اور جنگ کے دوران بھی بھاری مشینری کی پیداوار کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جنگ کے خاتمے تک اس میں نمایاں ترقی حاصل کی گئی۔ جنگ کے بعد بھی جاپان کی توجہ کا مرکز آلات و اوزار اور اہم مشینیں رہی، اب تقریباً جاپان ہر قسم کی بھاری مشینری کو تیار کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ جاپان کی صنعتی اہمیت کا اندازہ ہم اس کی موجودہ جنگی جدوجہد سے بھی کر سکتے ہیں۔

جاپانی صنعتوں کا دائرہ موجودہ وقت میں وسیع ہو چکا ہے۔ روئی کی صنعت قدیم زمانے سے ہی جاری ہے مگر ابتداء میں اس کی محدود حیثیت تھی۔ سب سے پہلی گرنی روئی کی ۱۸۶۲ء میں قائم کی گئی۔ صنعت کی یہ خصوصیت رہی کہ یا تو حکومت کی طرف سے یا جاگیرداروں کی جانب سے کارخانے قائم کئے جاتے رہے۔ اسی طرح دوسرے نجی افراد نے بھی حکومت کی مدد سے کچھ کارخانے قائم کئے، لیکن کاروبار محدود سطح پر تھا۔ لیکن بیرونی صنعتوں کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ مگر اعلیٰ صنعتی تنظیم، جدید مشینری کے استعمال اور محنت کے ذریعے اس کو محکم کیا جانے لگا۔ روئی اور کتائی کی ۱۸۸۵ء تک گرنیوں کی تعداد ۲۰ ہو گی۔ بحیثیت مجموعی ۱۸۸۶ء تا ۱۸۹۳ء کا زمانہ صنعت کے لیے مفید رہا۔ اور اس زمانے میں گرنیوں کی دوگنی تعداد ہوئی۔ جنگ چین و جاپان اور جنگ روس و جاپان یعنی ان دونوں جنگوں نے ۱۸۹۴ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیان اس صنعت کو بہت فائدہ پہنچایا۔ گرنیوں کی تعداد ۱۹۱۳ء میں ۱۵۲ تک پہنچ گئی۔ وقت کے ساتھ ان میں کمی ہوئی اور ترقی بھی ہوئی۔ جب ۱۹۲۹-۳۰ء عالمی کساد بازاری شروع ہو گئی تو یہ صنعت بھی دیگر صنعتوں کی طرح متاثر ہوئے بغیر نہ رہ پائی۔ مجموعی طور پر اس صنعت کی ترقی مخالف اثرات کے باوجود رہی۔ چنانچہ گرنیوں کی تعداد ۱۹۳۴ء تک ۲۷۵ ہو گی۔ اور تقریباً سوت کی پیداوار کی مقدار ۳۵ لاکھ گٹھے اور ڈیڑھ ارب گز سے بھی زیادہ کپڑے کی پیداوار رہی۔

جاپان جنگ عظیم اول سے پہلے زیادہ مقدار میں سوت برآمد کرتا تھا اور جبکہ پارچہ کی برآمد کی مقدار سوت سے کم تھی۔ جب اندرون ملک جنگ کی وجہ سے پارچہ کی پیداوار بڑھی تو اس کے ساتھ ہی سوت کی برآمد میں کمی واقع ہو گی کیونکہ اندروں ملک اس کی کھپت زیادہ ہونے لگی۔ سوت ۲۳۰۰۰۰۰۰ ین کا ۱۹۱۳ء میں اور کپڑا ۳۳۶۰۵۰۰۰ این کا برآمد کیا گیا تھا۔ لیکن سوت کی برآمد ۱۹۳۲ء تک ۲۳۴۸۴۰۰۰ ین پارچہ کی برآمد بڑھ گئی۔ جاپان کی روئی کی

مصنوعات کے ۱۹۲۸ء میں اہم خریدار ہانگ کانگ، شرق الہند، چین، برطانوی ہند، مصر اور ندرلینڈ تھے۔ سب سے زیادہ اہمیت جاپان کی تمام صنعتوں میں روئی کی صنعت کو حاصل ہے۔ جاپان نے کوئی سو سال بعد انگلستان کے مقابلے میں روئی کی صنعت میں ترقی کرنا شروع کی۔ مگر پھر اس قدر اس کی رفتار تیز ہوگئی، کہ تقریباً نصف صدی سے زیادہ وقت میں انگلستان سے بھی آگے بڑھ گیا۔ بہت قدیم زمانے سے ہی روئی کی طرح ریشم کی صنعت بھی جاپان میں جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے ریشم کی صنعت نے خوب ترقی حاصل کی۔ ریشم کو حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں کویے کی پرورش (ریشم کے کیڑوں کا خول ہوتا ہے جس میں سے ریشم نکالا جاتا ہے)، شہتوت کے درختوں کی کاشت، ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور شہتوت کے درختوں کی کاشت کو جاپان کی صنعت میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ کویے کی پیداوار کے کام میں ۱۶۷ کاشت کار خاندان 1915ء میں مصروف تھے جب کہ یہ تعداد 1929ء تک ۲۲۱۷۰۰۰ ہوئی۔ جوں جوں کویے کی مقدار میں اضافہ ہونے لگا تو اس وقت کویے سے خام ریشم نکالنے کے پرانے طریقوں میں تجدید کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی فرانس اور اٹلی سے کویے سے ریشم علیحدہ کرنے کی مشینیں اُنیسویں صدی کے آخر میں درآمد کی گئیں۔ جاپان نے کویے سے ریشم کو نکالنے کے تین طرح کے طریقے جاری کیے ہیں: مشینوں کے ذریعے، ہاتھ کے ذریعے اور پاؤں کے ذریعے۔ شہتوت کے رقبہ کاشت میں اضافے اور کیڑوں کی پرورش کے فن اور پھر ریشم نکالنے کے جدید طریقوں کی وجہ سے خام ریشم کی مقدار میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۳۴ء تک اس کی مقدار ۱۳۰۶۵ تک ہوگئی۔

اُون کی صنعت ریشم اور روئی کی نسبت جاپان کے لیے نئی ہے۔ اُون کی صنعت ابتدا سے ہی تھی مگر اس کی اپنی مانگ نہیں تھی، مگر جب ۱۸۷۶ء اُون کی پہلی گرنی حکومت کی سرپرستی میں قائم کی گئی تاکہ اس کے ذریعے فوجی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ مگر اس کی ترقی میں کچھ خاص اضافہ نہ ہوا۔ جنگ عظیم اول کی جب ابتداء ۱۹۱۸ء میں ہوئی تو اس کے لیے دوبارہ ترقی کرنے اور منافع حاصل کرنے کے راستے نکل آئے اس طرح اس کی طلب وقت کے ساتھ گھٹتی اور بڑھتی رہی یوں کارخانوں کی تعداد ۱۹۲۸ء تک ۸۵۲ ہوگئی، آنے والے وقتوں میں اس کے کارخانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے ہوتے ۱۹۹۳ء میں ہوئی، لیکن جب اُون کی صنعت اندرون ملک میں ترقی کرنے لگی تو اس کی وجہ سے تین تبدیلیاں رونما ہوئیں ایک یہ کہ اندرون ملک ملکی مال بڑی حد تک استعمال ہونے لگا اور باہر سے جو مال درآمد ہوتا تھا اس میں کمی واقع ہوگئی جاپان نے اُون جس قدر خریدا اس کا ۹۰ فی صد ۱۹۳۴ء میں آسٹریلیا نے فراہم کیا۔

مختلف ممالک میں سے جاپان نے ۱۹۳۷ء میں جو چیزیں اپنے پاس درآمد کی اُن میں دوسرا درجہ اہمیت کے لحاظ سے خام اُون کو حاصل رہا ہے۔ جبکہ روئی کو پہلا درجہ حاصل تھا۔ جاپان کی جو اُونی مصنوعات تھی ۱۹۲۷ میں اس کا سب سے بڑا خریدار کوان ٹنگ تھا۔ اونی سوتی ململ جاپان کے موسم اور آب و ہوا کے لحاظ سے مفید ثابت ہوا ہے۔ انیسویں

صدی کے آخر میں اس کپڑے کا استعمال زیادہ ہو گیا اور مغربی ملک سے اُون درآمد کی جانے لگی ۱۸۷۳ء تک درآمد کی مقدار میں اضافہ پندرہ گنا ہو گیا۔ جنگ روس و جاپان کے خاتمے پر اس کپڑے کی پیداوار کے لیے دو کمپنیاں قائم کی گئی اور مزید دو کمپنیاں ۱۹۹۵ء میں قائم ہوئی۔ اس صنعت کو جنگ روس و جاپان کی وجہ سے فائدہ ہوا۔ جاپان ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ دیگر ممالک کو برآمد کرنے کے بھی قابل ہو گیا۔ پھر درآمد اور برآمد کی مقدار مسلسل بڑھنے اور گھٹنے لگی۔

فلاکس اور ہمپ کے پودے ریشہ دار ہیں۔ مختلف قسم کی مصنوعات جن کے ریشوں سے تیار کی جاتی ہیں۔ اُن کے لیے جاپان کی آب و ہوا، موسم اور زمین مفید ثابت ہوئی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں تجربے کے لیے فلاکس کی کاشت کی گئی۔ ہمپ اور فلاکس کی یہ خوبی ہے کہ اندرون ملک ہی خام پیداوار دستیاب ہوتی ہے۔ ۱۸۸۶ء میں پہلی کمپنی اوی پمپ پارن کے نام سے قائم کی گئی۔ جنگ کی ابتداء کے وقت ہمپ اور فلاکس کی طلب میں اضافہ ہوا۔ ہمپ اور فلاکس کی مصنوعات کی بڑھتی ہوئی طلب کو دیکھتے ہوئے تمام کمپنیوں نے کثرت سے مال تیار کرنا شروع کر دیا۔ کیوں کہ یہ کوشش تھی کہ زیادہ مال فروخت کر کے زیادہ منافع حاصل کریں اس کی وجہ سے مقابلے کی صورت کمپنیوں میں شروع ہو گئی جس سے ہر کمپنی کے پاس جنگ کے خاتمے پر اسٹاک کی مقدار زیادہ ہو گئی صنعت کی ترقی کے لیے ایک اور موقع جنگ روس و جاپان نے فراہم کیا ہے۔

اسی نئی کمپنی کا نام امپیریل ہمپ مینوفیکچرنگ رکھا گیا۔ مزید دو اور کمپنیاں جنگ عظیم سے پہلے بنائی گئی۔ ان کمپنیوں اور امپیریل پمپ مینوفیکچرنگ کمپنی کے درمیان مقابلہ شروع ہو گیا۔ کاروبار میں بہتری جنگ عظیم کی ابتداء سے ہی شروع ہو گئی اس لیے مقابلہ زیادہ نہ چل سکا۔ پیداوار میں وسعت کی وجہ سے ان کمپنیوں نے خوب منافع کمایا۔ اب ان کی حالت اتنی بہتر ہو گئی تھی بیرون ممالک مال بھی روانہ کرتے تھے اور ساتھ ملکی ضروریات کے لیے بھی اشیاء فراہم کی جانے لگی۔

جاپانی مصنوعات کے جو پہلے خریدار نہیں تھے تو ایسے ممالک کے بازاروں پر بھی قبضہ کر لیا۔ فلاکس کی کاشت روس میں اسی زمانے میں خراب ہو گئی تھی۔ جو روس سے فلاکس حاصل کرتے تھے جن میں جرمنی، بلجیم، انگلستان اور فرانس کے ایسے کارخانے بُری طرح متاثر ہوئے۔ جاپان میں اس کے بعد فلاکس اور ہمپ کی صنعت کو بہت فائدہ حاصل ہوا۔ اس صنعت کے لیے بیرونی مقابلے کا مسئلہ جنگ عظیم کی ابتداء سے پہلے اہم تھا۔ برآمد کی مقدار اس وقت مسلسل بڑھنا شروع ہوئی جب مقامی بازاروں پر قبضہ جنگ کے مواقعوں سے فائدہ اُٹھا کر لیا گیا۔

جاپان معدنی وسائل سے مالا مال ملک ہے۔ معدنیات کی کھدائی کا کام قدیم زمانے سے ہی جاپان میں جاری تھا چنانچہ بہت سی کانیں ۱۸۶۸ء جو سطحی طور پر کھود کر چھوڑی تھیں وہ پانی سے بھر گئیں۔ ان صنعتوں کو ترقی دینا جاپان

کے لیے اہم مسئلہ تھا۔اُن کی ترقی کے لیے ۱۸۷۳ء میں خاص دفعات مرتب کی گئی۔اس کے لیے محکمہ قائم ہوا،ملک کے معدنی ذخائر کی تحقیقات اس محکمے کا مقصد تھااور اس مقصد کے لیے انجینئرنگ کالج قائم کیا گیا۔معدنیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ملکی طالب علموں کو باہر روانہ کیا گیا۔جدید آلات اور مشینری کانوں کی کھدائی کے لیے استعمال کرنا شروع کی۔سابقہ قوانین معدنیات کی نظرثانی کے بعد ایک جدید قانون معدنیات نافذ کیا گیا۔اس قانون کا مقصد ترقی کے مواقع معدنی صنعتوں کے لیے فراہم کرنا تھا۔دھاتوں کی کھپت کے وسیع مواقع جنگ روس وجاپان اور جنگ چین وجاپان کی وجہ سے نکل آئے۔معدنی پیداوار کی مانگ میں اس وقت بہت اضافہ ہو گیا جب مختلف بیرونی ممالک کے ساتھ تعلق بڑھنے لگااور اندرون ملک بھی صنعت وحرفت کو ترقی ملی۔اُن کے لیے جنگ عظیم کازمانہ مفید ثابت ہوااور صنعتوں نے خوب ترقی کرنا شروع کی۔جاپان کی معدنی پیداواروں میں سیسہ،تانبا،چاندی،سونا،کوئلہ،لوہا،سلفر اور پیڑول وغیرہ شامل ہے۔

اس تحقیق میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے جن صنعتوں نے ترقی کی اُن کا ذکر کیا جائے گا۔جہاں اور باقی صنعتوں کو جنگ عظیم کی ابتداء سے فائدہ ہوا وہاں فولاد اور لوہے کی صنعت نے بھی خوب ترقی حاصل کی۔فولاد اور لوہے کی قیمتوں میں اضافہ جنگ کے شروع ہوتے ہی ہونے لگا۔چنانچہ خانگی کمپنیوں میں اضافہ ۱۹۱۸ء میں ہو گیا حکومتی کاروبار کی اہمیت جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی کم ہو گی اور خانگی کمپنیوں کا حصہ زیادہ ہو گیا۔جس قدر لوہااور فولاد ۱۹۱۹ء میں پیدا کیا گیا۔اس کا خانگی کمپنیوں نے تقریبا ۵۵ فیصد پیدا کیا۔ہر سال کثیر مقدار میں جاپانی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے لوہا باہر سے درآمد کیا جاتا ہے۔اس لیے ۸۱ کلو گرام لوہا ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک درآمد کیا گیا۔

تمام معدنیات میں سے کوئلے کو جاپان میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔کوئلہ کثیر مقدار میں ملک کے مختلف حصوں میں پایا جاتا ہے۔جب کوئلے کی کانوں کے اہم مقامات کا اندازہ لگایا گیا تو کوئلے کے جملہ مسائل کا جاپان میں ۷۵ فیصد کیشوکان ۱۰ فی صد ہانشو میں اور ۱۰ فی صد کیٹڈوکان میں کوئلہ پایا جاتا ہے۔لاکھ ٹن سے بھی زیادہ کوئلہ جنگ چین وجاپان کی ابتداء سے پہلے نکالا جانے لگااور اس کی مقدار ایک کروڑ ٹن جنگ روس وجاپان کی ابتداء تک پہنچ گئی۔کوئلے کی پیدوار کے لحاظ سے جاپان کو دنیا میں کوئلہ پیدا کرنے والے ممالک میں سے پانچواں درجہ حاصل تھا۔ جاپان میں ادنٰی قسم کا کوئلہ ملتا تھا اس لیے دوسرے ممالک سے اعلٰی قسم کا کوئلہ درآمد ہوتا تھا۔جاپان کی اندرونی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس کی پیداوار کم تھی۔اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے جاپان میں کوئلہ ۱۸۹۳ء میں ۱۵ ٹن سے زیادہ استعمال نہیں ہوتا تھا مگر اس کی مقدار ۱۹۳۴ء تک ٹن ہوئی اس[1] لیے دیگر ممالک سے کوئلے کی درآمد کرنا ضروری تھا تاکہ ملکی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

تانبے کو جاپان کی معدنیاتی پیداوروں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ یہ اہم معدنی پیداواروں میں سے ہے۔ جہاں اُنیسویں صدی کے آخری میں مختلف صنعتیں تیزی سے ترقی کر رہی تھی وہیں پر تانبے کے بجائے کوئلے کی مانگ زیادہ ہوگئی تھی۔ تانبے کی مقدارِ پیدوار میں جنگ عظیم سے پہلے تک اضافہ ہو رہا تھا۔ مگر آغاز جنگ کے بعد اس کی پیدوار میں مجموعی طور پر کمی رہی۔ اس کی کمی یہ تھی کہ مسلسل تمام کانیں کھدائی کی وجہ سے معاشی بحران کا شکار ہوگئی اور تانبہ بھی معمولی قسم کا تھا اور اس کے برعکس جو بیرونی ممالک کا تانبہ اس کی نسبت بہتر بھی تھا اور اس کی قیمت بھی اس کی نسبت کم تھی۔ کیونکہ زیادہ گہری کھدائی کی وجہ سے جاپان میں تانبے کے اخراجاتِ پیداوار زیادہ تھے۔ اس لیے کثیر مقدار میں بیرونی تانبہ درآمد کیا جانے لگا۔ ۱۹۳۴ء تک بیرونی ممالک سے ۴۹۹۱ کلو گرام تانبہ درآمد کیا جانے لگا۔ پارلیمنٹ نے نیا قانون بھی نافذ کیا جس کے مطابق بیرونی تانبے پر ٹیکس عائد ہوگا۔ اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ اندرون ملک خام تانبے کی قیمتوں میں اضافہ ہوگیا۔

جب کانوں کے مالکوں نے دیکھا تانبہ نکالنے کے لیے اتنی مشکلات کا سامنا ہے تو انہوں تانبہ نکالنے کے بجائے تانبے سے بننے والی مصنوعات کی طرف توجہ دی۔ جاپان میں تانبے کی جدید کمپنیاں قائم ہونا شروع ہوئی اور سلاخیں، پائپ، چادریں، بجلی کا سامان اور تاریں جو تانبے سے بننے والی مصنوعات تھیں کثیر مقدار میں یہ سامان تیار ہونے لگا اور اس سے کاروبار ترقی کرنے لگے۔ جنگ عظیم کی ابتداء کے بعد تانبے کی مصنوعات کی ترقی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صنعتی اغراض کے لیے ۱۹۱۳ء میں تانبے کا استعمال ۳۲۵۷۵۸ کلو گرام تھا۔ اس کی مقدار ۱۹۳۴ء میں بڑھ کر ۱۱۳۴۲۸ کلو گرام ہوگئی۔ جنگ عظیم کے بعد بھی تانبے کی مصنوعات کے کاروبار ترقی کر رہے تھے۔

جاپان کے اضلاع اکیٹا اور شیگو میں زیادہ تر تیل کے چشمے پائے جاتے ہیں۔ کانوں سے تیل نکالنے کے وہی پرانے طریقے تھے جو قدیم زمانے میں استعمال کیے جاتے تھے جب جدید طرز پر تیل نکالنے کا کام شروع ہوا، تو'' ٹاکانو آئل کمپنی''، پہلی مرتبہ ء میں قائم کی گئی۔ اور پہلے صرف '' کروڈ آئل'' کی پیداوار پر زیادہ تر اکتفا ہوتا تھا۔ جب بہت بڑی'' جاپان آئل کمپنی'' کے نام سے ایک کمپنی قائم ہوئی تو تیل کی صنعت کا جدید دور شروع ہوگیا، کیونکہ امریکہ کی جدید مشینوں سے اس کمپنی نے کام لینا شروع کر دیا۔ اور کمپنیاں بھی قائم کی گئیں تو کمپنیوں کی تعداد میں ۲۰۰ تک اضافہ ہوا۔ کروڈ آئل کمپنی کی مقدار پیدائش ۲۵۸۵۳ تک ۱۸۹۴ء میں پہنچ گئی۔ جدید طریقہ کار اور کمپنیوں کی تعداد میں اضافے سے مقدار پیداوار میں بھی اضافہ ہوا کروڈ آئل کمپنی کی مقدار پیداوار بیرل سے ۱۵۱۱۸۲ بیرل ہوگئی۔

جدید امریکی مشینری کے تحت جاپان آئل کمپنی نے تیل صاف کرنے کے کارخانے قائم کیے۔ انٹر نیشل آئل کمپنی کے نام سے بیرونی سرمایہ کاروں نے ایک کمپنی جاپان میں قائم کی۔ ایک کروڑ ین اس کا سرمایہ تھا، حالانکہ

ایک لاکھ ین سے زیادہ جاپان آئل کمپنی کا سرمایہ نہیں تھا۔ ملکی کمپنیوں کے لیے ایسی صورت حال میں دوہرے مقابلے کا سامنا تھا۔ ایک طرف تیل کی درآمد بیرونی ممالک میں برابر جاری تھی۔ اور انٹرنیشنل آئل کمپنی دوسری طرف اہم حریف بنی ہوئی تھی۔ تیل کی طلب اندرون ملک زیادہ تھی۔ لیکن ملکی کمپنیاں ان مشکلات کے باوجود ترقی کرتی گئیں۔ اور پیدوار میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ جاپان کے پاس زیادہ گہری کھدائی کی مشینری موجود نہیں تھی اس لیے پیدوار کی مقدار جنگ عظیم کی ابتداء تک کم رہی۔

جاپان آئل کمپنی نے امریکہ سے زیادہ گہرائی کی مشینری درآمد کی۔ جس کی مدد سے کھدائی تین ہزار فٹ تک ممکن ہو سکی۔ کروڈ آئل کمپنی کی پیداوار میں ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۶ء تک برابر اضافہ ہوا۔ لیکن پیداوار میں کمی ۱۹۱۶ء کے بعد ہونا شروع ہوئی۔ اس کمی کی تین وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ عرصے سے کھدائی جن چشموں پر جاری تھی وہ خالی ہو گئے تھے۔ دوسری وجہ جدید یہ تھی کہ چشموں کی دریافت میں وقت لگ رہا تھا۔ اور تیسری وجہ تیل کا مقابلہ بیرونی ارزاں شدید تھا۔ کروڈ آئل کی طرح پٹرولیم کی صنعت بھی تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔ لیکن یہ صنعتی ترقی مقامی ضروریات اور پیداوار کے لیے ناکافی تھی لہذا پٹرولیم بنزین، گیس کے تیل، کروڈ آئل اور انجمن کے تیل کی جاپان کو ہر سال درآمد بڑھتی ہوئی مقدار کے مطابق کرنا پڑتا تھا اس کا رجحان بڑھ گیا اور مختلف قسم کے تیلوں کی درآمد ۱۹۰۱ء اور ۱۹۲۴ء کے درمیان ہوتی رہی۔ چونکہ تیل کے ذرائع جاپان میں محدود ہیں۔ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بیرونی ممالک سے درآمد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جاپان میں زیادہ تر تیلوں کی درآمد نذر لینڈ، سوویت یونین، نڈیز اور امریکہ سے ۱۹۳۴ء تک ہوتی تھی۔

جاپان کی ترقی میکانی صنعتوں میں بھی حیرت انگیز رہی۔ جہاز کی صنعت جاپان میں قدیم زمانے سے جاری ہے۔ جاپانی جہاز قدیم زمانے میں جنک کہلاتے تھے ۲۰ ٹن کا وزن ایک جنک کا ہوتا تھا۔ جہاز کی صنعت کے لیے شوگی دورِ حکومت غیر موافق رہا۔ ملک کے تجارتی تعلقات قومی پالیسی کے تحت بیرونی دنیا سے کٹ گئے تھے۔ جہاز سازی اور سیاحت پر حکومت نے مختلف طرح کی بندشیں عائد کی تھیں دوسرے ممالک جانے اور ۵۰ ٹن سے زیادہ وزنی کشتیاں بنانے پر جاپان میں ممانعت تھی۔ اس لیے جہاز کی صنعت کو حکومت کی پالیسی سے سخت نقصان پہنچا۔ یورپی طرز کے جہاز تیار کرنے کی ترغیب ۱۸۷۰ء کے قانون کی رُو سے دی گئی۔

جہازوں کی طلب میں اضافہ تجارتی ترقی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ اس طلب کو پورا کرنے کے لیے ملکی کارخانے قاصر تھے۔ ۱۸۷۵ء میں ایک حکم نامہ جاری ہوا جس کے تحت جہازوں کی صنعت کو ترقی دینے کا کہا گیا کہ پچاس ٹنی جنک قدیم جاپانی طرز کے تیار نہ کئے جائیں۔ جہازوں کی طلب میں اس وقت اضافہ ہوا جب جنگ چین و جاپان کی ابتداء ہوئی۔ ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مقامی صنعت بھی ناکافی تھی۔ جہازوں کی مرمت کا کام دوران جنگ

مقامی کمپنیاں انجام دیتی تھی۔ جہاز کی صنعت کے لیے ۱۹۰۴ء کا زمانہ مفید رہا۔ کیونکہ اس دوران بڑے اور وزنی جہاز نہ صرف بنائے گئے بلکہ ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اس صنعت کو ترقی جنگ روس و جاپان کے شروع ہو جانے کی وجہ سے ملی۔ اوشن سروس سب ونشن ایکٹ ۱۹۰۹ء میں حکومت نے نافذ کیا جس کا مقصد تیز رفتار اور بڑے جہازوں کو بنانے کی طرف راغب کرنا تھا۔ جہاز کی صنعت کی ترقی جنگ عظیم کی ابتداء تک برابر جاری رہی اور ترقی کے مزید مواقع جنگ کے آغاز کے ساتھ نکل آئے کمپنیوں کی تعداد تھی جو ۱۰۰۰ ٹن سے بھی زیادہ وزنی ۱۹۱۳ء میں جہاز تیار کرتی تھیں۔ اور پھر کمپنیوں کی تعداد ۱۹۱۸ء تک ۱۵۲ ہو گئی۔

جاپان اور امریکہ کے درمیان معاہدہ جنگ کے دوران ہوا، جس کے تحت امریکہ خام مال فراہم کرے گا اور جاپان جہاز تیار کر کے امریکہ کو روانہ کرے گا۔ یوں امریکہ کو ۴۵ جہاز برآمد کئے گئے۔ مجموعی قیمت ان جہازوں کی ۱۵۱۰۵۰۰۰ ین تھی۔ جنگ کے خاتمے کے بعد دوسری صنعتوں کی طرح جہاز کی صنعت کو بھی سرد بازی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس طرح وقت کے ساتھ جہاز کی صنعت سرد اور گرم بازاری سے دوچار ہوتی رہی اور آخر کار کامیاب ہو گئی اور نئی کمپنیاں بھی بنائی گئی، جن کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہی۔ مجموعی طور پر جہاز کی صنعت نے بہت کم وقت میں زیادہ ترقی کی ہے۔ جاپان سالانہ جہاز سات اور دس کروڑ ٹن کے درمیان تیار کر سکتا ہے۔ اور اس بات میں بھی شک نہیں جاپان جہاز تیار کرنے کا خام اشیاء کا زیادہ حصہ دوسرے ممالک سے درآمد کرتا ہے مگر پھر بھی ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ جاپان نے اس صنعت میں اتنی ترقی کر لی ہے کہ دوسرے ممالک کو جہاز برآمد بھی کرتا ہے۔

جاپان کو کم قیمت میں سیکلوں (سائیکلوں) کی پیداوار کے لیے موجود زمانے میں بہت اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ مگر بیسویں صدی کی ابتداء سے صنعت کی زیادہ ترقی شروع ہوئی۔ ۱۸۸۲ میں پہلی مرتبہ جاپان میں سائیکلوں کی درآمد شروع کی گئی۔ اور اس کے بعد اندرون ملک اپنی سائیکلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیج کر اس صنعت کو جاری کرنے کی کوشش کی گئی۔ اوکا موٹو بائیسکل کمپنی ۱۹۹۹ء میں قائم ہوئی اور اس نے کاروبار ۱۹۰۴ء میں شروع کیا مگر ناکامی کا سامنا ہوا۔ دوسرے سال ضروری مشینری سائیکل سازی کے لیے درآمد کی اس کے تحت ہی سائیکلیں بنانے میں مدد ملی اور اس طرح یہ صنعت رفتہ رفتہ ترقی کی منزل طے کرنے لگی۔ جاپانی بازاروں میں ۱۹۰۱ء تک زیادہ امریکی سائیکلیں فروخت کی جاتی تھیں۔

جاپان کی ترقی سائیکلوں کی صنعت میں جنگ عظیم کے آغاز تک بہت کم تھی۔ سب سے اہم فائدہ جنگ کے آغاز سے یہ ہوا کہ دیگر ممالک میں سائیکلوں کی درآمد معطل ہوئی۔ اور خود ہی مقابلے کا سوال بھی حل ہو گیا۔ ملکی کارخانوں کو ترقی کرنے کا سنہرا موقع ملا کیونکہ سائیکلوں کی مقامی ضرورت سامنے تھی۔ اس لیے سائیکلوں کی تیاری کا کام تیزی کے ساتھ شروع ہو گیا۔ جاپان نے اتنی سائیکلیں اپنے پاس تیار کر لی تھیں کہ جنگ کے خاتمے کے بعد دیگر

ممالک نیوزی لینڈ، ہندوستان اور چین وغیرہ کو برآمد کرنے لگا۔ اندازہ لگایا گیا کہ جاپان ۷۱ ملین ین کی سالانہ سائیکلیں تیار کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ جس میں اندرون ملک ۵۲ ملین ین کی سائیکلیں استعمال ہوتی تھیں اور برآمد ۱۹ ملین ین کی ہوتی تھیں۔ سائیکلوں کے کارخانوں کی تعداد ۱۹۳۳ء میں ۵۴۵ تھی لیکن چھوٹے کارخانوں کی تعداد ۹۲ تھی، اور ۵۰ مزدور ہر کارخانے میں کام کرتے تھے۔ جاپان میں سائیکلیں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں ایک اندازے کے مطابق ۱۹۳۳ء ہر نو اشخاص کے لیے جاپان میں ایک سائیکل ہے۔ جاپان کو دنیا کے تمام ممالک میں سائیکلوں کے استعمال میں پہلا درجہ حاصل ہوا۔

۱۸۹۳ء میں اوساکا کے مقام پر دخانی انجنوں کی تیاری کے لئے پہلی کمپنی رولنگ پر اسٹاک مینوفیکچر نگ کمپنی کے نام سے قائم کی گئی۔ شروع میں بہت محدود پیانے پر کمپنی کا کاروبار تھا۔ اور اس کمپنی کو ۱۹۰۰ء میں پھیلایا گیا۔ اس کمپنی نے ہیوگو کے مقام پر ایک شاخ قائم کی۔ حکومتی ریل گاڑیوں کے لیے سامان ۱۹۱۴ء کے بعد یہی دونوں کمپنیاں تیار کرتی تھیں۔ جب رفتہ رفتہ اس کاروبار میں ترقی ہوئی تو انجنوں کی درآمد بیرونی ممالک سے گھٹنے لگی تو ۱۹۳۵ء تک بے کار ہو گئی۔ جاپان میں ۳۴۸۶ ین کے ۱۹۲۵ء میں ریلوے کار درآمد کی۔ مگر ۱۹۳۵ء میں اس صنعت کی ترقی کی وجہ سے ۴۵ ین کے ریلوے کار اندرون ملک درآمد کیے گئے۔ لیکن درآمد کے نسبت برآمد میں بہت اضافہ ہوا۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۵ تک ریلوے کار کی برآمد میں دوگنا اضافہ ہوا۔

صنعتی اور تجارتی ترقی کے ساتھ ساتھ آنے جانے، ملنے جلنے اور آمد ورفت کے لیے بسوں، لاریوں اور موٹر کاروں کی ضرورت میں اضافہ ہونے لگا۔ شروع میں بیرونی ممالک سے زیادہ تر موٹریں درآمد کی جاتی تھیں، حکومت نے فوجی گاڑیوں کی فرمائش مقامی صنعت کو ترقی دینے کے لیے شروع کی اور کارخانوں کے لیے مالی امداد ۱۹۱۹ء میں ایک قانون کی رُو سے بھی منظور ہوئی۔

۱۹۱۹ء کے بعد موٹر کی صنعت میں ترقی ہونا شروع ہوئی تو اس کے ساتھ مختلف کمپنیوں نے گاڑیاں بنانا شروع کی، جن میں ڈاٹ موٹر کار مینوفیکچر نگ کمپنی، ٹوکیو گیس اینڈ الیکٹرک انڈسٹریل کمپنی اور اشی کاواجی ماشپ بلڈنگ یارڈ شامل ہیں۔ موٹروں اور گاڑیوں کی طلب میں اُسی وقت اضافہ ہوا جب منچوریا کے لیے جنگ کا آغاز ہوا تو فوجیوں کی ضرورت کے تحت کاواساکی اور نیپن رولنگ اسٹاک اور مٹ سوبشی ہیوی انڈسٹریز لمیٹڈ کمپنیوں نے موٹر کی صنعت کی طرف توجہ مبذول کی۔ مقامی کارخانوں کے لیے کام آگے بڑھانے کا سنہرا موقع اس وقت ملا جب ۱۹۳۱ء سرکاری طور پر بس ریلوے کے وزرات نے چلانا شروع کی اور یوں ملکی گاڑیوں کا استعمال زیادہ ہونے لگا اور آہستہ آہستہ بیرونی درآمد کے مال میں کمی ہونے لگی۔

پھر یوں ڈیزل اور الیکٹرک کار بھی تیار ہوئی اور موٹروں کی صنعت کے لیے ملک میں دو طرح کی کمپنیاں قائم تھیں۔ایک دوسرے ممالک موٹروں کے حصے درآمد کرتی تھی اور بیرونی چیزوں سے موٹریں فٹ کرتی۔ جبکہ دوسری مقامی اشیا سے موٹریں تیار کرتی اور موٹروں کے تمام حصے خود تیار کرتی تھی ۔ مقامی سامان سے ۲۰۰ سے زیادہ موٹریں ۱۹۲۹ء میں تیار ہوئی مگر چار سال کے عرصے میں یعنی ۱۹۳۴ء تک یہ تعداد ۶۵۰ سے بھی آگے نکل گئی ۱۹۲۹ء میں بیرونی سامان سے ۲۸ ہزار سے زیادہ موٹریں تیار ہوئی اور یہ تعداد ۳۰ ہزار بھی زیادہ ۱۹۳۴ میں ہو گئی۔

بجلی کی تاروں کی صنعت ، برقی قوت ، بیٹریوں، ٹیلیگراف اور ٹیلیفون اور برقی گولوں کی صنعت کو برقی انجنیئرنگ کی صنعت میں شامل کیا گیا ہے ۱۸۷۲ء میں ٹوکیو کے مقام پر جاپان میں پہلی مرتبہ ٹیلیگراف سروس قائم کی گئی۔اس کے بعد اس نے تیزی سے ترقی کرنا شروع کی۔ سات سال کے اندر یہ شعبہ انٹرنیشنل ٹیلیگراف کنونش میں تیز رفتار ترقی کی وجہ سے شامل ہو گیا۔ آبدوز تاروں کی حفاظت کے لیے ۱۸۸۳ء میں انٹرنیشنل یونین کا رکن بھی بن گیا۔ ۱۹۱۵ء کے اختتام پر جاپان میں ٹیلی گراف کیلیے تاروں کو وسعت دی گئی جو زمین کے اوپر تھی۔وہ ۱۰۸۴۷۰ میل ہو گی اور جو زمین کے اندر تھی اُن کی وسعت ۱۳۲۳ میل اور جبکہ آبدوز تاروں کو ۱۴۷۸۸ میل وسعت دی گئی۔ متعلقہ آلات اور سامان کی طلب ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی تیر رفتار ترقی کی وجہ سے بڑھ گئی۔ شروع میں جو سامان باہر سے درآمد ہوتا تھا اس میں نمایاں کمی اس وقت ہوئی جب اندرون ملک میں اشیاء کی پیدائش بڑھ گئی۔ ذرائع خبر رسانی کی مشینری ۱۹۲۵ء میں ۱۴۹۲۴۰۰ ین کی درآمد کی گئی تھی اور مشنری ۳۵۰۰۰ ین کی صرف برآمد کی جاسکتی تھی۔ لیکن درآمد کی مقدار کم ہو کر ۱۹۳۴ء تک ۱۱۴۶۸۰۰۰ ین رہ گئی اور ۵۲۴۱۰۰۰ برآمد کی پیدائش بڑھ گئی۔

برقی قوت کو ترقی دینا اس لیے ضروری تھا تا کہ دوسری صنعتوں کو ترقی حاصل ہو۔اس صنعت کو آسانی سے ترقی اس لیے ملی کیونکہ جاپان کے بحری ذرائع بہت وسیع تھے۔ برقی قوت کی فراہمی کے لیے ۱۸۸۷ء میں پہلی کمپنی ٹوکیوڈنٹو نامی کے نام سے قائم ہوئی۔ کمپنیوں کی تعداد ۱۸۹۲ء میں گیارہ ہو گئی۔ جاپان سالانہ ۴۴ کلو میٹر ۱۹۰۳ء تک برقی قوت پیدا کرنے کے قابل ہو گیا برقی قوت کی پیداوار میں آنے والوں سالوں میں حیران کن اضافہ ہوا۔ برقی قوت سالانہ ۵۰۸۰۰۰۰ کلو میٹر ۱۹۳۳ء تک پیدا کی جانے لگی۔اس میں آبی ذرائع کا ۶۲ فیصد حصہ حاصل کیا گیا تھا۔ جاپان کو تیز رفتار برقی قوت ۱۹۳۳ء میں پیدا کرنے پر دنیا کے تمام ممالک میں تیسرا درجہ حاصل ہوا۔

برقی گولوں اور تاروں کی صنعت اور برقی قوت کی صنعت میں بہت قریبی تعلق ہے جیسے جیسے برقی تاروں کا استعمال عام ہو گیا اسی لحاظ سے برقی گولوں اور تاروں اور بیٹریوں کی مانگ بھی بڑھنے لگی۔ چنانچہ بیٹریوں، برقی گولوں اور تاروں کی پیداوار پر برقی قوت کی صنعت کے ساتھ ساتھ کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں نے توجہ کرنا شروع

کی۔یوں ۱۸۸۳ء بیٹریوں کی پیداوار کا کام شروع ہو چکا تھا۔اس کو جنگ کے دوران ترقی ملی اور بعد میں بھی سلسلہ جاری رہا۔ جاپان ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ۱۹۳۴ء تک دیگر ممالک کو بیٹریاں برآمد کرنے کے بھی قابل ہو گیا۔ چنانچہ بیٹریوں کی درآمد ۱۳۴۰۰۰۰ ین کی گئیں۔

برقی گولوں کا جہاں تک تعلق ہے تو ۱۹۰۹ء میں پہلی مرتبہ جاپانی برقی گولے بازار میں لائے گئے تھے۔یوں کارخانوں میں اضافہ ہونے لگا۔ برقی گولوں میں جاپان نے ۱۹۱۱ء تک خود کفالت کا درجہ حاصل کر لیا۔ جنگ کے زمانے میں مختلف ممالک میں جاپانی برقی گولے کامیابی سے فروخت ہونے لگے۔ برقی گولے ۱۹۳۳ء میں ملین ین کے پیدا کئے گئے،اور ۲۷۰ ملین ین کا مال برآمد ہوا۔ جاپانی برقی گولوں کے امریکہ ، برطانوی ہند اور مانچو کو اہم خریدار تھے۔

برقی تاروں کی پیداوار کو برقی گولوں سے سات سال بعد ۱۸۹۷ء میں ترقی حاصل ہوئی۔اور سوی ٹو مو وائر کمپنی قائم ہوئی۔ جاپان الکٹرک وائر کمپنی اور ٹوکیو الکٹرک وائر کمپنی ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء میں قائم ہوئیں۔ بیرونی مال کی درآمد کم ہونے لگی جب مقامی پیداوار میں اضافہ ہوا اور خود چین، برطانوی ہند اور مانچو کو اور جزائرالہند کو مال بڑھتی ہوئی مقداروں میں برآمد کیا جانے لگا۔ برقی تار صرف ۱۹۹۷۰۰۰ ین کے ۱۹۳۲ء میں برآمد کئے گئے۔

دھاتوں کی ڈھلوائی، لکڑی کی کٹائی اور صفائی، پرائم مورس، ظروف سازی اور چھپائی کے آلات کار چوب اور نقاشی،، زراعت کان کنی اور مشینوں کی صنعت و نیز گرموفون، مائیکر واسکوب، گھڑیالوں، ٹیلی سکوپ اور ان کو تیار کرنے کے لیے مشینوں کی صنعتیں شامل ہیں۔ جاپان بھاری اور نازک قسم کی مشینری صنعتی ترقی کے ابتدائی دور میں تیار نہیں کر سکتا تھا۔اور کثیر تعداد میں یہ اشیا جرمنی، انگلستان اور امریکہ سے درآمد کی جاتی تھیں۔ بھاری اہم مشینری جنگ کے وقت معطل ہو گئی اور اندرون ملک میں ہی ان کی تیاری کی طرف توجہ کی گئی۔ جاپان عام چیزوں سے لے کر بہترین اور نازک ترین مصنوعات تیار کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس سے نہ صرف ملکی ضروریات بلکہ زیادہ تر چیزیں بیرونی ممالک کو برآمد ہونے لگیں۔ جاپان میں متفرق میکانی صنعتیں ۱۹۲۹ء میں ۲۸۰۳۲۶۰ ین کی پیدا کی جانے لگی اور ۴۴۴۸۹۶۰۰۰ ین کی ۱۹۳۳ء تک اشیاء پیدا ہونے لگی

ادویات اور دوسری کیمیائی اشیاء کی صنعتوں نے جاپان میں بہت ترقی کی۔ جن میں بلیچنگ پاؤڈر، گلسرین، آکسیجن اور امونیا، کاسٹک سوڈا، نائٹرک اسیڈ، اسیٹیک اسیڈ،، سلفیورک اسیڈ، ہیڈرو کلورک اسیڈ، سوڈا ایش اہم کیمیائی اشیاء میں شامل ہیں۔اہم کیمیائی اشیاء کی پیدائش ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۳ء میں ۱۰۰۰ ٹن رہی۔ ویسے ۱۹۲۹ء کے مقابل ۱۹۳۳ء میں تمام کیمیائی ایشیاء کی پیداوار میں اضافہ ہوا لیکن سوڈا ایش، امونیا اور کاسٹک سوڈا کی پیداوار میں خاص طور پر بہت اضافہ ہوا،اور مختلف ممالک میں یہ تمام اشیا کثرت سے برآمد کی جاتی تھیں۔ جاپان کی ترقی دوسری جنگ عظیم سے پہلے

رنگ سازی میں بہتر زیادہ رہی۔ مجموعی پیداوار ۷۸۱۲۶۶ ٹن ۱۹۹۹ء میں رنگوں کی رہی۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک ۹۶۸۹۴۴ ٹن سے ۱۵۹۷۴۸ ٹن ہو گئی مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے علاوہ کثرت سے رنگ برآمد کیے جاتے تھے۔

چار قسم کی مصنوعی کھادیں جاپان میں تیار ہوتی ہیں: مثلاً معدنی اشیاء کی کھاد، مچھلی کی کھاد، کھلی کی کھاد اور مرکب کھاد شامل ہے۔ کھاد کا کام بنوئے اور سویابین کی کھلی سے لیاجاتاہے۔ چونکہ مچھلی کثرت سے ساحلی علاقوں میں پائی جاتی ہے اس لئے اس سے کھاد تیار ہوتی ہے۔ کیلشیم اور سلفیٹ آف امونیا سے بھی کھاد بنائی جاتی ہے مختلف اشیاء کو ملا کر بعض اوقات مرکب کھاد تیار کی جاتی ہے۔ پیداوار کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت معدنی اشیاء کی کھاد کو حاصل ہے۔ تقریباً ۲۱۶ ملین ین کی کھاد ۱۹۳۴ء میں تیار کی گئی جس میں سے ۲۰ فی صد مرکب کھاد، ۱۴ فی صد مچھلی کی کھاد، ۵۱ فی صد معدنیاتی کھاد اور ۲۵ فی صد کھلی کی کھاد تھی۔ مقامی ضروریات میں پیداوار کا بڑا حصّہ استعمال ہو جاتا تھا اور ۲۶ لاکھ ین کی کھاد ۱۹۳۲ء میں تقریباً برآمد کی جاتی تھی۔

سیمنٹ سازی، ظروف سازی اور شیشہ سازی کو سَرامک صنعتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ۱۸۷۳ء میں شیشہ سازی کا آغاز ہو گیا تھا۔ لیکن ۱۹۱۲ء میں باقاعدہ طور پر اس کی ترقی شروع ہوئی۔ دیکھا جائے تو تقریباً تمام صنعتوں کے لیے جنگ کا زمانہ مفید ثابت ہوا مگر شیشے کی صنعت کو خاص اس کی وجہ سے فائدہ پہنچا اس صنعت کو ایک طرح سے جنگ نے قدرتی مدد فراہم کی۔ مقامی اشیاء بڑھتی ہوئی مقدار میں اندرونِ ملک فروخت ہونے لگیں۔ اور برآمد کا سلسلہ بیرونی ممالک جاری ہو گیا۔ اس صنعت کے لیے ۱۹۲۰ء کا زمانہ مفید تھا۔ اس سال میں مصنوعات ۵۳ ملین ین کی تیار کی گئی۔ دس گناہ زیادہ تعداد ۱۹۱۳ء کے مقابل تھی۔

جاپان کو دریچوں کے شیشوں کی تیاری میں خاص اہمیت حاصل ہے امریکہ اور بیلجیم کے بعد جاپان کو ان مشینوں کی تیاری میں تیسرا درجہ حاصل تھا۔ لیکن ۱۹۳۳ء میں قدرتی طور پر ترقی کرنے کے بعد اس شعبے میں پہلا درجہ حاصل ہو گیا۔ ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۳ء تک برآمد کی مقدار بڑھ کر ۱۹۰ ہو گئی تھی اہم خریدار امریکہ، ندرلینڈ، چین، مانچو کو، ریاست ہائے متحدہ اور جزائر فلپائن جاپانی شیشے کی مصنوعات کے تھے۔

سیمنٹ کی صنعت ۱۸۷۵ء میں تجربے کے طور پر قائم کی گئی لیکن ۱۸۸۷ء میں جاکر یہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہو سکی۔ جوں جوں سڑکوں، پلوں، عمارتوں اور مختلف پبلک مقاموں کی تعمیر میں اندرون ملک اضافہ ہونے لگا تو سیمنٹ کی طلب بھی بڑھتی گئی۔ مقدار پیداوار میں بھی اضافہ کی طلب بڑھنے لگی۔ اس صنعت کے حق میں ۱۹۲۳ء کا زلزلہ بہت مفید ثابت ہوا کیونکہ جب تباہ شدہ عمارتوں کی جدید تعمیر شروع ہوئی تو سیمنٹ کی ضرورت بہت بڑھ گئی اور ترقی کرنے کا مقامی کارخانوں کو خوب موقع ملا۔ پیداوار کی مقدار ۱۹۲۹ء تک ۴۳۴۹ میٹرک ٹن ہو گی۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء

تک پیداوار میں نمایاں کمی عالمی کساد بازاری کے مخالف اثرات کی وجہ سے رہی۔ لیکن پھر حالت ۱۹۳۴ء تک سدھر گئی۔ پیداوار کا زیادہ حصہ اندرون ملک کام آجاتا تھا اور تھوڑا حصہ مقدار کا برآمد بھی کیا جاتا۔ سیمنٹ کو انٹنگ، ہانگ کانگ، فلپائن، افریکہ، نذر لینڈ، چین، برطانوی ہندوغیرہ کو ۱۹۳۵ء میں ۶۵۵۰۸۴ میٹرک ٹن برآمد کی گئی۔ ملک کے مختلف حصوں میں سیمنٹ کی تیاری کے لئے خام اشیاء کافی مقدار میں پائی جاتی تھی۔ اس لیے بہت آسانی سے اس صنعت نے ترقی کر لی۔

جاپان کی قدیم صنعتوں میں سے ایک ظروف سازی ہے لیکن جنگ کے دوران اور اس کے بعد اس کو صحیح معنوں میں ترقی ملی۔ مقدار پیدائش، کارخانوں اور برتن جلانے کی بھٹیوں میں ۱۹۱۴ء، اور ۱۹۲۵ء کے درمیان میں بہت اضافہ ہوا۔ کارخانوں کی تعداد ۱۹۱۴ء کے مقابل ۱۹۲۵ء میں ۵۵۴۰ سے بڑھ کر ۷۹۴۷ سے ہوگئی۔ عالمی کساد بازاری کی وجہ سے مقدار پیداوار میں اضافہ اور کمی ہوتی رہی۔ ۱۹۳۸ء میں بہتر حالات سے بھٹیوں کی تعداد اور قیمت پیداوار میں اضافہ ہوا۔ ضروریات زندگی کی مختلف اشیاء مٹی سے تیار ہوئی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ اہمیت میز پر رکھنے والی آرائشی اشیاء کو حاصل تھی۔ مٹی کی برآمدِ مصنوعات میں زیادہ حصہ میز پر رکھنے والی آرائشی مصنوعات پر مشتمل ہوتا تھا۔ امریکہ ان اشیاء کا بڑا خریدار تھا۔ جاپان کی چھوٹے پیمانے پر چلائی جانے والی مصنوعات میں ظروف سازی شامل ہے۔ عام طور پر ۵ سے ۳۰ افراد کے درمیان کارخانوں میں کام کرنے والوں کی تعداد ہوتی ہے۔

جاپان میں آٹا پیسنے کی صنعت ابتداء میں بہت خستہ حالت میں تھی۔ گیہوں کی پیداوار کی ایک تو اندرون ملک کمی تھی اور دوسرا جدید مشینری سے بھی کام نہیں لیا جاتا تھا۔ یہ صنعت جدید اصولوں پر ۱۸۹۷ء میں قائم ہوئی جب کہ اپنا کاروبار جاپان ملنگ کمپنی نے شروع کیا۔ اس صنعت کو ترقی دینے میں دو اسباب اہم ہیں ایک یہ کہ تین جنگیں (جنگ روس و جاپان، جنگ چین و جاپان اور جنگ عظیم دس سال کے وقفے وقفے سے ہوتی رہی تو فوجی ملازمین کے لیے کثرت سے آٹے کی ضرورت رہی۔ آٹے کی پسوائی کا کام قدیم تھا، دوسرا یہ کہ جاپانی آبادی میں ہر سال برابر اضافہ ہوتا گیا تو بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے آٹے کی مانگ بھی بڑھ گئی۔

ابتداء میں دوسرے ممالک سے اس طلب کو پورا کرنے کے لیے گیہوں درآمد کئے جاتے رہے۔ لیکن اس کے بعد گیہوں کی پیداوار میں اندرون ملک اضافہ کرنے کی طرف حکومت نے اپنی توجہ مائل کی۔ بیرونی ممالک سے مال کی درآمد پر پابندی لگادی اور زیادہ گیہوں بونے کی طرف کاشتکاروں کو ترغیب دی۔ اندرون ملک گیہوں کی پیداوار میں اضافہ ان تدبیروں کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہونے لگا۔ لیکن اس کے باوجود جاپان گیہوں کی حد تک خود کفیل نہ ہو سکا۔ البتہ بیرونی ممالک کے گیہوں سے آٹا اتنی زیادہ مقدار میں تیار کیا جاتا تھا کہ ملکی ضروریات کے ساتھ دیگر ممالک کو

بھی برآمد کیا جاتا۔ چین کو ۱۹۳۰ء سے پہلے آٹے کی برآمد کی جاتی تھی۔ لیکن پھر چین کا حصہ کم اور مانچو کو کا حصہ بڑھنے لگا اور آٹا ۳۳۲۰۰۰۰ ین ۱۹۳۵ء میں برآمد کیا گیا۔ ۱۹۳۵ء میں آٹے کے اہم خریدار مانچو کو اور کوانٹنگ تھے۔

جاپان میں ابتداء میں چائے کی کاشت ہوتی تھی اور ملکی اشیاء کی برآمد میں اس کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ لیکن اس وقت غیر ملکی افراد کے ہاتھوں میں یہ صنعت تھی۔ مسٹر کاہی اوتانی (جاپان کا سب سے بڑا چائے کا تاجر) جس نے می جی دور کی ابتداء کے پانچ سال بعد حکومت کی مدد سے ایک کمپنی قائم کی۔ جاپانی چائے کو بہتر بنانا اس کمپنی کے قیام کا مقصد تھا۔ اور چائے کو غیر ملکی تاجروں کے وسیلے کے بغیر برآمد کرنا تھا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور پہلے کی طرح ہی چائے کی تجارت بیرونی افراد کے ہاتھ میں ہی رہی۔ اور جہاں تک تعلق مقدار برآمد اور پیداوار کا ہے اس میں بھی اضافہ ہوا۔ جاپانِ خاص میں ۱۹۲۹ء میں ۳۰۴۲۰۰۰ ین کی چائے پیدا کی گئی اور چائے کی برآمد ۱۲۰۲۸۰۰ ین کی ہوئی۔ پیداوار اور برآمد دونوں میں عالمی معیشت میں مندے کی وجہ سے کمی ہوئی۔ اور پہلے والے معیار تک پیداوار اور برآمد کی مقدار ۱۹۳۳ء تک نہ پہنچ پائی۔ جاپانی چائے کا ۱۹۲۹ء سے پہلے اہم خریدار امریکہ تھا۔ اور چین جاپان کا امریکی بازاروں میں اہم حریف تھا۔ بہر حال امریکی بازاروں پر جاپان نے اپنا اقتدار جمالیا۔ جاپانی چائے کا ۱۹۲۹ء کے بعد اہم خریدار روس ہو گیا اور پھر یوں چینی چائے کی اہمیت کم ہو گئی جب جاپانی چائے روس جانے لگی۔[۹]

جاپان میں شکر کی صنعت کو ۱۹۲۹ء سے پہلے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی اور تائے وان کے علاقے میں پائی جاتی تھی مگر جب اس علاقے کو جاپان کا حصہ بنا دیا گیا تو گنے کی فراہمی آسان ہو گئی۔ کیونکہ تائے وان گنے کی کاشت کے لیے مناسب جگہ تھی۔ شکر کی صنعت نے ۱۹۱۳ء کے بعد تیزی سے ترقی کرنا شروع ہو گئی اور جاپان اس صنعت میں ۱۹۲۹۔۹ء ایک خود مختار ہو گیا۔ اور پھر مختلف ممالک کو شکر کی زیادہ مقدار برآمد کی جانے لگی۔ شکر کی ۱۹۰۹-۱۰ء میں مجموعی پیداوار ۲۴۹۰۰۰۰ پکلس تھی (جاپانی وزن کی آکائی جو ۶۰ کلو گرام کے برابر ہوتی ہے) یہ بڑھ کر ۱۹۳۴-۳۵ء تک ۱۹۵۳۶۰۰۰ پکلس ہو گئی۔ اس طرح شکر کی برآمد ۱۹۱۲ء میں صرف ۹۰۷۰۰۰ پکلس کی گئی تھی لیکن ۱۹۲۸ء تک شکر کی برآمد میں اضافہ ہو گیا۔ عالمی معیشت میں مندے کی وجہ سے پیداوار میں کمی کے ساتھ برآمد کی مقدار بھی کم ہوئی۔ جاپان میں شکر کے ۱۹۷۰ء میں چین اور مانچو کو اہم خریدار تھے۔ اس کے علاوہ روس، ہانگ کانگ، برطانوی ہند اور کوانٹنگ کو بھی پیداوار کا کچھ حصہ برآمد کیا جاتا تھا۔ تائے وان کو جاپان میں شکر کی پیداوار کے حوالے سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ شکر کی پیداوار کا ۸۰ سے ۹۰ فی صد حصہ اسی علاقے میں پیدا کیا جاتا ہے۔

جاپان کی اہم صنعتوں میں ربر کی صنعت کا شمار ہوتا ہے۔ پچھلے کچھ سالوں میں اس صنعت کو بہت ترقی ملی۔ مختلف اقسام کے کھلونے، جوتے، بلٹ، ٹئیر، ٹیوب اور ربر کی دوسری اشیا مصنوعات میں شامل ہیں، لیکن ٹئیر اور جوتوں کو ان میں زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ربر کی مصنوعات تقریباً ۸۶۷۵۵ ین کی ۱۹۳۳ء میں تیار کی گئی تھیں۔ اور ۵۶۰۰۰

1

۴ین کی مصنوعات برآمد کی گئی۔ ربر کی صنعت کی ترقی کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ خام ربر کا ۱۹۳۳ء میں صرف ۳۳ ٹن تھا مگر ء میں ایک سال بعد دوگنے سے زیادہ اس کی مقدار میں اضافہ ہو گیا۔ دنیا کے اہم ممالک ربر صرف کرنے والے ممالک میں جاپان کو ۱۹۳۳ء میں پانچواں درجہ حاصل تھا اور اس نے تیسرا درجہ ۱۹۳۴ء میں حاصل کر لیا۔ جبکہ امریکہ کا پہلا درجہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جاپان ربر کی صنعت میں بہت ترقی حاصل کر چکا ہے۔ مگر بیرونی مالک سے تمام خام پیداوار درآمد کی جاتی ہے۔ خام ربر کی درآمد کے لیے ۱۹۳۵ء میں اسٹریٹس سٹلمنٹس اور نڈرلینڈ ایسٹ انڈیز کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ تائےوان اور دوسرے علاقوں میں ربر کے درخت لگائے گئے مگر ناسازگار آب وہوا اور نامناسب زمین کی وجہ سے کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

جنگ روس وجاپان کے خاتمے کے بعد ۱۹۰۴ء میں کاغذ کی صنعت کو ترقی ملنا شروع ہوئی۔ لیکن اس صنعت کو جنگ عظیم کے دوران زیادہ ترقی کرنے کا موقع ملا۔ مختلف ایشیائی بازاروں میں اور اندرون ملک کاغذ کے استعمال کے لیے گنجائش نکل آئی۔ قدیم کمپنیوں نے ان حالات کے مطابق اپنے کاروبار کو پھیلایا، اور جدید کمپنیاں بھی قائم ہوئیں۔ کاغذ اور مقویٰ (مقوی گول نکلی نماڈ باجو زیادہ تر کاغذات رکھنے کے کام آتا ہے) ۳۷۵ ملین پونڈ کا ۱۹۱۳ء میں پیدا کیا گیا تھا۔ اس کی مقدار ۳۴-۱۹۲۸ء تک ۱۷۳۵ ملین سے ۲۰۵۰ ملین پونڈ تک پہنچ گئی۔ کاغذ کی صنعت کے لیے بھی دوسری صنعتوں کی طرح ۳۳-۱۹۳۰ کا زمانہ نامناسب رہا۔ لیکن ۱۹۳۲ء میں معیار اور حالات بہتر ہو گئے۔ لکڑی کے گودے سے کاغذ کا زیادہ حصہ تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن پھٹے پرانے کپڑوں اور رُوئی چاول کے بھوسے سے بھی مدد لے کر کام کیا جاتا۔ لکڑی کا گودا کثیر مقدار میں مقامی خام پیداوار کم ہونے کی وجہ سے باہر سے درآمد ہوتا ہے اور اس کے ساتھ برآمد بھی امریکہ، سویڈن، ناروے اور کینیڈا کو جاپانی لکڑی کا گودا ۱۹۳۵ء تک برآمد کیا جاتا تھا اور انہی ممالک سے گودے کی جملہ درآمد کا ۱۹ فی صد آتا تھا۔ ۱۹۲۹-۳۰ء تک ۲۳۷۹۸۵۰۰۰ پونڈ کاغذ برآمد کیا گیا۔ چین، ہانگ کانگ، مانچوکو اور برطانوی ہند جاپانی کاغذ کے اہم خریدار تھے۔

فلپائن سے تمباکو کے بیج ۱۴۰۰ء میں جاپان میں لائے گئے تھے۔ جوں جوں تمباکو کا اندرون ملک استعمال بڑھتا گیا اس کے کاشت میں بھی اضافہ ہوا ۱۹۱۲-۲۸ء تک تمباکو کی کاشت کار قبہ بڑھ کر ہکٹر ہو گیا۔ ابتداء میں صرف تمباکو پر اجارہ کا اطلاق ہوتا تھا پھر تمباکو کی مصنوعات بھی شامل ہو گئیں۔ بیرونی مصنوعات پر سخت درآمد محصول عائد ہوئے تاکہ تمباکو کی صنعت کو ترقی دی جاسکے۔ سگریٹ اور سیگار کی درآمد پر محصول بے حساب قیمت ۵۵ فی صد لگایا گیا جس کی وجہ بیرونی مصنوعات میں کمی آگئی۔ اور ملکی صنعت ترقی کرنے لگی۔ ۱۹۲۹-۹۳ء تک سگریٹ اور سیگار کی پیدائش مقدار ۹۰۷۴۰۰۰ ین رہی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کا سماجی منظر نامہ:

اگست ۱۹۴۵ء میں ہتھیار ڈالنے کے وقت جاپان ایک تباہ حال ملک تھا۔ پرل ہاربر کے بعد سے ۵۰۰،۰۰۰ سے زیادہ شہریوں سمیت ۲۵ لاکھ سے زیادہ جاپانی ہلاک ہو چکے تھے۔ ٹوکیو اور کئی دوسرے شہروں کے بڑے حصے جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ ملک کی ایک تہائی دولت تباہ ہو چکی تھی۔ جاپان نے باضابطہ طور پر امریکی جنگی جہاز یو ایس ایس میسوری پر اتحادی طاقتوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ چونکہ یہ امریکہ تھا جس نے جاپان کو شکست دی تھی۔ اتحادی طاقتوں کی طرف سے جاپان کا مطلب در حقیقت کسی ایک ملک متحدہ پر قبضہ کرنا تھا۔ ریاستی صدر ہیری ٹرومین نے سوویت یونین کے حصے پر قبضے کی پیشکش کو مسترد کر دیا۔ جاپانی فوج کو مکمل طور پر غیر مسلح کر دیا گیا تھا لیکن جاپانی حکومت کو ختم نہیں کیا گیا تھا۔

امریکہ نے موجودہ جاپانی حکومت کے ذریعے جاپان پر حکومت کرنے کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ جنگ سے پہلے کے دور میں، وزرائے اعظم کا تقرر شہنشاہ کے ذریعے منظم کیا جاتا تھا۔ اس کے بدلے میں جنگ کے بعد کی اصلاحات کے نفاذ کے لیے قوانین بنائے۔ پارلیمانی نظام کا سارا عمل جنرل ہیڈ کوارٹرز (جی ایچ کیو) کی سخت ہدایات کے تحت کیا گیا۔ جی ایچ کیو نے جاپانی حکومت کی وسیع پیمانے پر اصلاحات کا حکم دیا۔ ان اصلاحات میں زیباٹسو (کاروباری جماعتیں جو جنگ سے پہلے کی جاپانی معیشت پر غلبہ رکھتی تھیں) کو ختم کرنا، کرایہ دار کسانوں کو زمین کی تقسیم کے لیے زرعی اصلاحات، اور مزدور اصلاحات شامل تھیں۔ تاہم اس کے بعد امریکہ کی طرف سے جاپان پر اپنی خود دفاعی قائم کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا جاپانی حکومت نے آرٹیکل ۹ کی متعدد تشریحات کیں، جس سے جاپان کی محدود دفاعی صلاحیتوں کو قانونی طور پر جائز قرار دیا گیا۔ جب جاپان امریکی قابض افواج کی طرف سے مسلط کردہ مختلف اصلاحات پر عمل پیرا تھا۔ عالمی سیاست کبھی جامد نہیں تھی۔ سابق برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل نے فروری ۱۹۴۶ء کے اوائل میں نشاندہی کی کہ "آہنی پردہ" پورے یورپ میں اتر چکا ہے۔ جسے بالآخر "سرد جنگ" کہا جاتا تھا وہ بین الاقوامی تعلقات کی غالب خصوصیت بن گئی۔ امریکہ نے سوویت یونین کے خطرے کو بھانپنا شروع کر دیا اور اس نے اپنی جاپانی قبضے کی پالیسی میں تبدیلیاں کیں۔[9]

جنوری ۱۹۴۸ء میں امریکی فوج کے وزیر کینتھ رائل نے دلیل دی کہ امریکہ چاہتا ہے کہ جاپان ایک خود کفیل جمہوریت بن جائے۔ اتنا مضبوط اور مستحکم ہو کہ وہ خود کو سہارا دے سکے اور ساتھ ہی ساتھ کسی بھی دوسرے مطلق العنان جنگی خطرات کے خلاف ایک رکاوٹ کا کام کرے۔ امریکہ کو اس خطرے کا احساس ہونا شروع ہو گیا جو اس کے بعد مشرق بعید میں پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد مشرقی ایشیا نے اہم پیش رفت کا سلسلہ دیکھا۔ جس میں

اقوام متحدہ کی ایک متحد کوریا کو محسوس کرنے کی کوششیں ناکام کی گئی۔۱۹۴۸ء میں جمہوری کوریااور جمہوری عوامی کوریا کا قیام عمل میں آیا۔

چین میں کمیونسٹ پارٹی نے نیشنلسٹ پارٹی کو شکست دی اور اکتوبر ۱۹۴۹ء میں عوامی جمہوریہ چین کا قیام عمل میں لایا۔چیئرمین ماؤزے ڈونگ جو "یک طرفہ جھکاؤ" کی پالیسی پر سختی سے کاربند تھے موسم سرما میں ماسکو گئے اور معاہدہ طے کیا۔

سوویت یونین کے ساتھ دوستی، اتحاد اور باہمی مدد، جو جاپان کو ممکنہ جارحیت پسند سمجھتا تھا۔ پھر جون ۱۹۵۰ء میں شمالی کوریا نے کم آل سنگ کی قیادت میں جنوبی کوریا پر فوجی حملہ کیا جس سے کوریا کی جنگ شروع ہوئی۔ مشرقی ایشیا میں سرد جنگ گرم ہوگئی۔اس کشیدہ بین الاقوامی صورتحال میں جاپان کو ایک آزاد ملک کے طور پر عالمی برادری میں واپس آنے کا موقع دیا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد، جاپان کے سماجی منظر نامے میں اہم تبدیلیاں آئیں جس نے ملک کو آج کی شکل میں ڈھالا۔ جنگ کے بعد کے سالوں میں جنگ کے بعد کی تعمیر نو کے عمل اور معاشی ترقی کی جستجو، کلیدی عوامل جنہوں نے جاپانی معاشرے کے سماجی تانے بانے کو متاثر کیا۔اگست ۱۹۴۵ء کو اتحادی طاقتوں کے ساتھ جنگ میں جاپانی سلطنت کو شکست ہوئی۔ اسی سال ستمبر میں ،اتحادی افواج کا قبضہ شروع ہوااور ستمبر ۱۹۵۱ء میں امن معاہدہ ہونے تک، S.C.A.P،ذمہ دار فریق کے طور پر، جاپان کی پالیسیوں کو نافذ کرتا رہا۔ یہاں سب سے پہلے جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ قابض افواج نے یہ ذمہ داری سنبھالی اور اچھے انداز میں وہ سماجی اصلاحات کیں، جنھیں جاپان نے ۱۹۲۰ءاور ۱۹۳۰ء کی دہائی کے شروع میں ضروری سمجھا تھا لیکن وہ اپنے ہاتھوں سے حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

سب سے قابل ذکر تبدیلیوں میں سے ایک ۱۹۴۷ء میں نئے جاپانی آئین کا نفاذ تھا جس میں جمہوریت، انسانی حقوق اور امن پسندی پر زور دیا گیا تھا۔ ایک لبرل اور جمہوری معاشرے کی طرف اس تبدیلی نے سیاسی اور سماجی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ شہنشاہ کے کردار کو ایک مطلق العنان شخصیت کے بجائے قومی اتحاد کی علامت کے طور پر دوبارہ بیان کیا گیا، جس سے اجتماعی شناخت اور شہری مصروفیت کے احساس کو فروغ دیا گیا۔ ۱۹۴۵ءاور ۱۹۵۰ء کے درمیان کے سالوں میں بین الاقوامی خطرات کے بارے میں امریکی تصور اس قدر تبدیل ہو گیا تھا کہ دوبارہ مسلح اور عسکریت پسند جاپان کے خیال نے امریکی حکام کو خوف زدہ نہیں کیا۔ اس کے بجائے، اصل خطرہ کمیونزم کا رینگنا، خاص طور پر ایشیا میں دکھائی دیا۔ حتمی معاہدے نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اوکی ناوا اور جاپان کے دیگر مقامات پر اپنے اڈے برقرار رکھنے کی اجازت دی، اور امریکی حکومت نے جاپان سے دو طرفہ سیکورٹی معاہدے کا وعدہ کیا۔

ستمبر ۱۹۵۱ء میں، سان فرانسسکو میں باون ممالک نے اس معاہدے پر بات چیت کے لیے ملاقات کی اور بالآخران میں سے انتالیس نے اس پر دستخط کیے۔ قابل ذکر ہولڈ آؤٹس میں یو ایس ایس آر، پولینڈ اور چیکوسلوواکیا شامل تھے، جن میں سے سبھی نے جمہوریہ چین کی حمایت کرنے اور عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ کاروبار نہ کرنے کے وعدے پر اعتراض کیا، جسے امریکی سیاست دانوں نے جاپان کو مجبور کیا تھا۔ اقتصادی طور پر جاپان نے ۱۹۵۰ء کی دہائی کے بعد سے قابل ذکر ترقی کا تجربہ کیا جیسے ''جاپانی اقتصادی معجزہ'' کہا جاتا ہے۔[۱۰]

۱۹۶۰ء کی دہائی میں بین الاقوامی تعلقات میں نمایاں تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں، خاص طور پر امریکی اقتصادی اور سلامتی کی پالیسی کے حوالے سے مغربی یورپ اور جاپان کی بحالی امریکہ کی سرد جنگ کی پالیسی کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ تاہم اس کامیابی نے بین الاقوامی اقتصادی نظام میں غالب امریکی پوزیشن کی بنیاد کو کمزور کرنا شروع کر دیا۔

مروجہ بین الاقوامی اقتصادی نظام کے تحت جسے عام طور پر بریٹن ووڈس سسٹم کے نام سے جانا جاتا ہے، جاپانی ین سمیت بڑی کرنسیوں کو امریکی ڈالر کے ساتھ لگایا گیا تھا، جو بدلے میں سونے پر مقرر کیا گیا تھا۔ چونکہ امریکی ڈالر اور دیگر کرنسیوں کے درمیان شرح مبادلہ کو زیادہ ایڈجسٹ نہیں کیا گیا تھا (اور اس معاملے کے لیے ین ڈالر کی شرح تبادلہ کو کبھی تبدیل نہیں کیا گیا تھا) امریکہ میں مایوسی ہوئی تھی کیونکہ اس نے دیکھا کہ یورپ اور جاپان سے درآمدات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

عسکری طور پر ویت نام جنگ میں امریکہ کی شمولیت نہ صرف ایک اقتصادی ضیاع بلکہ سیاسی تباہی بھی بن گئی۔ خوش قسمتی سے جاپان کے لیے ایشیا میں اس کی وسیع وابستگی کو کم کرنے کے لیے امریکی حکمت عملی کے از سر نو جائزہ نے اوکی ناوا کی واپسی کے لیے جاپان کی درخواست کے حق میں کام کیا۔ دونوں حکومتوں نے ۱۹۶۹ء میں اوکی ناوا کو ۱۹۷۲ء میں جاپان کو واپس کرنے پر اتفاق کیا۔ تاہم حکمت عملی کی دوبارہ تشخیص میں ایک ایسا اقدام بھی شامل تھا جس کی بہت سے جاپانی رہنماؤں نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔

۱۵ جولائی ۱۹۷۱ء کو صدر رچرڈ نکسن نے اعلان کیا کہ وہ اگلے سال عوامی جمہوریہ چین کا دورہ کریں گے۔ چونکہ اس نے مشرقی ایشیا میں امریکہ اور چین کے تصادم کے جاپانی مفروضے کو ختم کر دیا اسے ''نکسن شاک'' کہا جانے لگا۔ لیکن ایک اور ''نکسن شاک'' اس وقت لگا جب صدر نکسن نے اعلان کیا کہ امریکہ ایک مقررہ قیمت پر امریکی ڈالر کے بدلے سونے کے اپنے وعدے پر مزید عمل نہیں کرے گا۔ اس فیصلے نے ایک نئے دور کا آغاز کیا جو تبادلے کے نظام کا دور ہے۔ نکسن انتظامیہ نے خراب موسم کی وجہ سے امریکہ سے سویابین کی برآمدات پر پابندی کا اعلان کر کے جاپانیوں کو مزید خوفزدہ کر دیا۔ اگرچہ اس فیصلے پر عمل درآمد نہیں کیا گیا مگر جاپانیوں نے سوچنا شروع کیا کہ ایک اور مسئلہ خوراک کی مستحکم فراہمی کا پیدا ہو رہا ہے اور پھر ایک زیادہ تباہ کن جھٹکا اس وقت آیا جب پٹرولیم برآمد

کرنے والے ممالک کی تنظیم نے ۱۹۷۳ء کے آخر میں یوم کپور جنگ(Yom Kippur War) کے بعد اسرائیل کے دوست سمجھے جانے والے ممالک پر تیل کی پابندی کا اعلان کیا۔ توانائی کا آزادانہ بہاؤ جاپانی بین الاقوامی تعلقات کا ایک اور بنیادی مفروض مشکوک ہو گیا۔ اس کے علاوہ جاپان کے بارے میں بین الاقوامی رویے بہت سخت ہو گئے۔ ریاست ہائے متحدہ جاپان کے تجارتی طریقوں پر بہت تنقیدی بن گیا اور جاپان سے مطالبہ کیا کہ وہ ''رضاکارانہ طور پر''اپنی بہت سی مصنوعات جیسے گاڑی کی برآمدات کو روکے۔[11]

۱۹۷۳ء کی دہائی کے آخر میں امریکہ نے جاپان پر سیکورٹی کے شعبے میں خاطر خواہ تعاون نہ کرنے پر تنقید کرنا شروع کر دی اور ساتھ ہی ساتھ الیکٹرانک آلات اور گاڑیوں کی بھاری برآمدات سے بھی منافع کمایا۔ ایشیائی ممالک نے بھی جاپان پر عدم اعتماد کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ جنوری ۱۹۷۴ء میں جب وزیر اعظم تاناکا کوئی نے تھائی لینڈ اور انڈونیشیا کا دورہ کیا تو وہ بنکاک اور جکارتہ میں جاپان مخالف فسادات کے لیے پہنچا۔ مظاہرین نے الزام لگایا کہ جاپانی اب پچھلے فوجی حملے کے بجائے معاشی حملے میں مصروف ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جاپان کو خوراک اور توانائی کے تحفظ میں بڑھتے ہوئے خطرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ غیر متوقع بین الاقوامی ماحول کا سامنا کرنا پڑا۔ جاپانیوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ اپنے سب سے اہم اتحادی امریکہ اور ایشیا میں اپنے پڑوسیوں کا بنیادی اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

۱۹۸۹ء میں عالمی تاریخ کا ایک غیر معمولی سال تھا۔ سرد جنگ ایسی لگ رہی تھی کہ یہ تقریباً ہمیشہ کے لیے رہے گی، اچانک دیوار برلن مشرقی یورپ میں کمیونسٹ حکومتوں کے گرنے سے ختم ہو گئی۔ سوویت یونین خود ۱۹۹۱ء کے آخر تک ٹوٹ گیا۔ سرد جنگ کا خاتمہ کرنے والی مشین نے جاپان سمیت پوری دنیا میں گہری تبدیلیاں کیں۔ تاہم، سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ شروع ہونے والے نئے دور کے جوہر کو صحیح طریقے سے عالمی سطح پر اور اس کے بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں سے گرفت میں لینا فی الحال مشکل تھا۔ تاہم کم از کم جاپان میں سرد جنگ کے بعد کے دور کی کئی خصوصیات کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے اعلیٰ ترقی کا دور ختم ہوا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی کے اواخر میں جاپان نے بلبلے کی معیشت کا تجربہ کیا۔ ٹوکیو نمایاں کھپت سے بھرا ہوا تھا۔ امریکہ کے ساتھ تجارتی رگڑنے اگرچہ جاپانیوں کو ایک عجیب سا اطمینان اور یہاں تک کہ تکبر کا احساس دلایا۔ بہت سے لوگوں نے اس خوف اور مایوسی کو محسوس کیا جسے امریکیوں نے جاپان کی برتری کے ثبوت کے طور پر دکھایا۔ لیکن یہ تکبر بلبلے کے پھٹنے سے بالکل دور ہو گیا اس کے بعد سے جاپانی معیشت نے بہت کم ترقی دکھائی۔ مشرقی ایشیا کے بہت سے ممالک نے جاپان کے جیسا یا اس سے بھی زیادہ اعلیٰ معیار زندگی حاصل کیا ہے۔ جاپان اب ایشیا کا واحد ترقی یافتہ صنعتی ملک نہیں رہا۔ ماضی میں، ایشیا سے دنیا کے مشہور برانڈ نام سبھی جاپانی تھے: سونی، ٹویوٹا، پیناسونک، وغیرہ۔[12]

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تاریخ کی کتابوں میں جاپان کی تاریخ قدیم دور سے لے کر جدید دور تک دو ہزار سال پر محیط ایک طویل تاریخ ہے۔ ملک کی ابتدائی تاریخ قبائلی معاشروں کی تھی، اس کے بعد ۵ ویں صدی عیسوی سے بدھ مت اور چینی ثقافت کا تعارف ہوا۔ جاگیردارانہ دور (۱۲ ویں-۱۹ ویں صدیوں) میں طاقتور سامورائی قبیلوں کا عروج، ایک سخت سماجی درجہ بندی کی ترقی، اور توکوگاواشوگنیٹ کی الگ تھلگ پالیسیوں کو دیکھا گیا۔ جاپان کی میجی عہد کی ابتداء کے وقت صنعتی حیثیت بہت کم تھی صرف ایک کارخانہ جدید طرز کا تھااور دستکاریوں کا رواج عام تھا۔ جبکہ ملکی صنعتیں ظروف سازی، پارچہ بافی اور دوسری معمولی ضروریات تک ہی محدود تھیں۔ جو بھی مصنوعات تیار کی جاتی تھی ان سے صرف بامشکل ملکی ضروریات ہی پوری ہوتی تھی لیکن ۱۸۶۸ء کی میجی بحالی نے جدیدیت اور مغربیت کو جنم دیا، جس کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں جاپان کی تیزی سے صنعتی اور عسکری ترقی ہوئی۔ پے در پے جنگوں نے جاپان کی صنعتی ترقی کو فائدہ اور نقصان ساتھ ساتھ دیا۔ دوسری جنگ عظیم میں ملک کی شکست قبضے اور تعمیر نو کا باعث بنی، اور ۱۹۵۰ء کی دہائی کے بعد سے، جاپان ایک بڑی اقتصادی طاقت اور ٹیکنالوجی اور اختراع میں ایک رہنما کے طور پر ابھرا اور پوری دنیا پر چھا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کی تباہی اور بربادی کے بعد جاپان نے ایٹم بم کے بجائے اپنی ذہانت اور محنت کو استعمال کر کے بغیر خون خرابے کے دنیا میں اپنا نام بنایا۔[۳۱] اب ہم اگلے باب میں درج ذیل نظریات کی روشنی میں منتخب اردو سفرناموں میں جاپان کے ثقافتی اور سماجی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ : دوسری جنگ عظیم کے تناظر میں کریں گے جس کے نکات درج ذیل ہیں :

۱۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کا صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے انقلاب کو اپنے ترقیاتی منصوبوں میں اولیت دینے کا اعلامیہ۔

۲۔ قانونی، معاشی اور سیاسی حوالے سے ان کے ہاں یورپی ماڈل کو اختیار کرنا۔

۳۔ اقداری نظام، رسم و رواج کو روایتی انداز میں ہی جاری رکھنے کا فیصلہ۔

۴۔ امیر قوم اور طاقتور فوج کے تناظر میں جاپانیوں کا اپنی معاشرتی زندگی کو ترتیب دینا۔

۵۔ ٹوکیو دنیا کا سب سے بڑا شہر ہونے کے باوجود اس میں رہائش، خوراک کی بڑھتی ہوئی قیمتوں اور افراط زر کے مسائل کا ہونا۔

۶۔ قومی اتحاد اور "تعلیم سب کے لیے ناگزیز کا ملکی منشور کا حصہ ہونا۔

۷۔ دفاعی شعبے کے لیے زیادہ سے زیادہ بجٹ مختص کرنے کی حکمت عملی اپنانا۔

اس نظری ڈھانچے کی روشنی میں جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے منتخب سفرناموں کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ علی امام بلگرامی،سیاست جاپان،(دکن:ادارہ اشاعت اردو،حیدرآباد،۱۹۴۳ء)،ص۹۔

۲۔ https://www.rekhta.org/ebooks/detail/tareekh-e-japan-ebooks?lang=urunknown-author بتاریخ ۱۴جولائی بوقت:۳۳:۱بجے۔

۳۔ سیدراس مسعود،جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق،(انڈیا:مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،حیدرآباد،۱۹۲۴ء)،ص۲۲۔

۴۔ شان الحق حقی،(مرتبہ)فرہنگ تلفظ،(اسلام آباد:ادارۂ فروغ قومی زبان،۲۰۱۷ء)۔ص۳۶۴۔

۵۔ نورالحسن نیر،نور اللغات،(جلددوم)(پاکستان:جنرل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۹ء)،ص۷۶۸۔

۶۔ مولوی سیداحمد دہلوی،فرہنگ آصفیہ،(جلددوم)(نئی دہلی:ترقی اردو بیورو،۱۹۶۷ء)،ص۵۶۴۔

۷۔ محمد ناصر علی،جاپان کی صنعتی ترقی،(حیدرآباد:اعظم اسٹیم پریس،سن ندارد)،ص۲۳۰۔

۸۔ سیدراس مسعود،روح جاپان،(دکن:مطبوعہ دارالطبع سرکارعالی،حیدرآباد ۱۹۲۷ء)،ص۱۳۰۔

۹۔ مترجم احمددین،آئینہ جاپان،(لاہور:مطبع خادم التعلیم،۱۹۰۱ء)،ص۳۲۔

۱۰۔ سید نجم الدین احمد جعفری،موجودہ جنگ اور جاپان،(انڈیا:قومی محاذ جنگ،الہ آباد)،ص۴۳۔

۱۱۔ فلیکس ریگای،مترجم شیوبرت لال ورمن،جاپان ،(لاہور:خادم التعلیم اسٹیم پریس)،ص۱۹۔

۱۲۔ سیدراس مسعود،جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق،(انڈیا:مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،حیدرآباد،۱۹۲۴ء)،ص۳۳۔

۱۳۔ تبسم کاشمیری،جاپان میں اُردو،(اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۶ء)،ص۵۴۔

باب دوم:

منتخب سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے تعلیمی اور ثقافتی تغیرات کا مطالعہ

سفر نامہ ''اصناف ادب'' میں ایک منفرد حیثیت کی حامل صنف ہے۔ سفر اس کی اولین شرط ہے۔ اگرچہ سفر نامہ مغربی ادب کی اختراع ہے مگر اردو ادب نے بھی اسے جلد قبول کر لیا تھا اور یوں محدود مدت میں سفر نامے کی صنف میں بڑے بڑے نام منظر عام پر آنے لگے۔ اردو ادب کا دامن ان سفر نامہ نگاروں نے کثیر الجہت معلومات سے بھر دیا ان سفر نامہ نگاروں نے صرف اپنے ملک کا نہیں بلکہ بیشتر ممالک کا سفر نہ صرف خود کیا بلکہ اپنی قلم کے ذریعے اپنے قارئین کو بھی ان خطوں کی سیر کرائی اور مفید معلومات اور منفرد منظر سے روشناس کروایا۔ یوں اردو ادب کے قارئین نے اپنی تہذیب ثقافت اور دیگر ممالک کی تہذیبوں میں مماثلت واختلافات کے بارے میں آگاہی حاصل کی۔ سفر کرنے کے لیے قران پاک میں بھی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالی نے سورت العنکبوت میں فرمایا ہے:

قل سیرو فی الارض[1]

ترجمہ: ''کہہ دو کہ تم زمین میں چلو پھرو''

جنت سے زمین تک آدم و حوا کا سفر ''سفر'' کا نقطہ آغاز تھا۔ اور یوں مختلف اوقات میں ایک مقام سے دوسرے مقام، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک کی جانب کوچ کرنا اور بعض اوقات انسان یہ سفر اپنی متجسسانہ فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور بعض اوقات تلاش معاش و رزق کے لیے مختلف دنیاؤں کی سیر کرتا ہے اس طرح سفر سے نا صرف انسان کے علم و تجربے میں اضافہ ہوا ہے بلکہ انوکھے اور حیرت انگیز سفری واقعات کو دوسرں کو سنانا سفری داستان کا موجب بنا بعد میں جوں جوں زبانوں کی استعداد میں اضافہ ہوا تو ان سفری داستانوں کو بھی تحریر کیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی قدیم اصناف ادب میں سفر نامے کا شمار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی سفر نامے کی تعریف کرتے ہوئے اپنی کتاب اصناف ادب میں یوں لکھتے ہیں:

> سفر نامہ ایک طرح کی روداد سفر یا رپورتاژ ہے جسے آپ بیتی کی ایک شکل کہا جا سکتا ہے۔ سفر نامے کی عمدگی اور دلچسپی دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک واقعات سفر کی ندرت و جدت اور دوسرے انداز بیاں میں تازگی۔ دلچسپی اور مقبولیت کے لحاظ سے ایک معیاری سفر نامہ ناول و افسانے سے کسی طرح کم نہیں۔[2]

ڈاکٹر حفیظ صدیقی اردو سفر نامے کی تکنیک دہیت اور معائب و محاسن کے بارے میں لکھتے ہیں: [1]

> اجنبی شہروں اور غیر ممالک کے جغرافیائی اور سماجی حالات سے انسان نے ہمیشہ گہری چھاپ لی ہے۔ ایک سیاح جب اپنے جغرافیائی اور سماجی گرد و پیش سے نکل کر دوسرے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے وہ تمام چیزیں جو اس کے اپنے مولد و منشا کے مانوس ماحول سے مختلف ہوتی ہیں اختلاف ماحول اور اختلاف معاشرت کے باعث دلچسپ اور استعجاب انگیز نظر آتی ہیں۔ اور وہ تمام باتیں جو مشترک ہوتی ہیں وہ انھیں دوسروں (بالخصوص اپنے ہم وطنوں) کے لیے قلم بند کر لیتا ہے۔ اس تحریر کو ہم ادبی اصطلاح میں سفر نامہ کہتے ہیں۔ [۳]

ڈاکٹر انور سدید نے تحریر کیا ہے:

> سفر کے ساتھ انجانے دیسوں کی سیر، نئی فضاؤں سے واقفیت اور انوکھے مناظر کے مشاہدے کا تصور وابستہ ہے۔ سفر کی نوعیت خواہ کیسی ہو سیاح یا مسافر کے وابستگان اس بات کے آرزو مند ہوتے ہیں کہ وہ تجربات سفر سے زیادہ سے زیادہ آگہی حاصل کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔ [۴]

سفر نامہ انسانی زندگی کو سنوارنے اور جدت لانے کا ذریعہ ہے سفر کے ذریعے دوسری تہذیبوں اور ان کے ادب سے آشنائی ہوتی ہے۔ مرزا حامد بیگ نے اپنی کتاب سفر نامے کی مختصر تاریخ سفر نامے کو ہر ادب کی ایک مستقل بیانیہ صنف قرار دیا ہے۔ اُن کے خیال کے مطابق جس میں خارجی مشاہدے کو تخیل پر فوقیت حاصل ہے البتہ سفر سے متعلق ہونے کے باعث سفر نامے میں تحیر کا عنصر نمایاں تر ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مستقل ادبی صنف ہونے کے ناطے سفر نامے کی پیش کش ادبی نوع کی ہوگی نہ کہ محض مسافر کا بیان۔ اس لیے کہ یہ امر مجبوری سفر اختیار کرنے والے ہر مسافر کا سفری احوال ادب کی ایک مستقل صنف سفر نامہ یا سیاحت نامہ نہیں کہلائے گا۔'' [۵]

نفیسہ حق کے مطابق:

> سفر نامہ ایک دیدہ بینا کے ان تجربات و مشاہدات کا ماحصل ہوتا ہے جو اپنے معاشرے اور اس دیس کے درمیان موازنہ اور تجزیے کی صورت میں سامنے لاتا ہے اور موازنہ اور تجزیہ کبھی شعوری ہوتا ہے اور کبھی غیر شعوری، تاہم سفر نامے کی پہلی اور سب سے اہم خوبیبی ہے کہ وہ مختلف معاشروں کے درمیان تجزیے اور موازنے کی کیفیت کو ابھارے۔ [۶]

سفر نامے کو نفیسہ حق نے جغرافیائی، معاشرتی اور ثقافتی معلومات کا ذخیرہ قرار دیا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں سفر کو بہت اہمیت حاصل ہے کسی بھی خطے سے تعلق رکھنے والا شخص، بحیثیت سیاح جب کسی دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے تو اُسے اُس ملک کے مخصوص

ماحول، سماجی، معاشرتی، جغرافیائی، طرز معاشرت اور ثقافتی مشاہدات اور تجربات سے واسطہ پڑتا ہے۔ دوسرے ملک میں پیش آنے والے تجربات و احساسات کو سیاح اپنی تحریر میں قلم بند کرتا ہے۔ اس کا فائدہ قارئین اور دیگر مسافر جو اس ملک کا سفر کرتے ہیں۔ ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سفر نامہ قاری کو اپنے ملک میں رہتے ہوئے دوسرے ممالک کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کرتا ہے تو دوسری طرف اس ملک میں جانے والے باقی سیاحوں کے لیے سہولت پیدا کرتا ہے اور اس کی منزل آسان ہوتی ہے۔ اردو زبان و ادب اور دیگر زبانوں میں اس پس منظر میں بہت سے سفر نامے لکھے گئے۔ جس میں سفر نامہ نگاروں نے اپنے اپنے انداز تحریر کے مطابق دورانِ سفر سماجی رویوں اور دوسری ثقافتوں کا مشاہدہ کر کے اپنے قاری کو ان مشاہدات سے آشنا کروایا۔

تاریخ یوسفی اُردو کا پہلا سفر نامہ یوسف خان کمبل پوش کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد اُردو ادب میں سفر نامہ نگاری کا طویل اور لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اردو ادیبوں نے اپنے سفر ناموں کے ذریعے قارئین کو پوری دنیا سے متعارف اور آشنا کرایا۔ اُردو سفر نامہ نگاروں نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کر کے وہاں کی سیاسی، سماجی، معاشرتی اور ثقافتی صورت حال کو اپنی قلم کے ذریعے بیان کیا ہے اور معلومات کا ذخیرہ براہ راست اپنے سفر ناموں کے ذریعے قاری تک پہنچایا ہے۔ اگر سفر نامے کی روایت پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اردو سفر نامہ نگاروں نے سر زمین حجاز کے سب سے زیادہ سفر نامے تحریر کیے ہیں۔ جو اہل اسلام کے لیے عقیدت اور عبادت کا مرکز ہے۔ حج ناموں کی فہرست اردو ادب میں خاصی طویل ہے اور قاری کے لیے عقیدت و محبت کا ذریعہ ہے دوسری طرف ایران و عراق کے سفر ناموں کی بھی خاصی تعداد ہے علاوہ ازیں ان ممالک کے سفر نامے بھی تحریر کیے گئے ہیں جس سے ہماری نظریاتی یا مذہبی طور پر کوئی وابستگی نہیں۔ بہر حال یہ سفر نامے اپنے مخصوص معاشرتی، سیاسی، سماجی، ثقافتی و تمدنی پس منظر میں اہمیت کے حامل ہیں۔

ان ممالک میں ، روس، چین ، جاپان، امریکہ ، جرمنی، آسٹریلیا، ہالینڈ، فرانس، انڈیا، فلپائن، تھائی لینڈ، سوئٹرز لینڈ، آئس لینڈ، سری لنکا اور دیگر ممالک ہیں۔ جس طرح ہر ملک کی اپنی تہذیب و ثقافت شامل ہوتی ہے اسی طرح مسلم ور غیر مسلم کی بھی اپنی تہذیب، رہن سہن، اخلاق و عادات اور رسم و رواج ہوتے ہیں۔

منتخب سفر ناموں کا مختصر تعارف:

''مجتبیٰ حسین''، حیدر آباد (دکن) سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی سطح کے معروف و مقبول طنز و مزاح نگار ہیں۔ انہوں نے ۱۹۶۲ء سے طنز و مزاح کی صنف سے اپنا رشتہ قائم کیا تھا اور انشائیہ، خاکہ، کالم نگاری کے علاوہ سفر نامہ جیسی منفرد اصناف میں اپنی فکر و فن کا لوہا منوایا ہے۔ انھوں نے متعدد کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن میں

تکلف بر طرف ،قطع کلام ، قصہ مختصر ، بہر حال، آدمی نامہ(خاکے) ،بالآخر ، جاپان چلو جاپان چلو ،چہرہ در چہرہ(خاکے)، سفر لخت لخت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ کچھ کتابیں ہندی میں بھی شائع ہوئی ہیں جن میں قصہ آرام کرسی کا

مجتبیٰ حسین نے مختلف ممالک جاپان، امریکہ، برطانیہ، فرانس، کنیڈا، روس اور پاکستان وغیرہ کے سفر کیے اور بہترین سفر نامے لکھے۔ ان کا مشہور و معروف سفر نامہ جاپان چلو جاپان چلو ہے۔ جس کو جاپانی زبان میں بھی منتقل کیا جا چکا ہے۔ یہ مجتبیٰ حسین کا وہ یادگار سفر نامہ ہے جو بہت دلچسپ اور مزاحیہ سفر ناموں کی تاریخ کا ایک روشن حصہ بھی ہے۔ اس میں مجتبیٰ حسین نے جاپان کی قومی و ملکی اہم خصوصیات کا اپنے مخصوص اسلوب میں ذکر کیا ہے۔ جاپانیوں کی کم آمیزی، محنت و مشقّت، کردار پرستی، مشکلات سے نمٹنے کے لیے تراکیب استعمال کی ہیں سفر کے دوران میں پیش آنے والی مشکلات کی مرقع کشی کی ہے۔ اس سفر نامے میں اس ملک کو دکھایا گیا ہے جس نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم کی تباہی کو جھیلا تھا، اور ڈھائی لاکھ سے زیادہ انسان پلک جھپکنے میں موت کی نیند سو گئے تھے۔ آج وہی جاپان دنیا کا سب سے بڑا صنعتی ملک ہے اور الیکٹرونکس کی دنیا میں اس کا نام ہے۔ وہاں کے مناظر ان کے دل میں چھپے مگر جاپان کی بدحالی پر نہیں بلکہ اپنے ملک کی خستہ حالی پر یہ مختصر سا سفر نامہ، جاپان کی ایک دلکش تصویر پیش کرتا ہے۔ پروفیسر شارب ردولوی اس سفر نامہ کے متعلق کچھ اس طرح کہتے ہیں۔

> جاپان چلو جاپان چلو تو اردو کے مزاحیہ سفر ناموں میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سفر نامہ کی خوبی یہ ہے کہ یہ آپ کو جاپان کے بارے میں وہ ساری معلومات فراہم کرتا ہے جو کسی بھی ملک کے لیے ایک شخص جاننا چاہتا ہے۔ اس میں شخصیتوں، علاقوں، اداروں، وہاں کی تہذیب اور کلچر کو منفرد انداز میں متعارف کرایا گیا ہے۔ [۶]

مجتبیٰ حسین کی تحریری خصوصیت کے متعلق ارشاد آفاقی لکھتے ہیں۔

> بحیثیت مجموعی مجتبیٰ حسین کے لکھنے کا انداز فی البدیہہ، برجستہ اور بے ساختہ ہے۔ وہ نہ کسی خاص ماحول اور مزاج کے پابند ہیں اور نہ کسی وقت اور موضوع کے، بلکہ وہ کسی خاص صنف کے بھی پابند نہیں رہے اس لئے ان کی ذات میں بیک وقت ایک بلند پایہ صحافی، ایک عظیم انشائیہ نگار، ایک اعلیٰ مرتبہ خاکہ نگار، ایک بے مثال سفر نامہ نگار، ایک بہترین رپورتاژ نگار اور ایک اچھے مکتوب نگار کی ہستیاں سمٹ آئی ہیں، اس طرح وہ ششں پہلو شخصیت کے مالک ہیں جس کا ہر پہلو درخشاں اور تابناک ہے۔ [۷]

''ابن انشا'' نام شیر محمد اور تخلص انشا تھا۔ ۱۵ر جون ۱۹۲۷ء کو ضلع جالندھر میں ایک کاشت کار گھرانے میں

1

پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ ۱۹۴۷ء میں مہاجرین کے ساتھ پاکستان آ گئے۔ ۱۹۵۳ء میں ایم اے (اردو) اردو کالج، کراچی سے کیا۔ ابن انشا ایک بلند پایہ کالم نگار، مصنف، مترجم، مزاح نگار، شاعر اور سفر نامہ نگار تھے۔ ہندی ادب کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ۱۹۶۵ء میں روزنامہ 'انجام' میں ''باتیں انشا جی'' کے عنوان سے لکھتے رہے۔ مطالعاتی مواد کے امور میں ابن انشاء پاکستان میں یونیسکو کے نمائندے تھے۔ اُن کی تصانیف کے نام یہ ہیں: چاند نگر، اس بستی کے اک کوچے میں (شعری مجموعے)، بلو کا بستہ (بچوں کی نظمیں)، دنیا گول ہے، آوارہ گرد کی ڈائری، اردو کی آخری کتاب، (مزاح)، چلتے ہو تو چین کو چلیے، ابن بطوطہ کے تعاقب میں (سفر نامے) سحر ہونے تک (ترجمہ روسی ناول)، انشا جی کے خطوط، نگری نگری پھرا مسافر۔

ابن انشا کے سفر نامہ دنیا گول ہے اور ابن بطوطہ کے تعاقب میں جاپان کی سیاحت کا ذکر ہے جس میں جاپان کی جاپانی تہذیب و ثقافت قدیم ترین انسانی تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ جاپانیوں نے اپنے تہذیبی آثار قدیمہ کی خوب حفاظت کی ہے،

جاپانی ایٹم بم کی تباہی کو نہیں بھولے، ہیروشیما اور ناگاساکی میں تباہی کی یادگاریں قائم ہیں مگر اس تباہی نے ان کے پاؤں کو نہیں جکڑا۔ انہوں نے امریکہ کو اپنا دشمن نہیں بنا رکھا، کسی کو دشمن بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی سوچ زہریلی ہو گئی ہے اور آپ اپنے دشمن پر ہر وقت کڑھتے رہتے ہیں، دشمن کو بھول جانے کا سبق بھی جاپانیوں نے دنیا کو سکھایا ہے اور جاپانیوں کو امریکہ نے ایسے آداب سکھائے ہیں کہ معاشرے کا ڈھانچہ ہی بدل گیا ہے۔ صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ ثقافتی، معاشی اور معاشرتی ترقی بھی کی ہے ان سفر ناموں میں ابنِ انشا نے عام قاری کی دلچسپی کے لیے معلوماتی مواد فراہم کیا ہے۔ سفر نامے میں انہوں نے بیانیہ انداز اپنایا ہے اور اُن کے سفر ناموں میں صحافتی انداز بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ فتح محمد کے خیال کے مطابق ابنِ انشا کے ہاں: ''صحافتی اندازِ نظر کی بجائے فکری تازدگی اور ادبی رکھ رکھاؤ بدرجہ اتم موجود ہے۔ ابن انشا کا گہرے بیٹھے طرز کا حامل شگفتہ و شاداب انداز بیان اور انسان دوستی کا رچا ہوا شعور اس پر مستزاد ہے۔''[۵] ڈاکٹر انور سدید نے ابنِ انشا کے متعلق اردو ادب میں سفر نامہ میں لکھا ہے۔

> دنیا گول ہے ،''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' اور ''آوارہ گرد کی ڈائری'' میں ابن انشا ایک ایسے بنجارے کے روپ میں سامنے آتے ہیں جو گرد و پیش پر بیگانہ روی سے نظر ڈالتا ہے لیکن در حقیقت اس کی آنکھ اشیا کے باطنی کو کھولتی ہے اور ہمیں ان کے ماضی اور حال سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔ ابن انشا کی شخصیت میں سرشار کے سیلانی اور میر امن کے درویش دونوں کی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ان کے شوق کی کمی بھی نہیں تھی۔ اور

وحشت کا توڑا بھی نہیں تھا۔ فقط سبب کی حاجت ہوتی تھی۔ اور یہ سبب کتابی دنیا کی کوئی غیر ملک کا
نفرنس مدت مدید کا وقفہ ڈالے بغیر پیدا کر دیتی تھی۔[۹]

''جاوید دانش'' اردو کے ان ادیبوں میں سے ہیں جو وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع المشاہدہ بھی ہیں۔ جاوید دانش ڈرامہ نگار اور سفر نامہ نگار تھے ہجرت کے تماشے، حضرت کے تماشے، چالیس بابا ایک چور اور (سفرنامے)، مزید آوارگی ہیں۔ انھوں نے دنیا کے مختلف ملکوں کا سفر کیا ہے اور اپنے اس سفر کو'' آوارگی'' کے خوبصورت نام سے تعبیر کیا۔ مزید آوارگی ان کا سفر نامہ جاپان کی سیاحت پر ہے جس میں انہوں نے جاپان کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کی ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ وہاں کے تاریخی و یادگاری مقامات، عمارتوں، تعلیم گاہوں، مشہور چیزوں، وہاں کے طرز بود و باش، کھان پان، لباس، تہذیب و تمدن، آب و ہوا، جغرافیہ، میں ہونے والی تبدیلیوں غرض ایک ایک اہم چیز کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور اس کو اپنے سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔ جاوید دانش کی سفر نامہ نگاری کے متعلق پروفیسر غضنفر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> اس نے جس دنیا کی کھوج کی اسے دوسروں کو دکھانا بھی چاہا اسی لیے اس نے اپنے بیان میں زبان کا حسن بھی شامل کیا تاکہ دیکھنے والی آنکھوں کا انہاک بنا رہے۔ بصارت میں رنگ اور سماعت میں آہنگ گھلتا رہے۔ دل ڈولتا اور چہرہ کھلتا رہے۔ اس نے زبان و بیان کے گل کھلائے تاکہ تحریر سے خوشبو نکلے۔ لفظوں سے رنگ پھوٹے اور صوت و صدا سے آہنگ گونجے۔[۱۰]

''ڈاکٹر آصف محمود جاہ'' ایک پاکستانی مخیر کسٹم آفیسر، میڈیکل ڈاکٹر، سماجی کارکن اور سفر نامہ نگار ہیں۔ انہوں نے اب تک ۲۶ سے زائد کتابیں لکھی اور وہ مختلف اخبارات میں بھی لکھتے ہیں۔ سماجی خدمات ادا کرنے کے لیے انہیں ۲۰۱۵ء میں ستارہ امتیاز اور ہلال امتیاز سے ۲۰۲۱ء میں نوازا گیا ہے۔ ان کی زیادہ تر کتابوں کے نام تین حرفی ہوتی ہیں۔ جیسے اللہ، محمد اور بندہ، اللہ کعبہ اور بندہ، دوا غذا اور شفاء وغیرہ اور سنگاپور سے جاپان اور چڑھتے سورج کے دیس میں ان کے سفر نامے ہیں۔ جس میں جاپان کی سیاحت کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کی گئی ہے۔ یہ سفر نامے بلاشبہ جاپان کے بارے میں قاری کو سہل انداز میں جاپان کی مختلف روایات سے بھی روشناس کرواتے ہیں اور وہاں کی ترقی کے کچھ رازوں سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ جاپان کے رہن سہن، کھانے پینے، جاپانیوں کے اخلاق اور ان کی اچھی عادات وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ ان سفر ناموں میں تصاویر بھی ملتی ہیں، جن میں مختلف مقامات کی یادگاریں شامل ہیں سفر نامے کے آخر میں مختصر طور پر جاپانی معاشرت کو چند نکات کی صورت میں بھی بیان کیا گیا ہے جیسے وقت کی پابندی اور ڈسپلن، جاپانی کیوں سمارٹ ہیں، جاپان کا پراسرار بابا، جاپان میں نماز، جاپان کے لوگوں کا دوسرں کے سامنے جھکنا، جاپانیوں کا اخلاق وغیرہ اور پھر

آخر میں جاپانی زبان کے، روز مرہ بول چال کے کچھ الفاظ بھی شامل کیے کہ اس خوب صورت زبان سے تھوڑی شد بد ہو سکے یا کسی سے جاپانی میں گفتگو کرنا ہو تو مدد ملے۔ آصف عنایت ڈاکٹر آصف محمود کے بارے میں لکھتے ہیں:

ڈاکٹر آصف محمود جاہ ہیں جنہوں نے انسانی خدمات کے حوالے سے سرکاری نوکری میں ہوتے ہوئے اپنے وطن کے دو اعلیٰ ترین اعزازات حاصل کیے۔ ستارۂ امتیاز اور ہلال امتیاز جبکہ فخر پاکستان کا لقب لاکھوں غریبوں، لاچاروں، بیماروں نے دے دیا۔ جہاں بھی انسانیت نے پکارا ڈاکٹر صاحب نے انسانی خدمات کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ بہت سے ایسے شعبوں میں بلا تفریق عام انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کی خدمت کی جن کا ظاہر کرنا بھی مناسب نہیں۔ اسلام آباد اور لاہور میں دو ہسپتال، ملک بھر میں ۴۵ کلینک، ڈینگی اور کرونا وائرس کے ہزاروں مریضوں کا مفت علاج۔ اس کے ساتھ ساتھ سرکاری ذمہ داریوں میں دیانت داری کے ساتھ ان تھک کام کیا۔ واحد سرکاری آفیسر ہیں جو تین مرتبہ صدر پاکستان کے روبرو حلف اور اعزاز کے لیے کھڑے ہوئے لوگوں نے دیکھا اور دعائیں دیں۔[۱۱]

''ضیاءالاسلام انصاری'' صحافی، مترجم، کالم نگار اور سفر نامہ نگار ہیں۔ وہ واحد قومی اخبار جو پاکستان کے چاروں صوبوں سے شائع ہوتا تھا اس کے چیف ایڈیٹر اور چیف ایگزیکٹو تھے اور ساری زندگی اخبار سے وابستہ رہے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۱ء تک ضیاءالاسلام انصاری تک ان کا صحافتی سفر جاری رہا۔ اُن کی تصانیف میں منزل مُراد ، اور چڑھتا سورج اہم ہیں۔ چڑھتا سورج سفر نامہ جاپان میں جاپان کی سیاحت کی روداد بیان کی گئی ہے۔ ضیاءالاسلام انصاری نے سفر نامے کو واقعات کی سچائی اور دلچسپ انداز بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس میں واقعات کو بیان کرتے ہوئے جاپانی تہذیب کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اس سفر نامے کے موضوعات میں استاد کا احترام، روبوٹ سے محبت، ہیروشیما (خیابان و گلزار و باغ آفریدم)، گیا وقت ہاتھ آتا نہیں وغیرہ سر فہرست ہیں۔ اس سفر نامے میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر تباہ شدہ جاپان کی حیرت انگیز ترقی اور خوش حالی کا تفصیلی بیان ہے۔ ڈاکٹر اے آر خالد کتاب چڑھتا سورج میں تبصرہ کرتے ہوئے ضیاءالاسلام انصاری کے متعلق یوں کہتے ہیں:

بے مقصد زندگی کی طرح بے مقصد تحریریں بھی انصاری صاحب کو ناپسند رہیں۔ اس لیے ان کے قلم کی روانی اور الفاظ کے مطالب و معانی ہمیشہ ہم رکاب رہے۔ یہ ان کے وسیع مطالعے، بالغ نظری اور گہرے مشاہدے کا ہی کمال نہ تھا بلکہ معاملات کو ان سے صحیح تناظر میں دیکھتے۔ راست روی اور حقائق کے ادراک پر انہیں جو ملکہ حاصل تھا اس کے سبب نظم ہو یا نثر تحریر ہو یا تقریر، وہ اپنا پیغام دوسروں تک انتہائی مؤثر انداز میں پہنچانے کا ہنر جانتے تھے۔ نہ ان کی شخصیت میں بوریت تھی، نہ وہ اپنے قارئین اور سامعین کو بور کرتے۔[۱۲]

کتاب چڑھتا سورج سفر نامہ جاپان کے متعلق ڈاکٹر نجیبہ عارف تبصرے میں بیان کرتی ہیں:

> اس سفر نامے کے مطالعے نے مجھے کئی حوالے سے چونکایا۔ اس کا اسلوب شگفتگی، بے ساختگی اور ان سب کے باوجود ایک واضح فکری جہت جو بین السطور ساتھ ساتھ چلتی ہے اور کہیں بھی اوجھل نہیں ہوتی، یہ سب باتیں اس کتاب کو سفر نامے کی صنف میں نمایاں مقام دلانے کے لیے کافی ہیں۔[31]

ادیب کسی بھی معاشرے کا عکس ہوتا ہے۔ اور وہ فن پاروں میں جو صحیح عکس ہوتا ہے اُس کی عکاسی کرتا ہے۔ ادیب سچائی کو مورخ سے زیادہ بہتر انداز میں بنا سکتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی عہد کی تاریخ جاننی ہو تو اس عہد کے فن پاروں کو پڑھا جائے۔ افسانے یا ناول، سفر نامے، شاعری، قصے کہانیاں، جذبات کے اظہار یا صرف وقت گزاری کے لیے نہیں ہوتے بلکہ انہی کے ذریعے معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے قومیں دنوں میں یا مہینوں میں نہیں بن جاتی قومیں دنوں یا مہینوں میں نہیں بن جاتیں بلکہ کسی ہجوم کو قوم بنانے اور معاشرے کی تربیت کرنے میں سالوں کی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ اس ریاضت کا اہم کردار ادیب ہوتا ہے۔ جو معاشرے کی تربیت کرتا ہے۔ ادیب معاشرے میں گھوم کر اُسے ہر زاویے سے دیکھتا ہے اور اس کا گہرا مشاہدہ کرتا ہے اسے کے ہر پہلو کے ظاہر اور باطن کی نشاندہی کر کے تصویر سے ایک نیا رخ کشید کر لیتا ہے اور پھر اُس رخ کو معاشرے کے سامنے پیش کرتا ہے وہ معاشرے کی اصل سچائی کو سامنے لا کر رکھتا ہے۔

ادیب کی بہترین مثال سعادت حسن منٹو کی صورت میں ہی دیکھ لیجیے جس میں انہوں نے اپنے افسانے ''نیا قانون'' کے ذریعے معاشرے کو بتایا ہے کہ ایک دیہاڑی دار عام شہری، ایک کوچوان کیسے سوچتا ہے؟ اس کی خوشی اور نفرت کے کیا پیمانے ہیں۔ وہ کس طرح ہر نئی چیز، یا چھوٹی موٹی تبدیلی سے یا نئے قانون سے اپنی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے اسے اپنی سوچ میں ہر جگہ خوشحالی نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے سفر ناموں سے ہمیں نہ صرف جاپان کے عہد کے بارے میں پتہ چلتا ہے بلکہ جاپان اور اس کے شہروں کی، سماجی، تعلیمی سیاسی، ثقافتی، معاشی، تاریخی، جغرافیائی ہر طرح کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ چونکہ منتخب سفر نامے دوسری جنگ عظیم کے بعد لکھے گئے ہیں تو ان منتخب سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان میں ہونے والے تغیرات کا مطالعہ مندرجہ ذیل پہلوؤں سے کیا جائے گا۔

تعلیمی تغیرات کا مطالعہ:

انسانی ترقی کی بنیاد تعلیم ہے۔ یہ تعلیمی شعور ہی ہے جو ہمارے معیار زندگی میں بہتری لاتا ہے۔ ہم نئے نئے علوم سے واقفیت اور ان میں مہارت تعلیم کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں تعلیم نئے ممکنات کا ادراک حاصل

کرنے کی صلاحیت دیتی ہے۔اور یہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے آگاہی اور انہیں نئی شکل دینے کی مہارت عطا کرتی ہے۔ تعلیم سے معاشرتی امور، علمی پیش رفت، اخلاقی اقدار، سماجی تعلقات اور دسترس حاصل ہوتی ہے۔ ہم اپنے اندر موجود تخلیقی اور قدرتی صلاحیتوں کو تعلیم کے ذریعے ہی نکھار سکتے ہیں اور یوں اپنے وقت اور صلاحیتوں کا بہتر استعمال کر سکتے ہیں۔تاہم تعلیم ایک گلوبل خیال ہے۔اس کے علاوہ تعلیم کے طریقوں اور اس کے نظام میں ثقافتی اختلاف بھی فرق پیدا کر سکتا ہے۔ تعلیم رسمی اور غیر رسمی دونوں انداز میں دی جاسکتی ہے۔ کسی بھی ملک کا نظام تعلیم اُس ملک کے مستقبل کی بنیاد مہیا کرتا ہے۔اگر کسی ملک کا تعلیمی نظام نئی تخلیقی سوچ، اعلیٰ اخلاقی اقدار، اور نئے تجربات کی اہلیت آنے والی نسل میں پیدا کرے گا تو اُس ملک کی حیثیت بدل جائے گی۔اور وہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

بے شمار تعلیمی نظام دنیا میں مروج ہیں جو اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق زیورِ تعلیم سے نسل انسانی کو مزین کرنے میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ لیکن اِن سب سے الگ جاپانی نظام تعلیم ہے جو ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ تعلیم جاپانی معاشرے کی بنیاد ہے۔امریکہ اور برطانوی نظام تعلیم سے کبھی جاپانی نظام تعلیم متاثر نہیں ہوا۔اس نے ایک الگ اور مکمل نظام تعلیم متعارف کروایا ہے۔اس نظام کے بنیادی مقاصد کردار و عمل اور علم و شعور کی برتری ہے۔جاپانی نظام تعلیم میں مقابلے کی بنیاد نظر نہیں آتی۔دنیا میں ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دو قسم کے ملک ہیں۔ان اقسام میں بنیادی فرق کی وجہ نظام تعلیم ہے۔ جاپان کا نظام تعلیم باقی تمام ممالک سے مختلف اور سرفہرست ہے۔۱۸۶۸ء میں ''تعلیم سب کے لیے'' جاپان نے آغاز کیا۔جاپان کے وزیر تعلیم آری موری نوری نے ۱۸۸۵ء میں کہا تھا: ''جاپان میں تعلیم کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ ایسے افراد کی کھیپ تیار کی جائے جو فنون اور سائنس کی تکنیکوں سے بہرہ ور ہو بلکہ اس کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو ریاست کو درکار ہوں'' [۱۴]

دراصل یہ بیان اس دستور کی دلیل ہے جس پر مغربی اجزا اور عناصر کے حامل متعدد ایشیائی ممالک جن میں جاپان، کوریا، سنگاپور میں تعلیم رائج ہے۔کینزابرو اوی جاپانی لکھاری نے جاپان کے آغاز کا دلچسپ انداز میں ذکر کیا ہے۔:''ہم مغربی ثقافت میں گردن تک ڈوبے ہوئے ہیں لیکن ہم نے ایک چھوٹا بیج بویا تھا اور جس طرح بیج کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اور وہ پھلتا پھولتا ہے تو ہم نے بھی اپنے آپ کی از سر نو تخلیق کی ہے۔ [۱۵]

جاپان کی تہذیب کی کامیابی کے شاید کچھ مغربی پہلو ہوں مگر اس کی بنیاد جاپانی ہے۔اور یہ جاپان کی اپنی بنائی ہوئی حکمت عملی کے ذریعے ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اس تہذیب نے متاثر کرنے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے۔ایشیا کے ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم کردار سازی پر قائم ہے۔اور ان میں جاپان پہلے نمبر ہے۔ جاپان نے دوسری جنگ عظیم میں ناکامی اور تباہی پر جلد قابو پا لیا اور جن سے شکست کھائی انہی کا اثر قبول کیا اور واپس اپنے پاؤں پر کھڑا ہو

گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی جاپان نے ''تعلیم سب کے لیے ناگزیز''کا منشور بنایا جس کی بنیاد پر اس نے اپنے ورثے کو تعلیم سے ہم آہنگ کیا جس کا نتیجہ بہت زیادہ آمدن کی صورت میں جاپانیوں کو ملا۔

دوسری جنگ عظیم سے پہلے کا جاپان جنگ کے بعد کے جاپان سے مختلف ہے۔ اگرچہ ہزاروں سال پُرانی جاپان کی ثقافت ہے لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان نے اپنی توجہ عسکری شعبہ سے ہٹا کر پُرامن جدوجہد کی جانب مائل کی۔ اس لیے جدید جاپان میں ابتدائی تعلیم کے دوران سکولوں میں جاپانی ثقافت اور اخلاقیات سکھائی جاتی ہے اور پھر یہی اصول زندگی بھر ساتھ چلتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حساب، جغرافیہ اور سائنس کے دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کی طرف توجہ دی جاتی ہے۔

کھیل کو بھی تعلیم کے ساتھ لازمی سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ کھیل کے ذریعے ایک مقصد کا متعین کرنا اور پھر اس کے لیے کوشش کرنا اور اس کوشش کے نتیجے میں کامیابی یا ناکامی کا سامنا اور اس کے بعد پیش آنے والے مراحل کو سیکھنے کے لیے کھیل کا میدان ایک بہترین جگہ ہے۔ پھر طلبہ ہائی سکول مکمل کرنے کے بعد ٹیکنکل ٹریننگ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا دوسرے سماجی علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی میں جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے طلبہ جاپان کے صنعتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب کہ دوسری قسم جاپان کے صنعتی نظام کو جدید سے جدید تر بنانے میں لگ جاتی ہے۔ کھیل میں تعلیم دینے کے حوالے سے ڈاکٹر آصف محمود جاہ سفر نامہ سنگا پور سے جاپان میں کہتے ہیں:

> ٹوکیو کے باہر فیوجی کنڈر گارٹن خاص طور پر بچوں کے لیے ایک جادوئی ماحول کی طرح بنایا گیا ہے، جہاں کھیل کھیل میں تعلیم کے تمام انتظامات کیے گئے اور اسے دنیا کے بہترین جادوئی کنڈر گارٹن کا درجہ حاصل ہے۔ انڈے کی ساخت جیسی سکول کی چھت کا ڈیزائن ٹوکیو کی فرم Tezuka آرکیٹیکٹس کی طرف سے بنایا گیا ہے، جہاں کھیل کا لامتناہی میدان ہے اور کلاس روم کے بیچوں بیچ درخت لگے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں تاکاہارو تیزوکا کہتے ہیں بچے کو بچہ رہنے دیں اور ایک بچے کی طرح سوچیں۔[۱۶]

کنڈر گارٹن میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے کہ بچوں کو باقاعدہ کسی سختی میں نہ ڈالا جائے۔ یہ ادارے اس حیثیت کے طور پر قائم ہوئے ہیں کہ اُستاد کی محبت اور شفقت میں چھوٹے چھوٹے طلبہ اپنا وقت خوش ہو کر گزاریں۔ ان طلبہ کو جب کوئی کھیل یا گیت سکھایا جاتا ہے تو اس میں احتیاط کی جاتی ہے۔ ان کا مقصد ہے کہ قومی تعلیم کے ابتدائی اصول، اخلاقی اصول اور وہ قابلیت اور علم جو زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے اِن چھوٹے بچوں کی طبیعت میں نقش ہو جائے۔ اور اس بات کی بھی احتیاط کی جائے کہ چھوٹے بچوں کی جسمانی صحت برابر ترقی

کرے۔ بچوں کی تعلیم کے بارے میں ہی آگے ڈاکٹر آصف محمود جاء اپنی کتاب چڑھتے سورج کے دیس میں لکھتے ہیں:

> جاپان میں بچوں کو سکولوں میں شروع میں اعلیٰ اخلاق سکھائے جاتے ہیں۔ابتدائی سکولوں میں تعلیم کی بجائے تربیت پر زور دیا جاتا ہے۔ بچوں کی اچھی طرح گرومنگ کی جاتی ہے تا کہ جاپانی روایات اور اخلاق کے مطابق ان کی تربیت ہو اور بڑے ہو کر وہ ایک پر اعتماد شہری بن کر اپنے ملک کی خدمت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ اسی وجہ سے جاپانی بچے ابتدائی سے بڑے بااخلاق، مؤدب اور پُر اعتبار ہوتے ہیں۔ [۱۷]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپان کا تعلیمی نظام منفرد اور نمایاں خصوصیات کا حامل ہے۔ تین سال تک جاپان کے سکولوں میں روایتی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ اس عرصے میں بچوں کی کردار سازی پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔اور ان کو اخلاقی اصول سکھائے جاتے ہیں۔اپنے بڑوں کی عزت کرنا۔ چھوٹوں سے پیار سے پیش آنا، جانوروں پر رحم، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کے آداب اور دیگر معاشرتی اقدار کی پاسداری سکھائی جاتی ہے۔ابتدائی تعلیم کے متعلق ضیاء السلام انصاری اپنے سفر نامہ چڑھتا سورج میں لکھتے ہیں:

> جاپان کے بچے بجائے خود ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔دو ڈھائی سال کی عمر سے بڑوں کو جھک کر سلام کرنے کی رسم سیکھنے والے یہ بچے شاندار مستقبل کی تعمیر کا جذبہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ان کے لیے معاشرے نے سو فیصد تعلیم کی سہولتوں کا اہتمام کر رکھا ہے۔ پانچ سال کی عمر میں بلکہ اس سے پہلے ہی وہ جب سکول جانا شروع کرتے ہیں تو ان کے ماں باپ انگلی پکڑ کر انہیں نہیں چلاتے۔ وہ بچوں کو آگے چلنے کا موقع دیتے اور خود ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ [۱۸]

جاپان میں تعلیم سے پہلے تہذیب کے رجحان پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ جاپان کی تعلیم کا سفر دیگر ممالک کی نسبت بعد میں شروع ہوا تھا مگر اس نے تعلیمی میدان میں دوسرے ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان نے تعلیم پر زیادہ توجہ دی۔اس سلسلے میں ''عزیز ملک'' اپنے کالم ''سفر جاپان۔ محنت، دیانت اور تہذیب کی منفرد مثال'' میں لکھتے ہیں کہ:

> دوسری جنگ عظیم ۱۹۴۵ء ہیں امریکہ نے جنگ کے دوران ہیروشیما اور ناگاساکی میں بم گرائے اور لاکھوں لوگ لمحوں میں موت کا شکار ہوئے اس جنگ کے بعد جاپانی حکمران جماعت نے فیصلہ کیا کہ اب ہم نے کسی سے نہیں لڑنا اور صرف تعلیمی ترقی پر توجہ دینی ہے یہی وجہ ہے کہ جاپانیوں نے محنت، دیانت، سچائی سے انقلاب برپا کر دیا ہے۔ [۱۹]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان نے اپنے ملک کی ترقی ہتھیار سے نہیں قلم کے زور پر کی ہے۔ جاپان نے دوسری جنگ عظیم میں ہولناک تباہی اور عبرت ناک شکست کے بعد دوسری اقوام کے نظام تعلیم کی خوبیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بے مثال ترقی کی۔ جاپان میں تعلیم کو عام اور ملک کو ترقی دینے کے لیے پالیسی بنائی گئی۔ جس کے مطابق ابتدائی تعلیم سے کر یونیورسٹی تک تعلیم مفت مہیا کی جاتی ہے۔اور پھر تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوجوانوں کو روزگار بھی فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ابتدائی تعلیم کے متعلق'' ضیاءالسلام انصاری'' چڑھتا سورج میں لکھتے ہیں:

> جاپان میں ابتدائی تعلیم عام ہوئی اور جب ہر شخص کو ابتدائی تعلیم میسر ہو جائے تو پھر کوئی بھی تعلیم سے محروم رہنا نہیں چاہتا اور نہ آگے مزید پڑھنے کا سلسلہ ترک کرتا ہے۔ یہ تھا وہ تقسیم کا اصول جس کے ذریعہ جاپان کو تعلیم کی دولت ملی اور پھر سو سال کے اندر پوری جاپانی قوم اس قابل ہو گئی کہ علم کی ٹھوس بنیادوں پر صنعت و حرفت تجارت، اصول جنگ اور سامانِ حرب و ضرب اور سائنس کی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام بنا سکے۔ [۲۰]

جاپان ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں قدرتی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں مگر اس کے باوجود جاپان نے جو زبردست معاشی ترقی کی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ اعلیٰ تعلیم کا معیار ہے۔اسی وجہ سے جاپان کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں ہوتا ہے جہاں ہر بچہ اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوتا ہے اور اسکول جاتا ہے اور پڑھنا لکھنا بھی جانتا ہے۔ جاپان کے زیادہ پڑھنے لکھنے کے حوالے سے ''مجتبیٰ حسین'' اپنے سفر نامہ جاپان چلو جاپان چلو میں یوں بیان کرتے ہیں:

> سارے ایشیا میں جاپانی سب سے زیادہ پڑھا کو قوم ہے اور دنیا بھر میں ان کے اشاعتی کاروبار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم نے محسوس کیا کہ جاپانی یا تو لکھتا ہے یا پڑھتا ہے باتیں کم کرتا ہے۔ جہاں جائیے لوگ کتابیں خریدنے اور پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ٹوکیو میں ایک محلہ ہے کندا جو شہنشاہ جاپان کے محل سے متصل ہے۔اس میں ہر طرف کتابیں فروخت ہوتی ہیں۔ کتابوں کی اتنی بڑی دکانیں ہم نے کہیں نہیں دیکھیں۔ ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں بھی کتابوں کی فروخت کا انتظام موجود ہے۔ [۲۱]

جاپان میں سب سے زیادہ کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ جاپانی نئے نئے علوم سیکھنے کے لیے پیش پیش رہتے ہیں۔ جاپانیوں کے بہت زیادہ کتابیں پڑھنے کے بارے میں '' مجتبیٰ حسین'' اپنے سفر نامہ میں مزید لکھتے ہیں:

> جاپانی لوگ ٹرین میں سفر کرتے وقت مون برت " رکھ لیتے ہیں۔ پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ ٹرین آتی ہے تو کتاب میں انگلی رکھ کر ٹرین میں گھس جاتے ہیں اور سیٹ

پر بیٹھتے ہی پھر کتاب کھول کر پڑھنے میں لگ جاتے ہیں۔ ہمیں اکثر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی لائبریری میں بیٹھے ہیں اور لائبریری کے نیچے پہیے لگا دیئے گئے ہیں۔ جاپانی یا تو پڑھتے ہیں یا لکھتے ہیں۔ بات بہت کم کرتے ہیں۔ [۲۳]

اسی حوالے سے ''عامر بن علی'' اپنے سفر نامہ آج کا جاپان میں یوں رقم طراز ہیں کہ:'' کتاب یہاں کی روز مرہ زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ کسی بھی ٹرین یا بس میں سوار ہو جائیں، ہر دوسرے چوتھے آدمی کے ہاتھ میں کتاب نظر آئے گی۔ [۲۴]

جاپان کی کامیابی کا راز تین نکات پر مشتمل ہے۔ پہلا تعلیم کا مقصد کردار سازی ہے۔ دوسرا تعمیری شعبوں میں تعلیم و تخلیق ہو اور تیسرا نکتہ یہ کہ مل جُل کر تعلیم، جس سے طلبہ ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں اور اساتذہ کے درمیان کم فاصلہ ہو تا کہ طلبہ بنا کسی خوف کہ اپنے استاد سے گفتگو کر سکیں۔ اس بارے میں چڑھتا سورج میں'' ضیاء السلام انصاری'' ایزرا ودگل کی کتاب جاپان نمبرون کا اقتباس لکھتے ہیں جس کے مطابق:

جاپان کی ترقی کے راز بے شمار ہیں کیونکہ جس چیز پر لوگوں کی نظر نہیں جاتی وہ ہے جاپان کا معلومات حاصل کرنے تحقیق کرنے اور پھر معلومات کو آگے بڑھانے کا نظام۔ تمام سرکاری، نیم سرکاری ادارے تعلیمی ادارے اور افراد دن رات اسی کام میں مصروف ہیں۔ معلومات حاصل کرنے کے لیے جاپان والے باہر کی طرف بھی دیکھتے ہیں لیکن عالم یہ ہے کہ ہر جاپانی یہ سوچتا رہتا ہے کہ باہر سے اگر کوئی آدمی میرے ملک میں آیا ہے تو میں اس سے کیا سیکھ سکتا ہوں۔ اور کوئی تیس لاکھ جاپانی جو ملک سے باہر گھومتے پھرتے رہتے ہیں، دوسرے کام کاج کے علاوہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کیا نئی بات سیکھ کر واپس جائیں۔ [۲۵]

دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانی تعلیمی نظام کی اصلاح کی گئی اور اُس کو پُرانے نظام سے بدل کر نیا نظام تشکیل دیا۔ اس لیے جاپان کا تعلیمی نظام دوسری ممالک سے بہت منفرد ہے۔ جاپانی ہر وقت کچھ نیا سیکھنے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ ہر وقت بس پڑھتے رہتے ہیں۔ نو سال تک ہر جاپانی بچے کو لازمی تعلیم حاصل کرنی ہوتی ہے۔ ان میں سے ابتدائی تعلیم کے چھ سال اور جونئیر ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے تین سال ہوتے ہیں۔ ہائی سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یونیورسٹی کی تعلیم ہوتی ہے۔ جاپان میں یونیورسٹیوں کی تعداد ۴۲۰ سے زیادہ ہے۔ سرکاری اسکول کی تعداد ۹۵، اور پرائیوٹ اعلیٰ تعلیمی اداروں کی تعداد ۳۴ ہے۔ یہاں ہر کوئی علم اور کچھ نیا سیکھنے میں لگا رہتا ہے۔ جاپان کے تعلیمی نظام کے بارے میں سعید سیاح جاپان میں حکیم محمد سعید یوں بیان کرتے ہیں:

نونہالو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھا کو بچے جاپان کے ہیں۔ تقریباً سب ہی بچے اسکول میں با قاعدہ تعلیم کے علاوہ پرائیویٹ ٹیوٹرن اسکولوں میں بھی پڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یونی ورسٹی میں

> داخلے کا امتحان بہت سخت ہوتا ہے اور اس کے لیے طالب علموں کو مسلسل تیاری کرنا پڑتی ہے۔ جاپانی معاشرے میں تعلیمی قابلیت کو ہمیشہ سے بہت اہمیت دی جاتی ہے اور عالم کی بہت زیادہ قدر کی جاتی ہے۔[۲۶]

دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان نے اپنے ملک کو ترقی دینے کے لیے تعلیم پر زور دیا ہے۔اور تعلیم کے ذریعے دوبارہ اپنے ملک کو اپنے قدموں پر دوسری اقوام کے برابر کیا اور ترقی میں باقی اقوام کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جاپان نے اپنی تہذیب اور زبان کے زور پر اتنی ترقی کی ہے۔ان کی ترقی کی ایک وجہ تعلیم کو اپنی زبان میں حاصل کرنا ہے۔ جاپانیوں نے اپنی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کو ضروری سمجھا باقی زبانوں یہاں تک کہ انگریزی کو بھی اہمیت نہیں دی۔ جاوید دانش اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

> مجھے یاد آیا کہ کچھ جاپانی ادب وڈرامے کی کتابیں خرید نیمیں جنھیں میں پچھلے دو ہفتوں سے ڈھونڈ رہا تھا مگر ہر گلی میں کتب فروش ہونے کے باوجود انگلش کتابیں عنقا تھیں۔ جاپانی واقعی خود کفیل ہیں۔انھیں انگریزی بیسا کھی کی ضرورت قطعی نہیں۔ان لوگوں نے دنیا کے بیشتر ادب کا جاپانی میں ترجمہ کر ڈالا ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ جب تک کوئی مغرب کا نقاد یا ناشر ویسی کتابوں کی تعریف نہ کردے اس کی اہمیت نہیں ہوتی۔[۲۷]

مصنف کے بقول جاپانی اپنی زبان کو اہمیت دیتے ہیں اور اُسی میں تعلیم حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ انہوں انگریزی کو اپنی کمزوری نہیں سمجھا بلکہ اُس کا جاپانی میں ترجمہ کر کے اُن کے علوم سے واقفیت حاصل کی ہے۔ جاپانی بڑے ملنسار اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔اتنا علم ہونے کے باوجود انتہائی عاجزی سے پیش آتے ہیں۔

> قراۃالعین حیدر اپنی کتاب ستمبر کا چاند میں لکھتی ہیں: واقعی ہر پڑھے لکھے جاپانی نے سارا مغربی ادب گھول کر پی رکھا ہے۔ تین تین یورپین زبانیں جانتا ہے مگر انکسار کا یہ عالم کہ بس بچھے جا رہے ہیں۔[۲۸]

دوسری زبانوں کے ادب کو اپنی زبان میں کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ تعلیم میں کسی سے پیچھے نہ رہیں اور اُن سے کچھ نیا سیکھ سکیں تا کہ اپنے ملک کو اور ترقی دی سکیں۔ ''ڈاکٹر آصف محمود جاء'' بھی جاپانیوں کی اس عادت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> جاپان کے ہر شہر میں کتابوں اور رسالوں کی بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ ہر بک سٹال پر لاتعداد لوگ، جن میں ہر عمر و جنس کے لوگ شامل ہوتے ہیں، کتابوں کی ورق گردانی کرتے نظر آئیں گے۔ بعض اوقات تو بک سٹال پر لائبریری کا گمان ہوتا ہے۔ سو فیصد کتابیں آپ کو جاپانی زبان میں ملیں گی۔ان لوگوں کی یہ بات بہت پسند آئی کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانیوں نے جب پے در

پے حملوں کے بعد اپنے آپ کو سنبھالا دیا تو دھڑا دھڑ سارے علوم کو اپنی زبان میں منتقل کر لیا تا کہ وہ علوم میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ اسی وجہ سے آج ہر فیلڈ میں ایسی لاجواب اور بے مثال ترقی کی ہے کہ دنیا کے اکثر ترقی یافتہ ممالک بھی جاپان کے سامنے بونے نظر آتے ہیں۔ جتنے سینئر افسران سے ہماری ملاقات ہوئی ان میں سے اکثر انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے تھے مگر آج کل نوجوان طبقے میں انگریزی سیکھنے کا رجحان ذرا بڑھ رہا ہے۔ [۲۹]

جاپان میں تعلیم لازمی جز سمجھا جاتا ہے تعلیم ہی جاپان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائی ہے۔ جاپانی اتنے محبت اور اخلاق والے ہوتے ہیں کہ جتنا مرضی نقصان ہو جائے اخلاق کا دامن نہیں چھوڑتے۔ اتنے علم کے باوجود عاجزی ان کے اندر ہوتی ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے کوئی عار نہیں محسوس کرتے۔ جہاں سے علم حاصل ہو لازمی حاصل کرتے ہیں۔ جاپان نے جدید نظام متعارف کروانے کی کوشش کی۔ جاپان کا نظام تعلیم فن لینڈ کے بعد دنیا کا بہترین نظام تعلیم ہے۔ اور جاپان کے تعلیمی ادارے بھی باقی دنیا کے اداروں سے آگے ہیں اس کی وجہ وہاں کے اصول ہیں۔ جو جاپان نے رائج کیے ہیں۔ جس کے مطابق جاپان میں والدین اپنی مرضی کا اسکول اپنے بچّوں کے لیے منتخب نہیں کر سکتے جب بچّے کی عمر چھ سال ہوتی ہے تو بلدیہ کی طرف بذریعہ ڈاک اطلاع دی جاتی ہے کہ اُس اسکول میں بچے کا داخلہ کرائے۔ گھر کے نزدیک جو اسکول ہوتا ہے بلدیہ خود اس میں داخلہ کرواتی ہے۔

جاپان میں نو سال تک تعلیم حاصل کرنا قانونی طور پر لازمی ہے اس کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔ مگر اس کی خلاف ورزی نہیں کی جاتی۔ جاپان میں کوئی ایسا انسان موجود نہیں جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو۔ سارے بچے پیدل اسکول جاتے ہیں۔ انھیں اپنے کام خود کرنے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ اس حوالے سے ابوسفیان لکھتے ہیں کہ: "جاپانی سکولوں میں طلباء صفائی خود کرتے ہیں۔ طلباء وطالبات میں بلاامتیاز مل جل کر کام کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ طریقہ کار انکی عملی زندگی میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔" [۳۰] ڈاکٹر ضیاء السلام انصاری بیان کرتے ہیں:

جاپانی بچے کو سکول میں پڑھنے لکھنے کے علاوہ کمپیوٹر کے استعمال کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور اسے اپنے جسم، اپنے لباس، اپنی ڈیسک، اپنی کلاس اور اپنے سکول کے کمپاؤنڈ کو صاف ستھرا رکھنے کی ذمہ داری کا احساس بھی دلایا جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ حسن اور صفائی کو اپنے مزاج میں شامل کر کے شعور کی منزل میں قدم رکھتا ہے۔ [۳۱]

جاپان کے اسکولوں میں بچّوں کو صفائی کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اپنے ارد گرد کے ماحول کو صاف سُتھرا رکھنا بچّوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ کام اسکول انتظامیہ بچّوں میں بانٹتی ہے جس کو جو کام دیا جاتا ہے وہ اپنا کام خود کرتا ہے۔ اس کام

کا مقصد بچّوں میں صفائی کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور بچّوں میں اپنے کام خود کرنے کی عادت ڈالنا نیز دوسروں کے کام کی عزّت کرنا۔ اس بارے میں ڈاکٹر ضیاء السلام انصاری مزید لکھتے ہیں:

> ہائی سکول کے بچوں کو مستقبل میں اپنا مشغلہ اور کیریئر پسند کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ نواوٹانی ہوٹل میں ایک روز ہم نے دیکھا کہ ہوٹل کے برآمدوں اور لاؤنج میں کوئی ڈھائی تین سو بچے، بارہ سال سے سولہ سال تک عمر کے اس طرح گھوم رہے ہیں جیسے انہوں نے ہوٹل پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا ہو، پھر انہیں نے تقریبات کے مختلف ہال اور دعوتوں کے لیے مخصوص لاؤنج میں جاتے دیکھا اور معلوم ہوا کہ یہ کئی سکولوں کے بچے ہیں جنہیں یہاں چند گھنٹے کے لیے ہوٹل میں کام کرنے کی تربیت کے لیے لایا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے کیریئر کے سلسلے میں ہوٹل سروس کا انتخاب کر رکھا ہے۔ اس طرح کی تربیت ان کو سکول سے فارغ ہونے تک مختلف وقفوں سے دی جاتی رہے گی۔ [۳۲]

مصنف کے موقف کے مطابق جاپان کا تعلیمی نظام بہت مختلف ہے جو کہ ایک ترقی یافتہ ملک کی نشانی ہے۔ اس طرح کی تعلیم سے نہ صرف بچّوں کا مستقبل روشن ہوتا بلکہ وہ ملک بھی ترقی کرتا جس ملک کی تعلیم ایسی ہوگئی اس ملک میں نوجوان بھی صلاحیت سے بھرپور ہونگے اور ملک کو ترقی دینے کے لیے ہر وقت محنت اور لگن سے کام کریں گے۔ اسی طرح مزید تعلیمی اداروں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مزید معلومات جمع کرنے پر معلوم ہوا کہ سکولوں اور کالجوں کے بچوں اور طلبہ وطالبات کو اس طرح ان کے پسندیدہ کیریئر کے لحاظ سے کارخانوں، فیکٹریوں اور دوسرے اداروں میں عملی تربیت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ کالجوں کے طلبہ اور طالبات تو باقاعدہ جز وقتی کارکن کے طور پر ہفتہ میں ایک یا دو روز تین چار گھنٹوں کے لیے مختلف اداروں کے ساتھ کام کرتے ہیں اور اس قسم کی تربیت کے لیے ان کے نظام الاوقات میں خاص پیریڈ رکھے جاتے ہیں۔ [۳۳]

اس سفر نامہ کے اقتباس سے علم ہوتا ہے کہ جاپان میں اسکولوں کی تعلیم و تربیت سخت اصولوں پر کی جاتی ہے۔ اس طرح کی سرگرمیوں میں طلباء دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کی تعلیمی کارکردگی بہتر ہوتی ہے اور وہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا انتخاب کرتے ہیں۔ اس کا یہ فائدہ ہوتا کہ اپنی مرضی سے جس کام کا انتخاب کیا جائے اُس کو پھر دلجمعی سے انجام دیا جاتا ہے اس کام سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو جاپانی نظام تعلیم کو باقی دنیا کے نظام تعلیم سے نمایاں اور منفرد بناتی ہے۔ اس نظام کا بنیادی مقصد افراد کا تیار کرنا جو اپنے اعمال وافعال کے ساتھ اپنے کردار اور گفتار میں بھی مثال ہو۔ امریکی مصنف پیٹرک اسمتھ (۱۹۲۷ء-۲۰۱۴ء) نے اپنی کتاب جاپان ، ایک نئی تفہیم'' میں جاپانی اسکولوں کے بارے میں اپنے تجربات اور مشاہدات کرتے ہوے لکھتے ہیں:

میں جس اسکول میں بھی گیا، وہاں سیکھنے کے لبرل اصول پر ہی عمل کیا جارہا تھا۔ منامی مڈل اسکول چلانے والے توشیو محیما کا کہنا ہے کہ " سچائی فقط سائنسی حقیقت نہیں ہے۔ اس کا مشاہدہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی روزمرہ کی زندگی میں سچائی تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ طلبہ فطرت میں مسائل تلاش کریں اور انھیں حل کریں"۔ پچاس کے پیٹے میں ایک خوش باش جاپانیو حسونو نے مجھے اسکائی ایلیمینٹری اسکول میں بتایا کہ " میری ذمے داری طلبہ کو ایسے بالغ افراد میں ڈھالنا ہے جو قوم کی مدد کر سکیں۔ میرا ابنیادی اصول یہ ہے کہ ہر کوئی شخص کوئی نہ کوئی کردار ادا کر سکتا ہے۔[۳۴]

الغرض دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے تعلیمی نظام میں تبدیلی سے ہی جاپان نے ترقی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاپانی اپنے بچوں کو انجینئر، ڈاکٹر، سائنسدان اور سرمایہ دار بنانے سے زیادہ باکردار اور باشعور بنانے کے لیے ہر دم کوشش کرتے ہیں۔ اور اُن کو اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ محبت اور تعلق قائم کرنا سکھاتے ہیں۔ اب ہم جاپان کی ثقافتی تبدیلوں کا مطالعہ منتخب سفر ناموں کے کی مدد سے کریں گئے۔

منتخب سفر ناموں میں ثقافتی تغیرات کا مطالعہ:

ثقافت کسی علاقے کے علوم و فنون کی عکاس ہے۔ اپنی زندگی میں ہم صبح و شام، دن و رات اپنے رہن سہن، رویوں، عادات میں اپنی تہذیب و ثقافت کو بیسوں مرتبہ دوہراتے ہیں۔ مگر زیادہ تر ہم یہ لاشعوری طور پر کرتے ہیں۔ ہماری تمام اخلاقی اقدار اور ہمارا اندازِ گفتگو، اٹھنا بیٹھنا، عادات غرض ہر چیز میں ہی ثقافت کا اختیار ہے۔ قائدا عظم نے بھی الگ ملک کے لیے یہ وجہ پیش کی تھی کہ مسلم قوم مذہب کے علاوہ ثقافتی اعتبار سے بھی الگ ہے۔ انہوں ہندوٗ اور مسلم ثقافت کو مختلف حقیقتوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ اسی لیے ایک موقع پر قائدا عظم نے فرمایا:

اسلام کے قومی تصور اور ہندو دھرم کے سماجی طور طریقوں کے باہمی اختلاف کو محض وہم و گمان بنانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانا ہے۔ ایک ہزار سال سے ہندوؤں کو تہذیب اور مسلمانوں کی تہذیب ایک دوسرے سے دوچار ہیں۔ یہ دونوں تو میں آپس میں میل جول رکھتی چلی آئی ہیں کہ ان کے اختلافات اس شدت سے موجود ہیں۔[۳۵]

روزمرہ کی زندگی میں ثقافت میں رسم ورواج کی پاس داری اور روایتی معیار کی پابندی کی جاتی ہے۔ تہذیب وثقافت میں فنون ہنر، عقائد و نظریات اور رسم ورواج وغیرہ شامل ہیں۔ دراصل ثقافت عربی زبان سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا مادہ ثقف ہے۔ ثقافت کا دوسرا اہم معنی لفظ جو مانا جاتا ہے۔ وہ تہذیب ہے۔ جمیل جالبی نے ثقافت کی تعریف اپنی کتاب پاکستانی کلچر میں یوں کی ہے: "ثقافت" بھی عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ " ثقف " ہے۔ "لسان

العرب" میں ثقافت کے معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ علوم وفنون وادبیات پر قدرت ومہارت کسی چیز کو تیزی سے سمجھ لینا اور اس میں مہارت کرنا، سیدھا کرنا۔[۳۶]

ثقافت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی فن کا ماہر ہونا اور اس کے عمل اور طریقے سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔اس کا بیان ثقافت کہلاتا ہے۔یہی مفہوم ثقافت کے بارے میں جمیل جالبی نے دیا ہے کہ کسی چیز کو سمجھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا اور اس کو صحیح طور پر بیان کرنا ثقافت کہلاتا ہے۔ثقافت کی تعریف نظیر صدیقی نے یوں کی ہے:

> ثقافت سے مراد پورا طریقہ زندگی ہے۔یعنی ثقافت اس کل کا نام ہے جس میں مذہب اور عقائد ،علوم اور اخلاقیات ،معاملات اور معاشرت ،فنون و ہنر اور رسوم و رواج سبھی شامل ہیں ۔دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ ثقافت کسی قوم کے ان تمام اصول واقدار ،عقائد وضوابط اور اعمال واطوار کے مجموعے کا نام ہے جس سے کسی قوم کی امتیازی خصوصیات عبارت ہوتی ہیں۔[۳۷]

انسانی زندگی کے ہونے والے تمام معاملات زندگی کو ثقافت نے اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔چاہے وہ انسان کی معاشرتی زندگی ہو یا ذاتی زندگی ہو یہاں ہمیں ثقافت کے مظاہر ہر سمت نظر آتے ہیں۔ثقافت میں اعتقادی اور مذہبی امور کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔یہ کسی بھی خطے کے رہنے والوں کے علوم وفنون، معاملات، رسم ورواج اور معاشرت کو بہتر کر سکتی ہے۔اور یہ سب ثقافتی عناصر ہیں۔ثقافت کی تعریف انگریز مصنفین نے بھی بیان کی ہے ای،بی ٹیلر نے اپنی کتاب Primitive Cultur میں لکھا ہے۔:"ثقافت ،علوم وفنون۔عقائد ورسوم ،اخلاقیات ، قوانین ،عادات واطوار سے مملو وہ اسلوبِ حیات جس کا اکتساب انسان معاشرے کے فرد کی حیثیت سے رکھتا ہے۔[۳۸]

انگریز مصنفین نے ثقافت کو علوم وفنون، رسوم وروایات، معاشرتی رہن سہن، مذہبی رسومات کا مجموعہ قرار دیا ہے۔دراصل ثقافت معاشرے اور خاص ماحول کی پیداوار ہے۔یہ جبلی یا نسلی طور پر کوئی انسان حاصل نہیں کر سکتا بلکہ ماحول سے ہی سیکھی جاتی ہے۔یہ بظاہر نظر نہیں آتی مگر ہو بہو قبول کرتے ہیں۔یہ ہمارے ماحول اور ماحول میں موجود کرداروں اور رہن سہن میں بھی نظر آتی ہے۔ثقافت کی وضاحت سید امجد علی نے اپنے مضمون میں اس طرح کی ہے:

> کسی ملک کی ثقافت کو جاننا، حقیقتاً اس کے عوام کو جاننا ہوتا ہے جس وقت ہم ان لوگوں کو اپنے روزمرہ کاموں میں مصروف دیکھتے ہیں تو وہ ہمارے لیے کاموں کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہیں

رکھتے، مگر وہ جب کسی لمحے ہنستے، روتے، خوش یا ناراض ہوتے نظر آتے ہیں تو ہمیں اسی لمحے ان کی روح کی ایک جھلک حاصل ہو جاتی ہے۔[۹]

کسی بھی علاقے یا خطے کا ثقافتی ورثہ وہاں کے رہنے والوں کی زندگی پر مشتمل ہوتا ہے جو انہوں نے کئی وقتوں کے گزر جانے کے بعد سیکھا ہوتا ہے۔ اور پھر اس کو کئی وقتوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی زندگیوں میں شامل کیا ہوتا ہے۔ ان میں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سے لے کر زندگی کے تمام اخلاقی تقاضے شامل ہیں۔ ہر شے جو معاشرے میں موجود ہے ثقافت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ثقافت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر فرحان فتح پوری لکھتے ہیں کہ:

> متمدن زندگی میں جسے کسی قوم یا ملت ثقافت کہا جاتا ہے۔ وہ اس قوم کی علمی، فکری، تخلیقی، تخیلی، تاریخی، اخلاقی، مذہبی اور ذہنی و روحانی ترقیات و فتوحات کا نچوڑ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح فرانسیسی ماہر ارضیات کلاڈ لیوی اسٹراس نے (۱۹۰۸ء-۱۹۵۵ء) میں ثقافت کے درمیان تعلق کے حوالے لکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں: " ایک کلچر کا دوسرے سے جتنا زیادہ ابلاغ کم ہوگا، اتنے ہی ان میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے اور ایک دوسرے کو آلودہ کرنے کے امکانات کم ہوں گے۔ دوسری جانب دوسری ثقافتوں کے تنوع اور خوبیوں کو دریافت کرنے کے امکانات بھی کم ہو جائیں گے۔ یہ ایک ایسا قضیہ ہے جس کا کوئی حل نہیں ہے۔[۱۰]

الغرض ثقافت اصل میں انسانی طرزِ زندگی یا رہن سہن ہے جو کسی علاقے یا خطے میں رہنے والے انسانوں کے گروہوں، قبیلوں میں نافذ ہوتی ہے۔ اس میں عبادات کے طریقے، اخلاقیات، شادی بیاہ، رسم و رواج، فنون، ادب اور خوشی غمی کی رسمیں وغیرہ جیسے تمام عناصر شامل ہیں۔ اصل میں ان عناصر کا مقصد ایک گروہ میں رہنے والے تمام لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے رکھنا اور ثقافتی سرمائے کو نسلوں میں منتقل کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح جاپان کی صدیوں کی مکمل روایات اور فنکارانہ پیشکش سے بُنی ہوئی ثقافت ایک پُرکشش بُنائی ہے۔ اس کی سحر کن جاپانی موسیقی اور پُر لطف رقص، رسم و رواج، اس کے ثقافتی ورثے کی گہرائی اور عصری ایجادات کا ہم آہنگ اختلاط ہے۔ یہ مختلف متزاج ایک ایسا ثقافتی منظر پیش کرتا ہے جو قوم کے دل و دماغ میں شعور فراہم کرتا ہے۔ جاپان کا جدید معاشرہ جس پر بنا ہے اُس کی بنیاد ثقافتی ورثہ بناتا ہے۔

یہ معاشرہ قدرتی اور اپنی آبائی روایت کے مضبوط تنظیم سے لے کر کلینڈر پر نقش رواں دواں تہواروں تک، عام زندگی کے تانے بانے میں بُنے ہوئے ہیں۔ یہ ورثہ اقدار اور رسومات کو محفوظ کرنے میں مدد دیتا ہے جو دیرپا رہتی ہیں اور یہ نسلوں کے درمیان ایک پُل کا کام کرتا ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کی ثقافت میں ہونے والی

تبدیلیاں جن میں جاپان کے مذہبی عقائد، جاپان کے رسم ورواج، ثقافتی تہوار، جاپانی کھانے، روایتی دستکاریاں، رہن سہن، لباس، فن تعمیر وغیرہ شامل ہیں اُن کا جائزہ لیں گے۔ جاپان ثقافت اور روایات سے مالا مال ملک ہے۔ اس کی تاریخ میں رسم ورواج کی جڑیں گہری ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں۔ شنتو عقائد اور بدھ مت مذہب نے ایک انوکھا امتزاج تخلیق کیا ہے جو اس ملک کو دیگر ممالک سے ممتاز بناتا ہے۔ جاپانی اپنی معمول کی زندگی میں تہذیب وتمدن اور احترام کا اظہار کرتے ہیں۔

جاپانی لوگ احتراماً سلام جھک کر کرتے اور معمولی بات پر جھک کر معافی مانگ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء السلام انصاری اس کے متعلق چڑھتا سورج میں لکھتے ہیں: '' اس خاتون کے پاس پہنچا تو انہوں نے جاپانیوں کے روایتی انداز میں جھک کر سلام کیا اس وقت تک مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ مجھے بھی اس طرح جھک کر جواب دینا چاہئے'' [۳۴]

جاپان میں اس طرح سلام کیا جاتا ہے اور مختلف زاویے مختلف حالات میں جھک کر سلام کیا جاتا ہے۔ ہر ملک کی اپنی تہذیب و ثقافت ہوتی ہے۔ جاپان کی ثقافت میں ان خصوصیات کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ جاپانی جب کسی سے ملاقات کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے یا مصافحہ کرنے کے طرف دار نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کے ہاں جھک کر سلام کیا جاتا اس کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ اس کے بارے میں اپنی تصنیف میں مجتبیٰ حسین رقم طراز کرتے ہیں:

> جاپانی جب بھی کسی شناسا کو دیکھتا ہے تو دو تین گز دور کھڑا ہو جاتا ہے اور ساٹھ درجہ کا زاویہ بنا کر تعظیماً جھک جاتا ہے۔ گویا کہنا چاہتا ہے کہ بھیا تمہیں دور ہی سے سلام۔ تعظیماً جھکنے کے آداب کے اور بھی کئی ذیلی آداب ہیں۔ پتہ چلا کہ ملاقاتی کی عمر اور رتبہ کے لحاظ سے آپ کو جھکنے کے زاویہ کا تعین کرنا پڑتا ہے۔ کتنی مرتبہ آپ کو جھکنا چاہئیے اس کا۔ جو شخص باتوں پر ہوتا ہے۔ جو شخص جھکنے میں پہل کرتا ہے وہ جتنی مرتبہ جھکے اتنی مرتبہ آپ کو بھی جھکنا پڑتا ہے۔ [۳۵]

جاپانی جھک کر سلام کرتے ہیں۔ پھر اگر دوسرا آدمی جتنی زیادہ بار جھکے گا یا جس قدر جھکے گا جاپانی اسی حساب سے پھر جھکتے اگر آپ بار بار جھکتے رہیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے یہ ایک ان کے ہاں عزت اور احترام کرنے کا مقام ہے۔ ڈاکٹر آصف محمود جاہ سنگاپور سے جاپان میں لکھتے ہیں: '' جاپان کے سارے لوگ اعلیٰ اخلاق والے ہوتے ہیں۔ پیار سے محبت سے مسکرا کر جھک کر اپنے پیارے انداز میں آپ کا استقبال کرتے ہیں۔'' [۳۶]

جاپانی اپنے بچوں اور قوم کی کردار سازی اعلیٰ پیمانے پر کرتے ہیں ان کو شروع ہی سے اپنی روایات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ترقی یافتہ ملک کی نشانی ہے کہ وہ جھکنے کو بُرا نہیں سمجھتی اس لئے کہتے ہیں کہ جو جھکتا وہی پھل پاتا ہے۔ جاپانی قوم کی ترقی کا بھی یہی راز ہے کہ وہ جھکنے میں عار محسوس نہیں کرتی اس کے بارے میں ''ابن انشا'' اپنی کتاب دنیا گول ہے میں لکھتے ہیں کہ:

> جاپانیوں کی ایک بات ہمیں پسند آئی۔ یہ لوگ مصافحے کا زیادہ تردّد نہیں کرتے۔ اِک ذرا گردن جھکائی اور سلام ہو گیا کہیں جائیے یا کہیں سے آیئے۔ جاپانی مہمان دور ہی کھڑا ساٹھ درجے کا زاویہ بنا کر جھکے گا اور پھر کھڑا ہو جائے گا بعد میں ہمیں علم ہوا کہ اس میں بھی کئی باریکیاں ہیں کون کس کے سامنے جھکے، آگے کب ہاتھ باندھنے چاہیں کب چھوڑنے چاہیں یہ سارے آداب علم دریا ہیں۔ [۴۳]

اس اندازہ ہوتا ہے جاپانی ثقافت میں جھکنا بہت معنی رکھتا ہے اور پھر مختلف موقعوں پر مختلف انداز میں جھکا جاتا ہے جو جاپانی تہذیب کا حصہ ہے۔ جاپانی اپنی تہذیب و ثقافت سے بہت محبت کرتے ہیں۔ جاپانی قوم بہترین کردار کی مالک ہے۔ دنیا میں ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کامیاب زندگی گزارے مگر کامیاب زندگی گزارنے کے لیے انسان کے اندر خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہی خصوصیات ایک قوم میں ہو تو وہ ملک اور قوم کامیاب زندگی گزارتی ہے۔ جاپان دنیا کا ایک ترقی یافتہ ملک ہے اور اُس کو ترقی یافتہ بنانے میں جاپانی قوم کا سب بڑا ہاتھ ہے۔ اس قوم نے اپنے کردار اور اخلاق کے ذریعے اس ملک کو تشکیل دیا۔ اس قوم نے اپنی ایمانداری اور اپنی ثقافت سے جڑے رہنے کی وجہ سے ترقی کی ہے اس اخلاق کے متعلق " عزیز ملک " سفر جاپان ۔۔محنت ،دیانت اور تہذیب کی منفرد مثال میں یوں بیان کرتے ہیں:

> دنیا میں اول نمبر کا جدید اور ترقی یافتہ شہر ہے جاپانیوں کی تہذیب اور آداب کا اندازہ ایئرپورٹ پر داخل ہوتے ہوئے امیگریشن کے عمل سے شروع ہوتا ہے دنیا بھر سے آنیوالی کاروباری شخصیات اور سیاحوں کو جاپانی بزرگ رہنمائی کر رہے تھے اور محبت کے ساتھ آنیوالے سیاحوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ [۴۴]

جاپانی مہذب قوم ہے یہ دنیا کی واحد قوم ہے جو رنگ نسل، زبان اور مذہب کے تعصبات سے پاک ہو کر تمام انسانوں کے ساتھ برابری سے پیش آتی ہے۔ یہ جب بھی کسی سے ملتے ہیں اُن سے محبت اور شفقت سے پیش آتے ہیں چاہے اُس انسان کا تعلق کسی بھی ملک یا خطے سے ہو۔ یہ بڑے مہمان نواز ہے اور اس کے ساتھ جاپانیوں کی ثقافت میں مہمانوں نوازی کے بعد تحفہ دینے کا عام رواج ہے۔ یہ جائیں یا کوئی ان کے ہاں یہ اُس کو تحفہ لازی دیتے ہیں۔ ان کے تحفے دینے کی عادت کے بارے میں " مجتبیٰ حسین جاپان چلو جاپان چلو میں بیان کرتے ہیں:

> جاپانیوں کی ایک تکلیف دہ ادا تحفے دینے کی ہے۔ کہیں بھی جائیے ایک عدد تحفہ آپ کی خدمت میں پکڑا دیا جائے گا۔ پھر ان تحفوں کی پیکنگ اتنی خوبصورت ہوتی ہے کہ اسے کھول کر یہ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا کہ اس پردہ زنگاری میں کیا رکھا ہے۔ [۴۵]

تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے اور جاپانی اس بات کو خوب جانتے ہیں اس لیے وہ اپنی محبت کا اظہار تحفے کی صورت میں دیتے ہیں۔اور اپنے ملک کی پہچان کرواتے ہیں کہ ہم اس ملک میں رہتے ہیں جہاں رشتوں کی قدر اور پاسداری کی جاتی ہے۔ جاپانیوں کے ہاں کوئی جو اس کو بھی تحفہ دیتے اور مہمان بھی تحفہ لے کر جاتا ہے پھر اُس کو واپسی بھی تحفہ دیا جاتا ہے۔ جاپانی ثقافت تحفہ دینا بہت اہمیت کا حامل ہے'' ڈاکٹر ضیاءالسلام انصاری'' اس خصوصیات کے بارے میں کہتے ہیں:

> جب ہم ان کے فلیٹ میں جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے تو اذان کے بھونے کیک پیسٹری والا لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا اور کہا انصاری بھائی ہم ایک جاپانی گھر میں جا رہے ہیں نے ہیں اور کیہہ روایت کے مطابق ایک مہمان بھی کچھ نہ کچھ تحفہ لے کر آتا ہے۔ یہ تحفہ میں نے آپ کی طرف سے خرید لیا تھا آپ برا نہ مانئے میری وائف کو اپنی جانب سے پیش کیجیے گا۔[۶]

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان میں تحفے دینے کا کتنا رواج اور یہ کتنا اہم ہوتا ہے جاپانی معاشرے میں ورنہ باقی ممالک میں اس سے متعلق کوئی بات نہیں اگر آپ تحفہ لے جاتے تو اچھی بات ہے اور اگر نہیں بھی لے کر جاتے تو اس میں کوئی بُری بات نہیں ہوتی ہے۔اس تحفے کے حوالے سے مصنف اپنی تصنیف میں مزید بیان کرتے ہیں:

> انہوں نے یہ بیگ میری طرف بڑھایا۔ میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ شیفتہ صاحب نے کہا انصاری بھائی یہ فلم دیکھ کر آپ کو محسوس تو ہوا ہو گا جیسے آپ ہمارے بچے کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے بس اسی لیے یہ تحفہ جو سب مہمانوں کو ملا تھا آپ کے لیے بھی ہے۔ میں نے کھڑے ہو کر بیگ وصول کیا۔ بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تحفے کافی تعداد میں انہوں نے رکھے ہوئے ہیں اور جب کسی کو شادی کی ویڈیو فلم دکھاتے ہیں تو ساتھ ہی یہ تحفہ پیش کر دیتے تھا۔[۷]

جاپان کے لوگ ثقافت کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں انہوں نے جتنی بھی ترقی کر لی اس کے باوجود اپنی زمین سے جڑے ہیں یہ اپنی روایات کا دامن نہیں چھوڑتے اور نسل در نسل اپنی اقدار کو پہنچاتے ہیں۔ تحفہ دینے کی روایت صدیوں سے دنیا میں چلی آ رہی ہے۔ جب کسی کو تحفہ دیا جاتا ہے تو اس کا مقصد دینے والے کو اُس کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔تحفے دینے سے نئے رشتوں کا آغاز اور پُرانے رشتے مضبوط ہوتے ہیں۔ جاپان میں تحفہ دینے کی روایت جاپانیوں کی منفرد ثقافت کی عکاسی کرتی ہے۔ جاپان کے لوگ تحائف کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔''ڈاکٹر آصف محمود جاہ'' کہتے ہیں کہ:

> جاپانی ایک دوسرے کو تحائف دے کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان کو چھوٹے سے چھوٹا تحفہ دیں گے تو وہ اسے لے کر خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور آپ کا بار بار شکریہ ادا کریں گے۔

جب آپ کسی کو تحفہ دیں یا کھانا کھلائیں تو یہ ضرور کہیں گے کہ یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے قبول کریں۔ جب آپ کو کوئی جاپانی تحفہ دے تو اسے کھول کر دیکھیں اور دینے والے کا پیار اور محبت سے گرم جوشی کے ساتھ شکریہ ادا کریں۔[۴۸]

ڈاکٹر آصف محمود جاء جاپان میں تحفے کی کتنی اہمیت ہے اس سے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو تحفے دے کر خوش ہوتے ہیں۔ یوں آپسی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ ایک صحت مند اور ترقی یافتہ معاشرے کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ جاپان میں دونوں ہاتھوں سے تحفے کو پیش کرنا تہذیب کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تحفے کی پیکنگ بھی بہت معنی رکھتی ہے۔ جاپان کا روایتی لباس کیمونو ہے جو جاپان کی ثقافتی گہرائی اور تاریخی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ لباس کیمونو جاپان میں مختلف موقعوں اور مختلف حالتوں میں پہنا جاتا ہے۔ موسم گرما، موسم سرما اور مختلف تہواروں پر۔ یہ لباس جاپان کی روایت سے جڑا ہوا ہے۔ اس کا رنگ، انداز علاقائی شناخت اور اُن کی لازوال جمالیاتی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ اس لباس کے بارے میں "ڈاکٹر آصف محمود جاء" اپنی تصنیف سنگا پور سے جاپان میں لکھتے ہیں:

کیوٹو اور نارا کے مضافاتی علاقوں میں ایک دو بڑی عمر کی عورتوں کو جاپان کا روایتی لباس پہنے دیکھا تھا جبکہ اس دفعہ ہوٹل کے علاوہ، بازاروں، سڑکوں، شاپنگ مالز اور کچھ دفاتر میں کئی لڑکیاں اور خواتین کیمونو پہنے نظر آئیں۔ دو چار مردوں کو بھی کیمونو میں ملبوس دیکھا۔ ہوٹل کے کمرے میں بھی کیمونو رکھا ہوا تھا تا کہ مہمان بھی جاپانی روایات سے آگاہ ہوں۔ میڈیم نائلہ اور ان کی بیٹی نے بھی کیمونو پہن کر تصاویر بنوائیں۔[۴۹]

جاپان ایک ایسا ملک ہے جو رازوں سے بھرا ہوا ہے اس کی تاریخ اور ثقافت بہت قدیم ہے۔ جاپان کے لباس کی تاریخ بھی بہت پُرانی ہے۔ (AD۷۹۴۔۱۱۹۳) میں نمایاں ہوا تھا اور اس کے بعد سے اب تک مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے اہم لباس کے طور پر جانا جاتا ہے "کیمونو" کا لفظی مطلب "پہننے کی چیز" ہے۔ کیمونو ایک کثیر پرتوں والا لباس ہے یہ عام طور پر فرش یا ٹخنوں کی لمبائی کا ہوتا ہے۔ یہ لباس ریشمی کپڑے کے ساتھ بنایا جاتا اور اس کے ساتھ لمبے آستین رکھے جاتے ہیں جو کندھوں سے پیروں کی طرف جاتے ہیں پھر اس کو لمبی بیلٹ کے ساتھ تھاما جاتا ہے۔ موسم گرما کے لیے کیمونوس ہوتا ہے اور موسم سرما کے لیے کیمونوز ہوتا ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے پہننے کی مختلف طرزیں، تھوں، مواد اور لوازمات مختلف ہوتی ہیں۔ یہ لباس جاپان کی ثقافت کی عکاسی کرتا ہے اور جاپانی اپنا یہ لباس خاص موقعوں پر لازمی پہنتے ہیں۔ جاپان چلو جاپان چلو میں سے اقتباس ملاحظہ

ہو۔''اب انہوں نے ہم پر محبت نچھاور کرنی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے خاندان نے روایتی لباس کیمونو پہنا اور ہمیں پکڑ کر ایک خاص کمرے میں لے گئے۔ پتہ چلا اب چائے پینے کی تقریب ہے۔ [۵۰]

جاپانی اپنے لباس کو خاص موقعوں پر پہن کر اپنی ثقافت کو برقرار رکھتے ہیں اس کی خوبصورتی اور استعداد کے ساتھ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ کیمونو اتنی دیر تک کیسے زندہ رہا۔ آج بھی کیمونو کو جاپان کے قومی لباس کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اور یہ جاپان کی ثقافت کی عکاسی کرتا ہے جو کسی بھی سماجی طبقے، تاریخ اور ورثے کی علامت ہے۔ جاپانیوں کو اپنی ثقافت پر فخر ہے۔ وہ ترقی کرنے کے باوجود اپنی ثقافت اور اپنی روایات سے جڑے ہوئے ہیں۔ اسی حوالے سے مصنفہ ستمبر کا چاند میں لکھتی ہیں:

> رنگ برنگے کیمونو میں خوبصورت لڑکیاں سخت سنجیدہ شکلیں بنائے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہمارے سامنے آئیں۔ دوزانو جھک کر رکوع میں گئیں سامنے ایک پلیٹ رکھی جس میں ایک عدد ولڈ و بانس کے ٹکڑے پر پتے میں لپٹا ہوا دھرا تھا سجدے میں گر میں جوابا ہم بھی تعظیماً جھکے پھر وہ اُٹھ کر اسی طرح چلتی ہوئی واپس گئیں۔ [۵۱]

ہر ملک کی اپنی پہچان ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اس ملک کی ثقافت اور پہچان ہے۔ اسی طرح جاپان کا روایتی لباس بھی اُن کی پہچان ہے اور یہ لباس جاپان کی ثقافت کا عکاس ہے۔ روایتی جاپانی فیشن میں اور بھی بہت کچھ ہیں۔ تغیرات مختلف ضروریات کو پورا کرتے ہیں، لیکن زیادہ تر روایتی لباس کیمونو کی طرح کے ہی ہوتے ہیں جو عورتوں نے یا مردوں نے زیبِ تن کر رکھے ہوتے ہیں۔ اور فیشن کے طور پر ان کو مختلف انداز میں بنوانے ہیں۔ جو بہت پیارے لگتے ہیں۔ ''جاوید دانش'' مزید آوارگی میں لکھتے ہیں:

> اس اسٹیشن پر نہ صرف جاپانی بلکہ فارنر اسٹوڈنٹ اور سیاح کچھ زیادہ نظر آرہے تھے۔ ساتھ ہی اپنے قومی لباس کیمونو میں سمٹی سمٹائی جاپانی بچیاں بڑے انداز سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، آ جا رہی تھیں۔ آج پہلی بار اتنی تعداد میں ایک ساتھ ایک جگہ کیمونو میں لڑکیاں نظر آئی تھیں۔ ضرور کوئی خاص دن یا تہوار ہے آج میں نے سوچا! حالاں کہ یہ لباس بڑا پُر وقار اور جاپانی ثقافت کا سمبل ہے پھر بھی اسے عام طور پر عورتوں کو پہنے نہیں دیکھا۔ [۵۲]

وقت اور حالات کے ساتھ فیشن بدلتے ہی رہتے ہیں نئے نئے طرز کے لباس مشرقی اور مغربی فیشن کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جاپان میں مغربی لباس استعمال ہوتا ہے جو آفس میں جاتے ہوئے لازمی پہنتے ہیں مگر جاپانی اپنی روایات کو نہیں بھولے وہ خاص موقعوں اور تہواروں پر اپنا لباس پہننا پسند کرتے ہیں جو اصل جاپان کی ثقافت ہے۔ جس طرح جاپان کا لباس روایتی ہے اسی طرح جاپان کے کھانے بھی اس ملک کی ثقافت کی عکاسی کرتی

ہیں۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۰ء تک کے پانچ سال بحران کا وقت تھا، جس کی خصوصیت مزدوروں کی دائمی قلت، معاشی طاقت میں کمی، اور شہری زمین کی تزئین اور جاپانی زرعی صنعت کی تباہی تھی۔ اس عرصے کے دوران، آلو اور شکر قندی، سبزیاں، اور معمولی اناج جاپانیوں کی خوراک کا بنیادی مرکز تھے۔ خوراک کی دائمی قلت اور جانوروں کی خوراک کی مصنوعات کی عدم دستیابی کا مطلب یہ تھا کہ جاپانی آبادی کا بڑا حصہ کیلوریز اور پروٹین کی ناکافی مقدار کا شکار تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد سے جاپانی خوراک ایک روایتی غذا سے بدل گئی ہے جو چاول، آلو اور شکر قندی، سبزیوں اور مچھلی کے ارد گرد مرکوز ہے۔ جاپان کا کھانا جو پوری دنیا میں لوگ کھاتے ہیں۔ اپنے منفرد ذائقوں کے لیے دنیا میں مشہور ہے سب سے مشہور پکوان سشی ہے۔ مچھلی، چاول، سبزیاں جاپان کی خوارک کے اہم اجزاء سمجھے جاتے ہیں۔ جاپانی سب سے زیادہ مچھلی شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ ان کی ثقافت کا حصہ ہے۔ اس کے کھانے کے مختلف طریقے ہیں۔ مثلاً کچی مچھلی، بھُونی ہوئی، سر کے والی اور اس کے علاوہ بھی اس کے کھانے کے بہت طریقے ہیں۔ مزید آوارگی مصنف سفر نامہ میں جاپان کے روایتی کھانے کے متعلق لکھتے ہیں:

> کچھ ہی دیر میں ناشتہ آنا شروع ہوا۔ ہم سب سنبھل کر میز کے گرد بیٹھ گئے۔ دو لڑکیوں نے ہاتھ میں ایک بڑے ٹرے سنبھال رکھی تھی۔ ایک نے بڑھ کر میز پر ناشتہ چن دیا۔ دو طرح کے سوپ پانچ کچھے انڈے ایک ادھ پکی مچھلی، سوکھی مچھلی کے چند قتلے کئی طرح کے اچار کچھ سمندری سیپیاں اور پتہ نہیں کیا کچھ الا بلا اور ایک بڑی ڈش میں ڈھیر سارا چاول۔ مزے کی بات تھی کہ چاول کے علاوہ ساری چیزیں ٹھنڈی تھیں۔ یہ تھا جناب روایتی اور صحت مند جاپانی ناشتہ 'میرا ناشتہ بھی نہ آیا تھا۔[۵۳]

ترقی یافتہ تہذیبوں کی پہچان اُس کی ثقافت سے ہوتی ہے جس میں کھانا بھی اُس کی پہچان ہے۔ جاپانی کھانے اور اُن کو پیش کرنے کے آداب بہت منفرد ہوتے ہیں۔ چونکہ جاپان ایک مشرقی ملک ہے اس لیے اس کے کھانے بھی مشرقی ہوتے ہیں۔ جاپان کی روایتی غذا بھاپ کے بنے چاول اور ایک شوربہ ہوتا ہے باقی دیگر غذا میں مچھلی، سبزیوں کا اچار اور گوشت یا مچھلی کا شوربہ اس کے علاوہ سمندری غذا بھی بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ اور یہ ان کے ہر کھانے کے ساتھ پیش ہوتی ہے۔ جاپانیوں کا زیادہ طرح کھانا کم پکا یا کچا ہوتا ہے جو ان کی شروع سے روایت ہے۔ جاپانیوں کے کھانے کے متعلق ''ابن انشا'' کا اندازِ بیاں: ''کھانے میں بھی کیکڑے ہماری وحشت کا ساماں تھے۔ جاپانی کھانوں میں الا بلا چیزیں بہت ہوتی ہے۔ ہم لوگوں نے تو چکن اور چٹنی کھانے پر ہی اکتفا کیا۔''[۵۴]

جاپانیوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اُن کے مطابق مذہب اُن کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔ اس لیے اُن کی خوراک بھی اُسی مطابق ہوتی ہے۔ جاپانی حلال و حرام کے چکر میں نہیں پڑتے اس لیے وہ اپنی مرضی سے ہر چیز کھاتے ہیں۔ مگر دیگر

ممالک سے جانے والے لوگوں خاص طور پر مسلمانوں کو اُن کے کھانا کھانے میں مشکل پیش آتی ہے۔ جاپانی کھانے کو اپنے روایتی طریقے سے کھاتے ہیں یعنی اگر وہ سمندری غذا یا سبزیاں کھا رہے تو وہ اُن کو شوربوں میں یا مختلف سوس میں ڈال کر کھاتے ہیں۔ جاپان کے روایتی کھانوں کے حوالے سے ''ڈاکٹر ضیاء السلام انصاری'' لکھتے ہیں:

> ایک مرد اور اس کے ساتھ ایک خاتون لگ گیس سے گرم ہونے والے ایک پلیٹ نما دو ن مچھلی، گوشت، مرغی اور سبزیاں تل کر اور بھون کر تھوڑا تھوڑا سب کی پلیٹوں میں رکھتی جا رہی تھی۔ یہ کھانا جاپان کی مخصوص ڈشوں پر مشتمل تھا جسے خالص جاپانی انداز میں مقامی مصالحوں کے ساتھ تیار کیا جا رہا تھا۔ سب سے پہلے اس خاتون نے بینگن، شکر قندی کی کا بھنا، پیاز اور آلو کے قتلے تل کر اور بھون کر دیے ہمارے سب ہی ساتھی بڑے مزے لے کر یہ کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ کھانے کی لذت کا اظہار اور تیار کرنے والے دونوں باورچیوں کی تعریف کرتے جا رہے تھے۔ سبزیوں کا دور ختم ہونے کے بعد خاتون نے مچھلی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تل کر دیے۔[۵۵]

منصف کے مطابق جاپان کا روایتی کھانا جو اُن کی ثقافت کی عکاسی کرتا ہے اس طرح ہوتا ہے اور جاپانی کھانے کو کس کس انداز سے بناتے اور کھاتے ہیں۔ وہ کھانوں کو بھون کر یا تل کر بھی اپنے مہمانوں کو کھلاتے ہیں۔ جاپانی اپنی روایت کو نہیں بھولے اتنی ترقی کرنے کے باوجود اپنی تہذیب سے جڑے ہوئے ہیں۔ جاپان کے کھانوں میں مچھلی کھانے کا بہت رواج ہے وہ لوگ ناشتے، کھانے میں مچھلی کھانا پسند کرتے ہیں۔ جاپانی خاص روایتی غذا ''سوشی'' کچی مچھلی بہت مشہور ہے۔ سنگاپور سے جاپان کے مصنف ''سوشی'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> سوشی جاپانی کی مشہور ڈش ہے۔ بندہ جاپان آئے اور سوشی سے لطف اندوز نہ ہو یہ ایسے ہی ہے کہ بندہ لاہور آئے لیکن لاہور کی پیڑوں والی کسی نہ بیٹے یا بھیجے کے پائے نہ کھائے۔ اعجاز کو سوشی بہت پسند ہے۔ اس نے بتایا کہ سوشی بنانے کا ایک منفرد طریقہ ہے۔ ایک خاص قسم کی فش کو دو دن مصالحہ لگا کر رکھ دیا جاتا ہے اس کو Boil وغیرہ بالکل نہیں کرتے۔ دیکھنے میں یہ فش کچی لگتی ہے لیکن کھانے میں بہت مزیدار ہوتی ہے۔ لوگ مزے سے کھا رہے تھے۔ اپنی پلیٹ آئی تو سب نے تھوڑی بہت چکھی۔ میر بادشاہ نے کہا کہ شکر ہے اعجاز نے سوشی کھلا دی۔ اب پاکستان جا کر فخر یہ بتا سکیں گے کہ سوشی بھی کھائی ہے۔ مچھلی جاپانیوں کا من بھاتا کھاجا ہے۔[۵۶]

مصنف کے موقف سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''سوشی'' جاپان کی مشہور ڈش اور جو جاپان کی ثقافت کی نمائندگی کرتی ہے کہ اُس کو دیگر ممالک کے افراد بھی کھانا پسند کرتے ہیں اور اُس کو کھا کر اُس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ جاپان

میں کھاناہی نہیں بلکہ اُس کو منفرد انداز میں پیش کرنا بھی اہم ہے۔ جاپانیوں کے مطابق جس طرح کھانا پیٹ کی غذا ہے اس طرح اُس کی سجاوٹ رُوح کی غذا ہے۔

غذائیت کی تاریخ جاپان میں اتنی پُرانی ہے جتنا یہ ملک ہے۔ جاپانی بہت سلیقہ مند قوم ہے۔ وہ ہر کام محنت ایمانداری اور خوبصورتی کے ساتھ کرتی ہے۔ان کی نظر میں کھانے بنانے کے ساتھ اُس کو پیش کرنا بھی اہم ہے۔ جاپان خوبصورت ملک ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ جاپان کی سیر کرنے دیگر ممالک سے سیاح آتے ہیں جو اس ملک کا قدرتی حسن دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ جاپان کی خوبصورتی اُس کی ثقافت کا اہم جزو ہے۔اس کے حسن کو دیکھ کر جاپان چلو جاپان چلو کے مصنف کہتے ہیں:

> جاپان کا قدرتی حسن آپ کو مسحور کر دے گا بائیں طرف سمندر آپ کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ چھوٹے چھوٹے جزیرے نظر آئیں گے اور دائیں طرف فیوجی پہاڑ نظر آتا رہے گا جو وقفہ وقفہ سے بڑا ہوتا جائے گا۔ ٹرین میں سے فیوجی پہاڑ کا نظارہ خود حیران کر دینے والا ہوتا ہے۔ آپ کو ناگویا کا شہر بھی ملے گا جو جاپان کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ ناگویا کا قلعہ بڑی شہرت رکھتا ہے جو دوسری جنگ عظیم میں برباد ہو گیا تھا۔ اسے ۱۹۵۹ء میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ تین گھنٹوں کے سفر میں ہم نے جاپان کا جو حسن دیکھا وہ زندگی بھر ہمارے دل پر نقش رہے گا۔ خدا کرے یہ ہمیشہ ہماری یادداشت کا ایک اثاثہ بنا رہے۔ دوسری جنگ عظیم بھی یاد آئی جس میں اس قدرتی حسن پر بمباری کی گئی تھی۔ ان ہی جگہوں پر کہیں آگ اور بربادی کا ناٹک کھیلا گیا ہو گا پھر ہیروشیما بھی تو یہاں سے پاس ہے۔ انسان جب از سر نو جینے کا اہتمام کرتا ہے تو بربادیوں کے نشان خود بخود مٹ جاتے ہیں۔ [۵۷]

ہزاروں سال کے تاریخی پس منظر کا حامل ملک جاپان دوسری جنگ عظیم میں ہونے والی تباہی میں ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے۔ راکھ کے ڈھیر سے ایک عالیشان اور باہمت قوم نے نیا جنم لیا پھر اس کے بعد اس قوم نے دنیا کو حیران کرنے کا وعدہ کیا اور یوں پُوری دنیا میں مشہور ہو گیا۔ برف سے ڈھکا فیوجی پہاڑ اپنی خوبصورتی اور دلکش نظارے سیاحت کو آنے والوں کے لیے حیرانگی کا باعث ہیں۔ جاپان کے خوبصورت نظاروں کے بارے میں ''ذکیہ ارشد حمید'' اپنی کتاب سورج کے ساتھ میں بیان کرتی ہیں:

> صنوبر کے درختوں اور پہاڑوں کے خوبصورت پیالے میں نیلی سبز وشفاف جھیل اور اس میں کوہ فیوجی کی برف سے ڈھکی چوٹی جھلمل جھلمل کر رہی ہے جیسے زمرد کی انگوٹھی میں سفید ہیرا جگمگا رہا ہو اور اس پر کسی کی نظر نہ ٹھہرے۔ ۱۲۳۸۸ فٹ بلند کوہ فیوجی جاپان کا مقدس پہاڑ ہے۔ بھکشو اس کی چوٹی کو سر کرنا اپنے لیے سب سے بڑی سعادت تصور کرتے ہیں اور سینکڑوں بھکشو اس کی ہر

سال زیارت کرتے ہیں۔ گرم گرم لاوے سے بنا اتنا بلند پہاڑ برف کی تہہ میں چھپ چکا ہے اس
کی چوٹی پر کبھی برف نہیں پگھلتی۔[۵۸]

یہ پہاڑ جاپانیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ یہ ٹوکیو سے قریباً سو کلو میٹر دور ہے۔ اس پہاڑ نے دارالحکومت ٹوکیو کو جو رونق بخشی ہے وہ دنیا کے کسی اور دار لحکومت کو نہیں ملی۔ اس کے علاوہ پر اسرار سکوت اسے دنیا کے بڑے بڑے پہاڑوں سے ممتاز کرتا ہے۔ جاپان کے پہاڑوں میں سے تین پہاڑوں کو مقدس ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ جاپان کے جتنے اہم مقدس پہاڑ ہیں ان میں کوہ فیوجی کو مقدس کا درجہ ملا ہوا ہے۔ اس کا بھی مذہب اور رُوحانیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لیے جاپان کے روایتی اور قدامت پسند معاشرے میں اس پر اسرار پہاڑ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کوہ فیوجی نے جاپانی فنون لطیفہ اور ادب پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ صدیوں سے کوہ فیوجی جاپانی شاعری، ادب اور فن مصوری پر اپنے اثرات مرتب کرتا رہا ہے۔ تین مصروں پر مشتمل ہائیکو جاپانی شاعری کی معروف صنف ہے۔ ایک جاپانی شاعر نے کوہ فیوجی کو سترویں صدی میں ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔

اے گھونگھے!
کوہ فیوجی پر چڑھ
مگر، آہستہ آہستہ[۵۹]

اسی طرح کوہ فیوجی کو ایک مقامی گیت میں منفرد الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

جاپان کے نیلے آسمان کے پس منظر میں
جسم پر برف کی سفید کیمونو (پوشاک) پہنے
پیروں میں دھند کو لپیٹے
فیوجی جاپان کا عظیم پہاڑ ہے[۶۰]

مجموعی طور پر ان منتخب سفر ناموں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان سفر نامہ نگاروں نے نہایت باریک بینی سے جاپانی معاشرے کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ نتائج اخذ کیے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے تک جاپانی معیشت مسلسل عروج اور زوال پذیر رہی، مگر دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانیوں نے اپنے ملک کی از سر نو تعمیر کی۔ اس کی صنعتی میدان میں ترقی کے لیے جدوجہد کی اور نہایت ایمانداری سے معیاری اشیاء تیار کرنا شروع کی۔ ایک امریکی اسکالر نے کوالٹی کنٹرول کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریے کو جاپانیوں نے اپنے ذہنوں میں بیٹھالیا اور اس کوالٹی کنٹرول نظریے کے مطابق سامان تیار ہونے لگا۔ پھر یوں جاپانی کار خانے بے نقص سامان تیار کرنے لگے۔ جاپانی امریکی کوالٹی کنٹرول نسخہ حاصل کر کے امریکی منڈیوں پر ہی چھا گئے۔ جب امریکہ کا آپالو دوم چاند پر جانے لگا تو ایک

چھوٹے ٹیپ ریکاڈر کی ضرورت تھی جو انہیں جاپانیوں نے فراہم کیا تھا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح جاپان نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنے ملک کی ترقی کے لیے جدوجہد کی تھی اور اس مقام پر پہنچ گیا کہ امریکہ کی منڈیوں میں جاپانی سامان فروخت ہونے لگا۔ جاپان کی معیشت کا دارودمدار ہی برآمدات پر ہے اس لیے جاپانیوں کو زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے،تاکہ ملک ترقی کرے۔ یہاں کے کام کی استعداد باقی دیگر ممالک کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اگر امریکہ میں سالانہ فی کارکن ۱۱ گاڑیاں تیار کرتا ہے تو جاپان کا فی کارکن سالانہ ۳۳ گاڑیاں تیار کرتا ہے۔ان سب کے پیچھے صرف وقت، محنت اور دیانت داری کار فرما ہے۔اسی طرح ثقافت کی بات کریں تو جاپانی ثقافت اور روایت قدیم اور جدید کی منفرد آمیزیش ہے۔ جاپانی ثقافت صدیوں پر محیط ہے اس ملک نے صدیوں سے اپنی ثقافت کو برقرار رکھا ہوا ہے۔اس ملک نے بہت سی جنگیں لڑی اور ان میں کامیابی بھی حاصل کی مگر دوسری جنگ عظیم میں شکست اور تباہی کی صورت میں کمزور ہونے کے باوجود مضبوط کیا،اور ہمت و حوصلے سے حالات کا مقابلہ کر کے دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اپنی ثقافت کو ویسے ہی برقرار رکھنے میں یہ ملک کامیاب ہو گیا ہے۔

جاپان کی تاریخ میں شنٹو عقائد اور بدھ مت عقائد کے منفرد امتزاج نے ایک ایسی خوبصورت ثقافت کی تخلیق کی ہے۔ جس کی خصوصیات میں تعلیم، خوراک، لباس، ملنے جلنے کے طریقے، خاندانی اقدار وغیرہ شامل ہیں۔ جاپانی اپنے اس ورثے پر فخر کرتے ہیں اور اس کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرتے ہیں۔ پھر چاہے وہ آداب مجلس ، کھانے، لباس یا ان کی سیاحت گاہ ہو۔ جاپانی ثقافت کا عنصر ان کی روزمرہ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جبکہ انہوں نے اپنے تعلیمی نظام میں دوسری جنگ عظیم کے بہتری لائی اور اس کو اپنے ملک میں رائج کیا۔ جاپان کا تعلیمی نظام دوسرے ممالک کی نسبت منفرد ہے، جس کے بارے میں سفر نامہ نگاروں اپنی سیاحتی کتابوں میں اپنے اپنے منفرد اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ پڑھنے والے بھی ان اصولوں سے آگائی حاصل کر کے اپنے تعلیمی نظام میں بہتری لا سکے۔ جاپانیوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد باقی دنیا کے علوم سے مستفید ہونے کے لیے اسے اپنی زبان میں منتقل کر لیا۔ تاکہ یہ لوگ ان علوم کو سیکھ کر اپنے ملک میں ترقی لا سکے۔ جاپانیوں نے اپنی زبان کو اہمیت دی ہے جس کی بنیاد پر وہ جلد کامیاب ہو گیا جو قومیں اپنی زبان کو اہمیت دیتی ہیں وہ کبھی ناکام نہیں ہوتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ العنکبوت،قرآن مجید،آیت نمبر ۲۰۔

۲۔ رفیع الدین ہاشمی،اصناف ادب،(لاہور:سنگ میل پبلشرز،۱۹۹۱ء)،ص ۱۸۸۔

۳۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی ،کشاف تنقیدی اصطلاحات ،(اسلام آباد :مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)،ص ۱۰۰۔

۴۔ انور سدید،اردو ادب میں سفر نامہ،(لاہور:مغربی پاکستان اکیڈمی،۱۹۸۶ء)،ص ۴۷۔

۵۔ مرزا حامد بیگ،اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ،(اسلام آباد : مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)،ص ۹۔

۶۔ نفیسہ حق،سفر نامہ :فن اور جواز،(پشاور:ادراک،۱۹۹۵ء)،ص ۹۳۔

۷۔ حسن مثنیٰ ندوی،مجتبیٰ حسین اور فن مزاح نگاری،(دہلی:نوب لائن پروسس،۲۰۰۳)، ص ۱۰۔

۸۔ ارشاد آفاقی، مجتبیٰ حسین۔فن شخصیت اور کارنامے،مرتب صفدر امام قادری،۲۰۱۸ء ص۔

۹۔ فتح محمد ملک،انداز نظر،(لاہور:۱۹۸۰ء)،ص ۷۸ ا۔

۱۰۔ انور سدید،اردو ادب میں سفر نامہ،(لاہور:مغربی پاکستان اکیڈی،۱۹۸۶ء)،ص ۳۴۔

۱۱۔ سفر نامہ

https://adbimiras.com/tag/%d8%ac%d8%a7%d9%88%db%8c%d8%af-%d8%af%d8%a7%d9%86%d8%b4 بتاریخ ستمبر ۲۰۲۳ء بوقت ۱:۲۶

۱۲۔ قصہ سفر https://www.neonetwork.pk/16-Oct-2021/109240 بتاریخ اکتوبر ۲۰۲۳ء بوقت ۱:۲۳ بجے۔

۱۳۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،(اسلا آباد: مکتبہ راحت الاسلام،۲۰۱۴ء)،ص ۱۶۴۔

۱۴۔ ایضاً،ص ۱۶۲۔

۱۵۔ مکالمہ https://www.mukaalma.com/55973/ ۱۵ بتاریخ اکتوبر ۲۰۲۳ء بوقت

۱۰:۳۴۔

۱۶۔ آصف محمود جاہ،سنگاپور سے جاپان،(لاہور: زاہد نوید پرنٹر،۲۰۱۸ء)،ص۹۸

۱۷۔ آصف محمود جاہ،چڑھتے سورج کے دیس میں،(لاہور: زاہد نوید پرنٹر،۲۰۱۸ء)،ص۱۲۔

۱۸۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۱۲۰۔

۱۹۔ جاپان کہانی https://www.nawaiwaqt.com.pk/17-Nov-2018/942487 بتاریخ ستمبر بوقت ۸:۰۰ بجے۔

۲۰۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۵۲۔

۲۱۔ مجتبیٰ حسین، جاپان چلو جاپان چلو،ص۱۴۲۔۱۴۳۔

۲۲۔ ایضاً،ص۱۰۳۔

۲۳۔ عامر بن علی،آج کا جاپان ،(لاہور: نستعلیق اردو بازار،۲۰۱۴ء)،ص۱۴۹۔

۲۴۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۷۵۔

۲۵۔ حکیم محمد سعید،سعید سیاح جاپان میں،(کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس۱۹۹۵ء)،ص۵۷

۲۶۔ جاوید دانش،مزید آوارگی،ص۱۰۶۔

۲۷۔ قراۃالعین حیدر،ستمبر کا چاند(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۲ء)،ص۳۴۔

۲۸۔ آصف محمود جاہ،چڑھتے سورج کے دیس میں،(لاہور: زاہد نوید پرنٹر،۲۰۱۸ء)،ص۲۴۵۔

۲۹۔ جاپان کہانی https://www.nawaiwaqt.com.pk/17-Nov-2018/942487 بتاریخ دسمبر۲۰۲۳ء بوقت ۱۰:۵۵ بجے۔

۳۰۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۸۷۔

۳۱۔ ایضاً،ص۱۲۱۔

۳۲۔ ایضاً،ص۱۲۲۔

۳۳۔ جاپان کی سیاست
https://urdu.alarabiya.net/politics/2017/03/16/%D8%

۳۴۔ فیض احمد فیض،پاکستانی ادب، پاکستان کے اجزائے ترکی،(مرتبہ) رشید احمد،(جلد اول)، مئی،۱۹۸۱ء،ص۶۰۔

۳۵۔ جمیل جالبی،پاکستانی کلچر،(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،،۱۹۸۱ء)،ص۴۲۔

۳۶۔ نظیر صدیقی،تفہیم و تعبیر ،(ملتان:کاروان ادب،۱۹۸۳ء)،ص۲۸۔

۳۷۔ ایڈورڈبی۔ٹیلر((Edward B.Taylor، *Primitive culture*)،(لندن:جان مری لمیٹڈ،جلد۱)۔1Page, 1871

۳۸۔ سیدامجد علی،پاکستانی ادب ،دستکاریوں کی ثقافتی اہمیت،ترتیب وانتخاب رشیدامجد، فاروق علی،(روالپنڈی:ایس ٹی پرنٹرز،دریاآباد،فروری۱۹۸۲ء)،ص۶۷۔

۳۹۔ خالد سعید (نگران)،اقبال کا نظریہ ثقافت ڈاکٹر فرحان فتح پوری ،(اسلام آباد:مضمون شعبہ تحقیق ومطبوعات ادارہ ثقافت پاکستان،جون ۱۹۸۲ء)،ص۴۵۔

۴۰۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج ،ص۸۷۔

۴۱۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلوجاپان چلو،ص۸۴۔

۴۲۔ آصف محمود جاہ،سنگاپور سے جاپان،(لاہور:زاہد نوید پرنٹر،۲۰۱۸ء)،ص۱۵۶۔

۴۳۔ ابن انشا،دنیا گول ہے،(لاہور:پنجاب پریس،۱۹۸۲ء)،ص۲۵۹۔۲۶۰۔

۴۴۔ https://www.nawaiwaqt.com.pk/17-Nov-2018/942487:تاریخ دسمبر۲۰۲۳ءبوقت ۵۲:۷بجے۔

۴۵۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلوجاپان چلو،ص۸۵۔

۴۶۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۷۳۔

۴۷۔ ایضاً،ص۷۵۔

۴۸۔ آصف محمود جاہ،سنگاپور سے جاپان،ص۸۵۔۸۶۔

۴۹۔ ایضاً،ص۱۰۳۔

۵۰۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلوجاپان چلو،ص۱۱۸۔

۵۱۔ قراۃالعین حیدر، ستمبر کا چاند(دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۲ء)،ص۱۱۷۔

۵۲۔ ابن انشا،ابن بطوطہ کے تعاقب میں،(دہلی:اُردو بکس دریاگنج نئی دہلی،۲۰۰ء)ص۔

۵۳۔ ایضاً،ص۹۴۔

۵۴۔ ابن انشا،دنیا گول ہے،ص۲۵۰۔

۵۵۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۷۷۔

۵۶۔ آصف محمود جاہ،سنگاپور سے جاپان،ص۱۷۹۔

۵۷۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلوجاپان چلو،ص۱۰۷۔۱۰۸۔

۵۸۔ ذکیہ ارشد حمید،سورج کے ساتھ ساتھ،(روالپنڈی: مطبوعاتِ سلمانیہ،۲۰۰۲ء)،ص۷۴۔

۵۹۔ جاویدد انش،مزید آوارگی،ص۱۱۸۔

۶۰۔ ایضاً،ص۱۱۹۔

باب سوم:

اردو سفر ناموں میں جاپان کے صنعتی معاشرے میں معاشی اور سماجی تغیرات کا مطالعہ

صنعتی معاشرے میں معاشی تغیرات کا مطالعہ:

انگریزی میں معاشیات کو Economics کہتے ہیں۔ اس لفظ قدیم یونانی لفظ Oikonomos "آئی کونوموس" سے اخذ شدہ ہے۔ اس زمانے میں اس کا مطلب تھا کہ "گھر بار کا ضابطہ" یعنی ایسا طریقہ کار جس کے تحت ایک گھرانے کے افراد پیداواری وسائل کی خدمات سرانجام دے کر ان وسائل سے آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اس لفظ آئی کونوموس کو ملک یا ریاست کی مجموعی معاشی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا گیا اس کا مطلب وہ طریقہ کار ہے۔ جس کے مطابق ایک ریاست کے لوگ بحیثیت مجموعی پیداواری وسال کی خدمات سرانجام دے کر اشیاء وخدمات پیدا کرتے ہیں اور اپنے معاوضوں سے انہیں خرید کر ایک خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اس زمانے میں چونکہ ریاست کو Polis کہا جاتا ہے اسی وجہ سے ریاست کی معیشیت کو پولیٹیکل اکانوی Political Economy کہا گیا جو آہستہ آہستہ Economics میں تبدیل ہو گیا۔ "Economics" کی جامع انسائیکلوپیڈیا میں کچھ یوں تعریف بیان کی گئی ہے:

> "Ecomomics is The Study of moneybanking, Capital and wealth."[1]

"انسان کی مادی احتیاجات کی تسکین کا علم ہے۔"

ملک و قوم کی ترقی میں معاشی نظام ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مختلف انداز میں معاشی نظام کو بیان کیا گیا ہے۔ معاشی نظام تقسیم وتبادلہ دولت، پیدائش دولت اور اشیاء وخدمات کے صرف میں مصروف افراد کے منظم ربط باہمی کا نام ہے۔ مضبوط معاشی نظام اور ترقی لازم وملزم جز ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں تاریخ انسانی کی ابتدا سے آج تک مختلف معاشی نظام لاگو ہوتے ہیں۔ جن میں سے درج ذیل مشہور ترین نظام ہیں۔

۱۔ اشتراکی نظام معیشت

۲۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت

۳۔ ملا جلا اقتصادی نظام

دنیا کے مختلف ممالک میں یہ تینوں معاشی نظام بہت کامیابی کے ساتھ نہ صرف رائج ہیں بلکہ آج تک چلتے آ رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی صف اوّل میں کھڑے امریکہ میں جہاں ہمیں سرمایادارانہ معاشی نظام کی جھلک نظر آتی ہے وہیں چین اور روس میں اشتراکی نظام معیشت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ جاپان میں اجتماعی اور ملے جلے معاشی نظام کی مثالیں ملتی ہیں۔ پاکستان میں بھی ملا جلا معاشی نظام رائج نظر آتا ہے ان مختلف معاشی نظاموں کے فوائد و نقصانات واضح اور یقینی ہیں۔ جس کی وجہ سے دنیائے انسان ایک ایسے معاشی نظام کی تلاش میں ہیں جہاں نہ تو اشتراکی نظام معیشت کی طرح شخصی آزادی کا خاتمہ ہو اور نہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی طرح مزدوروں کا استحصال ہو اور نہ ہی ملے جُلے نظام کی طرح بدعنوانی کا سامنا ہو۔

معاشیات کا بانی ایڈم سمتھ تصور کیا جاتا ہے اور بقول اس کے علم معاشیات دولت کی تقسیم کے ارد گرد گھومتا ہے۔ ایڈم سمتھ کے اس نظریہ فکر کو معاشیات کا بانی ماننے کے ساتھ ساتھ بہت سی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ پھر دولت کی تقسیم اور استعمال میں ایلفرڈ مارشل نے ایلفرڈ یعنی شخصی کردار کی اہمیت پر زور دیا اور معاشیات کی جامع تعریف پیش کر دی۔ اس تعریف کو تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ ماہر معاشیات لائنل رابنز نامی جدید معاشیات کو انسانی رویئے اور وسائل کی کمیابی کے درمیان ایک باہمی رابطے کی صورت میں دیکھتا ہے۔

شخصی آزادی کے تصور کو مغربی معاشی نظام پروان چڑھاتا ہے۔ مغربی ذہن بھی دنیا کو خالق کی تخلیقی ہوئی ایک مشین کی طرح دیکھتا ہے جسے اس خیال سے بنانے والے نے بنایا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جیسے چاہے کام کر سکتی ہے۔ زندگی کا مقصد لا محدود انسانی خواہشوں کا حتی الامکان حصول، ترقی، پیسہ کمانا اور کامیابی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مگر یہ سب معاشرے میں بگاڑ، معاشی بحران، فساد اور دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ اوپر بیان کیے گئے مختلف معاشی نظام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

ا۔ اشتراکی نظام معیشت:

تاریخی پس منظر میں پہلی مرتبہ Socialism کو رابرٹ نے استعمال کیا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ اگر وہ آپس میں اجتماعی فلاح و بہبود کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے خود صنعتی اور زرعی Communities کو قائم کریں تو لوگ پیداواری قوتوں سے اس صورت میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لیے اشتراکی نظام معیشت سے مراد وہ نظام معیشت ہے جس میں حکومت کی ملکیت میں ذرائع پیداوار ہوتے ہیں۔ اجتماعی ملکیت کے نظام یعنی سوشلزم کو جرمن مفکر کارل مارکس نے ایک مدلل فلسفہ اور قابل عمل نظام کی صورت میں پیش کیا۔ چنانچہ اس نظام کا بنیادی مقصد سرمایہ دارانہ نظام کا

خاتمہ اور محنت کشوں کے حقوق کی حفاظت تھا۔کارل مارکس کو اشتراکی نظام معیشت کا بانی مانا جاتا ہے۔ حقیقتاً کارل مادیت کا علمبردار ہے اور وہ مذہب کو انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ مانتا ہے۔

کارل مارکس کے مطابق اپنی زندگی میں مذہب کو ترجیح دینے والے اپنی ترقی کی راہ میں آپ دشمن ہوتے ہیں۔کیونکہ مذہب کی اہمیت اب مغربی دنیا بھی تسلیم کر چکی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی طرح اشتراکی نظام معیشت بھی مادیت پرستی کے گرد گھومتا ہے اور آزادی کے خاتمہ کے نظریہ کو فروغ دیتا ہے۔اس نظام کے تحت انسان دووقت کی روٹی کے حصول کے لیے حکومت کا غلام بن کر رہ جاتا ہے۔اور یوں یہ نظریہ فکر و عمل افراد میں جذبہ کار کی کمی کا باعث بنتا ہے۔ پھر اس طرح آمریت خواہ سرمایہ داروں کی ہو یا محنت کشوں کی میدان عمل میں ہر طرح سے لائق ملامت ہے۔

۲۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت:

سرمایہ داری نظام صرف ایک معاشی نظام نہیں بلکہ ایک مخصوص فکر و عمل کا نام ہے۔ جس میں سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو اپنی ذاتی قابلیت ومہارت کا پھل سمجھتا ہے۔اور یہ احساس اس کے عمل کا حصہ بن جاتا ہے اور وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اس کی دولت و ثروت کی پیدائش میں معاشرے کے بہت سے دوسرے عوامل کا تعاون بھی شامل ہے۔تاریخ انسانی میں اس کی مثال قارون اور فرعون کی شکل میں ملتی ہے۔[1]

جس معاشی نظام کو موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام کہا جاتا ہے اس سرمایہ دارانہ معاشی نظام پر مختلف مذاہب نے اعتراض کیا ہے۔ عیسائیت میں تو خاص طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے مادہ پرستی کے پہلو کو کڑی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشی نظام،افادیت پرستی اور مادہ پرستی کے گرد غیر منصفانہ تقسیم دولت اور بے روزگاری کو فروغ دے کر معاشی بحران کا سبب بنتا ہے۔

۳۔ مخلوط نظام معیشت:

ان دونوں نظام معیشت کی تباہ کاریوں کے تجربے کو مد نظر رکھتے ہوئے ان دونوں کے مجموعے سے ایک ایسا معاشی نظام وجود میں آیا جس کا مقصد ان دونوں کے مجموعی فوائد سے فیض یاب ہونا اور عیبوں سے چھٹکارا پانا تھا۔ نجی اور سرکاری نظام مل کر حکومت کو چلائیں گے اور ملک کی ترقی میں ایک اہم کردار ادا کریں گے۔ جس سے نہ تو دولت چند ہاتھوں تک محدود ہو کر رہے گی اور نہ ہی فرد کی آزادی ختم ہو گی۔ پاکستان کا نظام معیشت بھی اس نظام معیشت کی مثال ہے، مگر حقیقت کے برعکس یہ نظام اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود بد عنوانی اور بد نیتوں کی نظر ہو گیا۔ اسلامی نظام معیشت ان تینوں نظام معیشت کے کئی پہلوؤں سے مختلف ہے۔ سرمایہ داری، اشتراکی نظام معیشت اور مخلوط نظام

معیشت یہ تینوں مادیت کے فلسفہ کو پروان چڑھاتے ہیں ان کے نزدیک انسان کی مادی ضروریات ہی حقیقی ضروریات ہیں۔

مختلف معاشی نظاموں کا جائزہ لینے کے بعد ہم جاپان کے معاشی نظام کو مد نظر رکھیں گے کہ آیا کہ جاپان میں دوسری جنگ عظیم کے بعد کس لحاظ سے معاشی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جاپانی ریاست کی اقتصادی نوعیت پر غور کر کے دیکھا جائے تو جاپان نہ ایک خالص سرمایہ پرست ملک ہے اور نہ جاگیری ملک ہے بلکہ وہ سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ کی ملتی جلتی شکل ہے۔ جاپان کا ماضی بعید میں معاشی نظام عین زرعی تھا اور چھوٹے چھوٹے دیہاتوں پر آبادی کا زیادہ تر حصہ مشتمل تھا۔ پہلی دفعہ جب ۳۰۰ سال قبل مسیح چاول کی کاشت ہوئی جس کی وجہ سے جاپان کا سماجی اور معاشی نظام بدل گیا اور پر اجتماعی معاشی نظام کو فروغ ملا۔ زرعی زمین کی شمولیت سے بڑے زمین داروں نے جنم لیا۔ وقت کے ساتھ اس میں تناؤ پیدا ہوا جس کا نتیجہ بادشاہت تھا۔ جاپان میں آٹھویں صدی عیسوی میں بدھ ازم کو فروغ ملا۔ بادشاہت کے دوام کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اخلاقی تربیت جس کا مقصد تھا۔

سمورائی (Samurai) کے قبیلے کی بارہویں صدی عیسوی میں آمد نے انتظامی خاکے کو بدل دیا۔ ابھی ایک صدی ہیگزری تھی کہ جاپان کے سماجی اور معاشی نظام کو منگولوں کے حملے نے تباہ و برباد کر دیا اور اس کے بعد چار سو سال تک اندرونی خلفشار کا شکار رہا۔ آج دنیا میں مضبوط عالمی معیشت کے طور پر جانا جانے والا "جدید جاپان"، جس کی ترقی کے پیچھے سب سے بڑا ہاتھ میجی انقلاب (Meji Revolution) کا ہے۔ ۱۸۶۸ء میں میجی انقلاب برپا ہوا جس کا مقصد قدیم جاگیرداری نظام سے نجات پاکر ایک جدید صنعتی ریاست کو قائم کرنا تھا۔

اس انقلاب کا بنیادی مقصد مغربی طرز کے جاپان میں صنعتی ترقی کو فروغ دینا تھا۔ جاپان میں میجی انقلاب نے معاشرتی، معاشی اور تعلیمی اصلاحات کو متعارف کروایا جس کا بنیادی مقصد Translation adoption کے ذریعے جاپان کو ایک مربوط جمہوری نظام میں شامل کرنا تھا۔ بنیادی طور پر جاپان ایک زرعی ملک تھا لیکن لوگوں کا زیادہ رجحان جدید انڈسٹری کی آمد سے تکنیکی روزگار کی طرف موڑا گیا۔ مجموعی طور پر حکومت نے صنعتی اور زرعی میدانوں میں توازن قائم رکھنے کے لیے جدید مغربی مشینری کو زراعت کے اندر متعارف کروایا تاکہ زراعت سے لوگوں کا رجحان نہ ہٹ سکے۔ اسی وجہ سے جاپان میں انقلاب کے پہلے دو سالوں میں قومی زر مبادلہ کے ذخائر کا بڑا حصہ چائے اور روٹی کی مد میں جمع کیا گیا۔ صنعتوں کو فروغ ملا جو آگے چل کر بین الاقوامی مقابلے کے قابل ہو گئیں۔

میجی انقلاب کے خاتمے تک دنیا کا سب سے بڑا جاپان ٹیکسٹائل انڈسٹری کا تاجر بن چکا تھا۔ لین دین کا سب سے زیادہ رجحان مغرب سے جدید ٹیکنالوجی کو حاصل کرنا تھا۔ پورے جاپان میں جس کی وجہ سے انقلاب برپا ہو گیا۔ نئے بینکوں کے قیام سے جاپان کے زر مبادلہ کو استحکام ملا۔ ریلوے ٹریک کی تعمیر سے ۱۸۷۲ء میں ٹوکیو سے

یوکوہاما کی بندرگاہ تک جاپان کو اپنی اپنی مصنوعات دوسری دنیا تک متعارف کروانے کا موقع مل گیا۔ جاپان کے اندر خام مال کی فیکٹریوں تک رسائی کو ریلوے نظام نے یقینی بنایا۔ جس سے صنعتی پیداوار میں دوگنا اضافہ ہوا۔ انقلاب کے ۲۵ سال بعد میجی حکومت نے خطے میں اپنا کردار ادا کرنے کی ٹھانی اور کوریا کے مسئلے پر چین سے جنگ لڑی جو ۱۸۹۴-۹۵ Sino- japanese War کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی مسئلے پر Russo-japanese War دس سال بعد ہوئی اور جاپان کو فتح نصیب ہوئی۔ ان فتوحات کے پیچھے جاپان کی بحری اور مضبوط معیشت کا ہاتھ تھا جس کی بدولت آنے والے وقتوں میں جاپان کی خارجہ پالیسیوں میں ان فتوحات کے ساتھ ہی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور جاپان جس سے جنگی جنون کا شکار ہوا۔ اسی جنگی جنون کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم کی صورت میں سامنے آیا۔

جاپانی فوجی قوت کو معاشی ترقی کی صورت میں جو خمیازہ بھگتنا پڑا ان حقائق سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے جس کی وجہ سے جاپان کو ۲۸ لاکھ جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ صنعتی پیداوار ۱/۱۰ کے تناسب سے گر گئی اور ۲۵ فیصد قومی دولت ہاتھوں سے نکل گئی۔ اس کے علاوہ جاپان کے جنگی جنون کی عالمی سطح پر نفی کی گئی۔ اور اسے ایک تیسرے درجے کی ریاست شمار کر دیا گیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ قوم اب جنگ کے اثرات سے بمشکل ہی نکل پائے گی۔ مگر اس بات کا کس کو علم تھا کہ دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کی راکھ سے ایک نیا جاپان بنے گا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان ایک شکستہ حال ملک تھا جس کی بیرونی طاقتوں نے بھی نفی کی مگر جاپان نے راکھ کے ڈھیر سے نیا جاپان بنا دیا اور مغربی طاقتوں سے اپنا رشتہ دوبارہ استوار کر لیا۔ جاپان نے معاشی حوالے سے خود کو مضبوط کرنے کے لیے ۱۹۴۷ء میں آئینی اصطلاحات کے بعد دوسرا آئین تشکیل دیا اور ایسی پالیسیاں بنائیں جو عوام کی خواہش کے مطابق تھیں۔ ''ذکیہ ارشد حمید'' اپنے سفر نامے ''سورج کے ساتھ ساتھ'' میں اس بارے میں لکھتی ہیں:

> وہ لوگ راکھ کے ڈھیر اور ملبے سے ہر بار ایک نیا عزم لے کر ابھرتے ہیں ان کے لیے سب کچھ ممکن ہے۔ آفتاب سب سے پہلے ہی کہیں سمندروں میں سے نکل آتا ہے اسی لیے اسے چڑھتے سورج کی زمین کہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی معاشرہ اتنی تیزی سے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا جس تیز رفتاری سے جاپان ۱۹۴۵ء تا ۱۹۵۲ء کے تسلط کے خاتمے کے بعد کھڑا ہوا۔ اس سارے معاملے کا ایک پہلو قابل ذکر ہے کہ جاپانی اپنی شکست کا بوجھ سہار گئے۔ یہ ان کی اپنی تاریخ میں پہلی شکست ہے اس جنگ نے اکتیس لاکھ جاپانیوں کو نگل لیا اور آج جب جاپان جنگ کے ملبے سے ابھر کا باہر آیا ہے تو دنیا حیرت زدہ رہ گئی ہے۔[۶]

دیکھا جائے تو جاپان دوسری جنگ عظیم سے پہلے بھی معاشی طور پر مضبوط ملک تھا۔ مگر دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان تباہ حال ملک کے انفراسٹرکچر کو بحال کرنے کے لئے اصلاحاتی ایجنڈے بنائے گئے۔ نقطہ صفر سے جاپان نے آغاز کیا اور دنیا کی دوسری بڑی معیشت بن گیا۔ اس بڑی معیشت کے پیچھے جاپانی قوم کی محنت کا ہاتھ ہے۔ جاپانی ہر کام وقت پر کرتے ہیں یعنی وقت کی قدر، محنت کی عظمت، چھوٹے بڑے کا احترام ان کی صنعتی ترقی کا راز ہے جس کی وجہ سے جاپان سے بحری جہاز تیار کرنے والا دنیا کا سب سے بڑا ملک بن گیا۔ جاپان نے دنیا کا سب سے بڑا بحری جہاز وائز جیٹ تیار کیا جس کا ۷۶۳، ۵۶۴ ٹن وزن تھا۔ اسی سلسلے میں سفر نامہ، جاپان ایک ملک، ایک کہانی میں خرم سہیل کہتے ہیں:

> ہزاروں برس کے تاریخی پس منظر کا حامل جاپان دوسری جنگ عظیم میں پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بنا، جب اس کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے۔ یہ شہر جل کر راکھ ہو گئے، مگر قربان جائیے، اس جذبے پر، جس کی اٹھان، یہی راکھ ہے۔ اس راکھ سے ایک عالیشان اور باہمت قوم کا نیا جنم تھا، انہوں نے دنیا کو حیران کر دینے کا عزم کر لیا اور آج تک ان حیرتوں کا سلسلہ جاری ہے۔[۳]

اسی طرح گ سے گڑیا ج سے جاپانی کے مصنف جاپان کے متعلق بیان کرتے ہیں:

> جاپان، خوب صورت لوگوں کا خوب صورت ملک ہے اور اس نے محنت، دیانت اور اخلاص پر مبنی ایک نظام وضع کر کے خود کو ابھرتے ہوئے سورج کی سرزمین ثابت کیا ہے، میں جاپانیوں کی عظمت کو سلام پیش کرتا ہوں جنھوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی حملے کے جواب میں علم و آگہی کی معراج کو چھوا۔ دنیا کو سبق دیا کہ تخریب کا جواب تعمیر بھی ہو سکتا ہے۔[۴]

جتنی جلدی جاپان نے خود کو مضبوط کیا ہے اور اتنے بڑے نقصان پر دل گرفتہ اور ہار ماننے کے بجائے محنت اور لگن سے خود کو دوبارہ منوایا اور اپنے معاشی استحکام کو بحال کیا ہے اتنی جلدی شاید ہی کوئی ملک ترقی کر سکے۔ ''ضیاء الاسلام انصاری'' جاپان کی معاشی ترقی کے حوالے سے اپنے سفر نامہ چڑھتا سورج میں کہتے ہیں:

> اہل جاپان نے شکست کو قبول کرنے کے بعد اپنی برتری کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے اور یہ جذبہ جاپان میں ہر جگہ موجود نظر آتا ہے۔ اقتصادی میدان میں جو مقام جاپان نے حاصل کیا اس کی تو ساری دنیا معترف ہے لیکن چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی خوب سے خوب تر کی تلاش اہل جاپان کا مطمع نظر ہے۔ ٹوکیو میں 'شن جوکیو' کے علاقے میں چلے جائیے یہ وہ علاقہ ہے جو جنگ کے دوران بری طرح تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ بمباری اس علاقے میں ہوئی۔ اب یہ ٹوکیو کا حسین ترین علاقہ ہے کہ یہاں ٹوکیو کی چار بلند ترین عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں جن میں سے ایک عمارت

''مستوبیشی مینشن''۵۶ منزلہ ہے۔یہ عمارتیں بجائے خود ٹوکیو کی بہترین سیر گاہیں بن گئی ہیں اور
ان کے ارد گرد'' شن جو کو گویان''گارڈن بھی ایک انتہائی دلفریب تفریح گاہ ہے۔[۵]

دوسری جنگ عظیم کی تباہی سے جاپان نکل کر ٹیکنالوجی اور مینو فیکچرنگ میں عالمی طور پر آگے نکل چکا تھا۔ دولت ملک میں واپس آئی جس سے پراپرٹی کی صنعت کو خوب فروغ حاصل ہوا تھا۔لوگ اپنی پسند کی کوئی بھی چیزیں خرید سکتے تھے یہاں تک کہ جنگل کے بڑے رقبے کو بھی۔جاپان کے لوگ بہت محنتی ہیں۔وہ ہر کام محنت اور لگن سے کرتے ہیں اور اسی لگن نے انہیں اس مقام پر پہنچایا ہے کہ اتنے کم وقت میں اُس نے اپنا کھویا ہوا مقام واپس حاصل کر لیا۔جاپان کی معاشی ترقی کے حوالے سے ضیاءالسلام انصاری اپنی کتاب چڑھتا سورج کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> آج جاپانی قوم دوسری جنگ عظیم میں شامل تمام اقوام کے مقابلے میں سب سے زیادہ خوشحال سمجھی جاتی ہے۔ ٹیکنالوجی میں اس کی بالادستی کا یہ عالم ہے کہ امریکہ کے تمام مصنوعی سیارے، انہیں خلاء میں لے جانے والے راکٹ اور امریکی خلائی تحقیق کے تمام مراکز جاپان کے الیکٹرانک آلات سے مزین و آراستہ ہیں۔ برطانیہ میں بھی جاپان کی مصنوعات کے انبار لگے ہوئے ہیں اور امریکی صنعت کار، تاجر اور حکمران اپنی صنعت کے تحفظ کے لیے جاپان کی خوشامد کرنے یا جاپانی مصنوعات پر پابندی لگانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ امریکی ڈالر کی قدر و قیمت جاپانیین کی قیمت کے اتار چڑھاؤ سے ناپی جاتی ہے۔ اور جب ین کی قدرِ زر میں اضافہ ہوتا ہے تو ڈالر کی بے قدری سے وال سٹریٹ میں زلزلہ آجاتا ہے۔[۶]

اس اقتباس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جاپان نے کتنے کم وقت میں خود کو منوایا ہے۔جاپانی جسمانی طور پر قد میں چھوٹے ہونے کے باوجود اپنے کردار میں سب سے بڑے ہیں۔جاپانی اپنے کام کے ساتھ بہت وفادار ہوتے ہیں۔جاپان میں ایسی چیزیں تیار ہوتی ہیں جن کی پیدائش میں زیادہ قدرتی وسائل اور توانائی کی ضرورت نہ ہو بلکہ مہارت اور جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کیا جائے۔دنیا بھر میں جاپان کی مصنوعات کی مقبولیت اور طلب کی اصل وجہ جاپانی کارکن ہیں جو محنت لگن اور شوق سے جاپانی مصنوعات تیار کرتے ہیں۔

جاپانیوں نے اپنی مصنوعات کو اتنا کوالٹی کے ساتھ تیار کیا کہ ہر چیز پر ''میڈ ان جاپان'' کا لفظ لکھا جانے لگا۔اور پوری دنیا ان چیزوں کو اپنی دوکانوں پر رکھنے پر فخر محسوس کرنے لگی اور جاپانی مصنوعات پر بھروسہ کیا جانے لگا۔جاپان میں ہر چیز جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ کی گئی۔جن میں بجلی پیدا کرنے والے جنریٹرز، موٹر سائیکلیں، کمپیوٹر، بڑے بڑے بحری جہاز، لوہے اور فولاد کی مشینیں، اعلیٰ معیار کی اشیائے صرف اور کیمیائی سامان مثلاً، ویڈیو کیمرے، ٹیلی ویژن سیٹ، موبائل فون، الیکٹرونک کیلکولیٹرز، ساکت کیمرے اور گھڑیاں تیار کیے جانے لگے۔جاپانیوں نے جدید مشینری بنا کر زندگی کو آسان بنادیا ہے۔

انہی مشینوں کے بارے میں مجتبیٰ حسین اپنے سفر نامے جاپان چلو جاپان چلو میں لکھتے ہیں:

> ان کرنسی نوٹوں کی ریزگاری کے لئے آپ کو دکانوں کے چکر لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جگہ جگہ ریزگاری کی مشینیں نصب ہوتی ہیں۔ ایک ہزار ین کا کرنسی نوٹ مشین میں ڈالئے اور ریزگاری حاصل کر لیجئیے۔ کبھی آپ غلط کرنسی نوٹ مشین میں ڈالیں تو مشین اس نوٹ کو ۔۔۔۔۔۔۔ ہندوستان میں وزن کرنے والی مشینوں کے معاملے میں اکثر ہمارے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ ادھر دس پیسے کا سکہ ڈالا اور ادھر مشین نے ہضم کر لیا بعد میں گھونسوں اور لاتوں سے مشین کی تواضع کرنی پڑتی ہے تب بھی وزن کا کارڈ برآمد نہیں ہوتا۔ جاپان میں کبھی کسی مشین کو گھونسے رسید کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ بڑی خود دار اور ایماندار مشینیں ہوتی ہیں۔ [۷]

جاپانی قوم بڑی خود دار اور ایماندار ہے اور ان کی معاشی ترقی کا بھی یہی راز ہے کہ وہ ہر کام محنت اور ایمانداری سے کرتے ہیں پھر وہ چاہے بے جان مشینیں ہی کیوں نہ ہوں۔ جاپان کا کلچر ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو یہ احساس کرواتے ہیں کہ جو چیز وہ بنا رہے اُس کو سات سمندر پار دوسرے ممالک میں جانا ہے اگر وہ اچھی چیز نہیں بنائیں گے تو جاپانی قوم کے لیے شرم کی بات ہے اور پھر آڈر ملنا بند ہو جائے اور جاپانی معیشت تباہ ہو جائے گئی۔ جاپانی معیشت کا دارومدار ہی برآمدادت پر ہے۔ ''میڈان جاپان'' کا دوسرا مطلب ہی اعلیٰ معیار کی پیداوار چیز۔ اقتباس کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مصنف دو معاشروں کا تقابل کر رہا ہے۔ مصنف کو یہاں کے قانون و ضوابط اور ایمانداری پسند آئی ہے اس لیے وہ طنز و مزاح کے پیرائے میں اس کا موازنہ اپنے معاشرے ہندوستان سے کر رہے کہ وہاں کی مشینوں کو گھونسے مارنے کے باوجود کارڈ برآمد نہیں ہوتا ہے۔ جاپانی مشینوں کے حوالے سے مزید مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں کہ:

> جاپانی ہر کام کیالکولیٹر کی مدد سے کرتے ہیں۔ آپ وقت پوچھیں تو اپنی جیب سے کیالیکولیٹر نکال کر وقت بتادیں گے۔ سو ین میں سے کسی کو پچاس ین دینا ہو تو تب بھی کیالکولیٹ کو یہ بتانے کے لئے زحمت دیں گے۔ سو میں سے پچاس ین واپس کئے جائیں تو کتنے ین بچتے ہیں اگر آپ پوچھیں کہ آج کیا دن ہے تو تب بھی کیالکولیٹر کا بٹن دبا کر بتادیں گے۔ تاریخ بھی کیالیکولیٹر کی مدد سے بتائی جاتی ہے ہر جاپانی کی جیب میں ایک کیالکولیٹر رکھا ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ مشکل سے مشکل حساب کو آسان کیا جاتا ہے ہمارے دوست شیجی تاجیما نے ایک بار ہماری تاریخ پیدائش پوچھی ہم نے تاریخ بتائی تو آدھے سنٹ میں کیالکولیٹر کو زحمت دے کر بتادیا کہ ہم جمعرات کے دن پیدا ہوئے تھے۔ [۸]

جاپانی قوم نے مشینوں کے ذریعے خود اتنا جدید بنا یادیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جاپان میں چھوٹے کام سے لے کر بڑے سے بڑے کام کے لیے مشینیں دستیاب ہیں۔ اور اسی درآمد اور برآمد اسے وہ سالانہ ہزاروں میں

منافع کماتا ہے۔ وہی مصنف کے موقف کے مطابق جدید ہونے کے ساتھ ساتھ سہل پسند بھی ہوتے جارہے ہیں۔ تاکہ دماغ پر زیادہ زور نہ دیا جائے اور کم وقت میں جلد کام ہو جائے۔ مصنف گہرائی میں سوچتے ہوئے کہتے ہیں۔ کیا اب یہ ہر کام مشینوں کی مدد سے کرے۔ اس معاشرے نے جدید سے جدید تر آلات بنانے کا سلسلہ جو شروع کیا ہے وہ ابھی تک جاری ہے سفر نامہ مزید آوارگی میں جاوید دانش کہتے ہیں:

> آزاد صاحب ایک وینڈنگ مشین کے آگے رکے۔ اس میں چند سکے ڈالے اور اپنی پسند کی سگریٹ حاصل کرلی۔ ایسی مشینیں یورپ اور امریکہ میں بھی کافی مقبول ہیں مگر جتنی ورائٹی ٹوکیو میں دیکھی اور نہ کہیں دیکھی تھی۔ اسے مقامی لوگ جی ڈوہام بائیکی'' کہتے ہیں۔ میں روزانہ آتے جاتے بھانت بھانت کی ایسی مشینوں کو دیکھا کرتا تھا۔ آج رک کر اس کی حرکات دیکھنا چاہتا تھا۔ پاس میں ایک مشین نظر آئی جو دو حصوں میں بٹی تھی۔۔۔۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان مشینوں کی بھرمار تجارتی مقابلے کے لیے ہے یا یہ جاپانیوں کی برقی مشینوں سے جنون کی حد تک انسیت کا نتیجہ ہے۔ یا پھر اس سخت جان قوم نے نئی نسل کی اخلاقیات کا امتحان لینے کے لیے ان کے آگے مشینوں اور سنہری مواقع کا ڈھیر لگا دیا ہے۔۔۔ سیاح خصوصاً امریکی سیاح بہت دعا دیتے ہیں اور جاپانی مشینوں کی ۲۴ گھنٹے والی خدمت سے خاصے خوش نظر آتے ہیں۔[۹]

جاپانی قوم نے خود کو معاشی طور پر مضبوط اور مغربی دنیا میں اپنا نام بنانے کے لیے اتنی محنت کی ہے تاکہ پوری دنیا میں اُن کی محنت اور عظمت کو سراہا جائے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانی معیشت میں ترقی کا یہ عالم کہ جب اپالو دوئم چاند پر گیا تو اُس میں رکھنے کے لیے ایک چھوٹے ٹیپ ریکاڈر کی ضرورت تھی اتنا چھوٹا اور بلکل صحیح کام کرنے والا وہ ریکاڈر صرف جاپان بنا سکتا تھا۔ جاپانی کے کام کرنے کی استعداد باقی قوموں کی نسبت زیادہ ہے۔ جاپان میں کارکن کے لئے کم از کم دو گھنٹے زیادہ کام کرنا لازم قرار دیا جاتا ہے۔ اگر باقی مغربی ممالک میں سالانہ فی کارکن نے ۱۱ گاڑیاں تیار کرتا ہے تو جاپانی فی کارکن ۳۳ سالانہ گاڑیاں تیار کرتا ہے۔ جاپان میں بلٹ ٹرین گاڑی عام ہے جو ہر جاپانی استعمال کرتا ہے جس سے جاپانی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ جاپان کی ترقی کے حوالے سے ابن انشا دنیا گول ہے میں بیان کرتے ہیں:

> ایک بات ہم ابھی سے کہے دیتے ہیں۔ جاپان بڑا اور ترقی یافتہ ملک تو بن گیا ہے لیکن جلد ہی دوبارہ خطرناک ملک بھی بن سکتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جس ملک کے پاس زیادہ دولت ہو جاتی اسے وہ ہضم نہیں ہوتی اور ادھر ادھر نظریں ڈالنے اور ہاتھ پھیلانے لگتا ہے۔ جاپان نے دوسری جنگ میں شکست کھا کر بائیس برس تو گزار لئے اور چونکہ دفاع کا منا نہیں تھا سارا انتظام خدائی فوجدار و امریکہ دلوں نے اپنے سرے یا تھا۔ لہذا یہ اپنی اقتصادی اور صنعتی ترقی میں لگے

> ہوئے۔۔۔۔۔ دنیا کا سب سے زیادہ امیر اور ترقی یافتہ ملک اور آزادی کی روایات کا امین. لیکن جب
> وہ جنگی مشین کا پرزہ بن جاتے اور اس پر وحشت سوار ہو جائے تو۔۔۔۔؟[۱۰]

ابن انشا کے خیالات میں جب کسی قوم کے پاس زیادہ دولت آجائے تو ہضم نہیں ہوتی۔ یہ بات درست بھی کہ جب کوئی چیز وافر مقدار مل جائے تو پھر انسان غرور میں آجاتا ہے اور اُس کی نظروں میں اُس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اسی طرح جب جاپانیوں کے پاس جب دولت آئی تو وہ خود اس کو خرچ کرنے کے لیے اپنی عوام کو دینے لگا۔ اس بارے میں جاوید دانش مزید آوارگی کہتے ہیں:

> جاپانیوں کے پاس صنعت و تجارت کے حوالے سے اتنے پیسے جمع ہو گئے ہیں۔ ڈالر پونڈ وغیرہ بھی
> کہ حکومت خود لوگوں کو شوق دلاتی ہے کہ بھائیو۔ ملک سے باہر جاؤ اور پیسے خرچ کرو۔ ہر جاپانی
> آمدورفت کے خرچ کے علاوہ تین ہزار ڈالر فی کس خرچ کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔[۱۱]

جاپان میں جتنی زیادہ دولت کی فروانی ہے اور کرنسی دوسرے ممالک کی نسبت کم ہے اتنی ہی مہنگائی بھی زیادہ ہے۔ جاپان کا موجودہ دار لحکومت ٹوکیو دنیا کا مہنگا ترین شہر تصور کیا جاتا ہے۔ ٹوکیو شہر کی چار سو سال پُرانی تاریخ ہے۔ ٹوکیو کو ماضی میں EDO کہا جاتا تھا۔ Tokugawa leyasu توکوگاوالیاسو ٹوکیو کو معیشت اور سیاست کا مرکز بنانے والے حکمران تھے۔ اس شہر نے ترقی اور تباہی کی انتہائیں دیکھیں۔ سولہویں صدی میں لگنے والی آگ سے ایک لاکھ لوگ ہلاک ہوئے پھر اُس کے بعد بیسویں صدی کے زلزلے نے ٹوکیو شہر کے ایک لاکھ لوگوں کی جان لے لی اور پھر دوسری جنگ عظیم میں ہونے والی امریکی بمباری نے اس شہر کو کھنڈر بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مگر جاپانی قوم کا عزم تھا اس شہر کو پھر سے ترقی یافتہ بنانا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ ۱۹۵۱ء میں جب جاپان اور امریکہ کے درمیان امن معاہدے پر دستخط ہوئے پھر اُس کے بعد ٹوکیو میں ترقی ہونا شروع ہو گئی۔ مصنف یہاں جاپانیوں کے اپنے منفرد مزاحیہ انداز میں جاپانیوں کی حکومت کے بارے میں بتا رہے کہ یہاں کے حاکم بھی اپنی عوام کو خوش دیکھنے کے لیے انہیں مفید مشوروں سے نوازتی ہے۔

جاپان میں ٹیلیوژن سروس ۱۹۵۳ء میں شروع ہو گئی۔ جاپان اقوام متحدہ ۱۹۵۶ء میں بن گیا اور ٹوکیو شہر کی آبادی ایک کروڑ تک ہو گئی جس کی وجہ سے معاشی سرگرمیوں میں تیزی آگئی۔ یوں رفتہ رفتہ ٹوکیو مہنگائی میں بھی آگے نکل گیا۔ ٹوکیو کے مہنگائی کے حوالے سے ابن انشا ابن بطوطہ کے تعاقب میں یوں لکھتے ہیں:

> پہلے ایک ڈالر کے ۳۰۸ میں ملتے تھے اب ۲۶۲ - اُدھر ڈالر کے مقابلے میں ہمارا روپیہ گرا یعنی
> کہاں تو ڈالر میں پانچ روپے ہوتے تھے اب دس روپے ہونے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹوکیو ویسے ہی دنیا
> کا سب سے مہنگا شہر تھا، ہمیں اور مہنگا لگنے لگا۔ ہمارا ایک سوٹ وہ۔۔۔ ہم نے استری کرانے بھیجا تو

۲۳روپے کے برابر بل آیا۔ سوٹ کی ڈرائی کلینگ کے، ڈرائی کلینگ کے ۴۸روپے ہوتے ہیں اور اگر آپ زیادہ شوقین ہیں یعنی تھری پیس پہنے والے ہیں تو ۴۰روپے دیجئے بھائی پانچ روپے میں ڈرائی کلین ہوتی ہے اور ٹائیپر استری دو روپے میں کرائی جاسکتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ٹوکیو کا سب سے بڑا ہوٹل نہیں۔۔۔ مہانوں کے لئے یہ خاص رعایت بھی کرتے ہیں غالباً ۲۵ یا ۳۰ فیصد۔ پھر بھی رعایتی کرایہ ایک سو روپے روز ہے۔ بخت کر کے بغیر انڈے کا ناشتہ جو ہم لیتے ہیں، کم از کم میں روپے کا ہوتا ہے۔ ٹوکیو سے گردن پھر کر اپنے ملک کی طرف ہم دیکھتے ہیں تو ہر چیز سستی لگتی ہے؟[۳۱]

جاپان کی معیشت کا مرکز ٹوکیو ہے اور مہنگائی کا یہ عالم کہ ہر چیز کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں ایک عام انسان کے لیے ٹوکیو میں رہنا ناممکن ہے اسی مہنگائی کے بارے میں ابن انشا ایک جگہ اور کہتے ہیں کہ :

چونکہ یہ زمانہ جمہوریت کا اور عوام کا زمانہ ہے۔ ہوٹل بنانے کے بعد اس کا ماحول غریبانہ کر دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ انہوں نے پانی گرم کر کے نمک ڈال کے بھیج دیا کہ صاحب ہاٹ کنسومے سوپ حاضر ہے، ناچار نوش جان کیا۔ اس کا بل تھا ۵۰۰ این جمع ۱۵۰ این سروس جمع ۱۵۰ این میکس کل ۶۰۰ این یعنی ہمارے بیس روپے۔ یہاں ہوٹل کے کمرے کے داموں پر تو سروس چارج لگاتے ہی ہیں، اس سے زیادہ ایک اور چیز ہے اگر چھوٹی میں یعنی اللہ کے نام کی خیراتیاں ہیں اس تقریب سے اتنی خیرات کرنی پڑی کہ نعوذ خیرات مانگنے کے قابل ہو گئے۔ یہ حال تو دوسرے درجے کے ایک چھوٹے ہوٹل کا ہے بڑے ہوٹلوں کی باتیں اور بڑی ہوں گی)۔[۳۲]

ٹوکیو میں مہنگائی کی وجہ سے خوراک اور دوسری ضروریات زندگی حاصل کرنا ایک عوام کے لے مشکل ہے۔ ابن انشا بھی جاپان کی مہنگائی سے پریشان نظر آتے ہیں اُن کے بقول ٹوکیو میں مہنگائی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ گرم پانی میں نمک ملا کر دینے کے بھی ہوٹل والے پیسے لیتے ہیں۔ اسی مہنگائی سے پریشان ہو کر جاپانی دوسرے شہروں کا رُخ کرتے ہیں تاکہ زندگی کو بہتر بنایا جاسکے۔ یہاں پر آنے والے دیگر ممالک کے باشندوں کو مہنگائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ابن انشا بھی اسی مہنگائی کے بارے میں تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ کس طرح یہاں آنے والوں کو مشکلات پیش آتی ہیں۔ رہنے کے مسائل سے لے کر خوراک تک کے مسائل در پیش آتے ہیں۔ اس مہنگائی کے بارے میں ضیاء السلام انصاری چڑھتا سورج میں کہتے ہیں:

بتایا گیا ہے کہ ٹوکیو اور اوساکا سے بڑی تعداد میں لوگ آس پاس کے دیہی علاقوں یا چھوٹے شہروں میں منتقل ہوتے چلے گئے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ کاروبار اور روزگار کے مواقع اور زندگی کی سہولتیں ان علاقوں میں بھی فراہم ہو رہی ہیں اور یہ علاقے مہنگائی کے اعتبار سے زندگی گزارنے

کے لیے ٹوکیو اور اوساکا کے مقابلے میں بہتر جگہ بن گئے ہیں۔[۱۴]

ٹوکیو دنیا کا بڑا شہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ترقی یافتہ بھی ہے اس کے باوجود یہاں مہنگائی کی وجہ سے خوراک، رہائش اور دیگر ضروریات زندگی کے مسائل بہت زیادہ ہیں۔ مصنف کے موقف کے مطابق اسی مہنگائی سے بچنے کے لیے لوگ مجبوراً دوسرے شہروں کی طرف نقل مکانی کر گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں مہنگائی میں وہاں کی نسبت کمی ہے۔ اس مہنگائی سے ضیاء السلام انصاری بھی جاپان میں جا کر پریشان نظر آتے ہیں وہ اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

> ناشتہ کے مینو سے اپنی پسند کی چیزوں کا انتخاب کرتے وقت میں نے قیمتوں پر بھی نظر ڈالی جس سے اندازہ ہوا کہ ٹوکیو کے متعلق جو باتیں سن رکھی تھیں سب سو فیصد صحیح ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا شہر بھی ہے۔۔۔۔۔اور یہ بلاشبہ دنیا کا سب سے مہنگا شہر بھی ہے ناشتے کے بل کی تفصیلات سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دو ابلے ہوئے انڈے ۳۰۰ ین، دو توس مکھن اور تھوڑا سا جام ۲۵۰ این،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے کی ایک ہزار نو ین ہو گئے اس پر دس فیصد سروس چارج ملا کر کل رقم دو ہزار نو ین بن گئی، یہ سات ڈال یعنی تقریباً ستر روپے کا بل ہو گیا اب اس پر آپ کو ٹپ دینے کی ضرورت نہیں،۔۔۔۔۔۔۔یہاں بہت سنا ہے صرف سو ینیعنی تقریبی سا تین روپے میں مل جاتا ہے۔[۱۵]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ٹوکیو میں مہنگائی سے وہاں کی رہنے والی عوام کے ساتھ دیگر ممالک سے جاپان کی سیاحت کو جانے والے لوگ بھی نالاں نظر آتے ہیں۔ اس کے باجود دنیا کے سب زیادہ قابل رہائش (Liveable) شہروں میں ٹوکیو کا شمار ہوتا ہے۔ ٹوکیو کو اپنی اہمیت کے پیش نظر عالمی معیشت میں لندن اور نیویارک کے ساتھ دنیا کے تین مراکز امر میں شمار ہوتا ہے۔ ٹوکیو کے بارے میں بیان ہے:

> انسانی وسائل سے متعلق ایک ادارے mercer اور معیشتداں مخابراکائی(economist intelligence unit) کے تجزیہ نگار برائے رہن سہن کے اخراجات (-cost-of living) کے مطابق ٹوکیو کو غیر ملکی ملازمین کے لیے دنیا کا مہنگا ترین شہر قرار دیا گیا ہے۔[۱۶]

ٹوکیو ترقی یافتہ شہر ہے جہاں پر لوگ رہنا پسند کرتے ہیں اس شہر نے ترقی اور بربادی ساتھ ساتھ دیکھی ہے اس لیے یہ شہر جدید ٹیکنالوجی کا مرکز ہے۔ مہنگائی کے بارجود لوگ یہاں سیاحت کو آتے ہیں اور غیر ملکی ملازمین یہاں رہتے ہیں۔ یہ بڑا دلچسپ شہر ہے ٹوکیو کرہ ارض پر سب سے زیادہ متحرک اور رہنے کے قابل شہروں میں سے ایک ہے۔ جاپان نے دوسری جنگ عظیم میں ناکامی کے بعد اپنی شکست اور نفرت کو فن، سائنس، علم اور معیشت میں تبدیل کر دیا اور جاپان کے پاس قدرتی وسائل زیادہ نہ تھے مگر جاپانی قوم نے اپنے ملک کی عزت و غیرت، محنت

، جفاکشی اور خلوص و امانت کے ذریعے اپنے وطن کی تعمیر کی۔ جاپان نے جنگ کے بعد جو معاشی اور سائنسی میدان مین ترقی کی ہے۔ٹوکیو اس کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ٹوکیو جاپان کا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے اس ملک کی نمائندگی کرتا ہے اور مہنگائی میں بھی۔اس حوالے سے محمد اختر ممونکا اپنی سفر نامہ سفر تین درویشوں کا میں لکھتے ہیں:

> جاپان دنیا کا مہنگا ترین ملک۔۔۔ٹوکیو جاپان کا مہنگا ترین شہر اور گنزا اس شہر کا مہنگا ترین بازار ہے ۔یہاں زمین سینٹی میٹر کے حساب سے بکتی ہے۔لیکن اس مہنگائی کے باوجود یہاں جنرل سٹور بھی ہیں جو ایکڑوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔گو ان کا پھیلاؤ لمبائی چوڑائی کے بجائے اونچائی میں ناپا جاتا ہے ۔ایسے بازار میں تو ونڈو شاپنگ کرنے سے ہی دل بیٹھ بیٹھ جاتا ہے۔[۱۷]

مندرجہ بالا اقتباس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جاپان اور اس کے شہر کتنے مہنگے ہیں۔ مگر غیر ملکی پھر بھی جاپان کے شوق اور محبت سے آتے ہیں اس کی ایک وجہ جاپانیوں کا خلوص اور بے لوث محبت ہے۔اور دوسری یہاں کی ترقی ہے۔مصنف کی رائے کو دیکھا جائے تو وہ انتہائی غور و فکر اور ارد گرد سے چھان بین کرنے کے بعد ٹوکیو جیسے ترقی یافتہ شہر کی مہنگائی کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ کس طرح اس شہر میں مہنگائی کا عالم ہے۔جاپانیوں کی محبت اور خلوص سے متعلق مجتبیٰ حسین کہتے ہیں:

> یوں بھی ٹوکیو میں ہمیں جاپانیوں کی محبت اور خلوص کے سوائے کچھ نہیں خریدنا تھا۔کیوں کے یہی وہ شئے ہے جس پر وطن عزیز میں کسٹم والے کوئی ڈیوٹی نہیں لگاتے۔وہ لاکھ تلاشی لیں مگر ہمارے دل میں چھپی ہوئی محبت کی دولت کو کہاں پکڑ سکتے ہیں پھر سو باتوں کی ایک بات یہ کہ دن بھر میں تین وقت کا کھانا خریدنے کے بعد ہماری جیب میں کوئی اور چیز خریدنے کی گنجائش کہاں باقی رہتی تھی۔[۱۸]

دیکھا جائے تو مہنگائی کے اعتبار سے یہ گراں ترین شہر ہے مگر وہاں کے لوگوں کی آمدنیاں بھی اسی لحاظ سے زیادہ ہیں۔اور مجموعی طور پر لوگ خوشحال ہیں۔ محنتی اور فرض شناس لوگ ہے۔اپنے اپنے کام کو ایمانداری سے انجام دیتے ہیں۔اس لیے انہوں نے اپنے تباہ حال ملک کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ٹوکیو اور اس کے ارد گرد میں ہائی ویز کا نظام بڑا مضبوط ہے۔ جس کے ذریعے دور دراز آنے جانے والوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔ مگر ان ہائی ویز کو استعمال کرنے کے لیے جو ٹول ٹیکس دیا جاتا ہے وہ انتہائی مشکل ہوتا ہے خاص طور پر غیر ملکیوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتا ہے۔جاوید دانش اپنے سفر نامہ مزید آوارگی میں لکھتے ہیں:

> میں نے چلتے چلتے پوچھا کہ اس بس،ٹرین،اور ٹیکسی کا کرایہ تقریباً کیا ہوگا۔۔۔ محترمہ نے دوبارہ کسی چارٹ پر دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے کہا ہے یہی کوئی ڈھائی تین ہزار ین اس کے بعد لڑکی نے کیا کچھ کہا مجھے سنائی نہیں دیا مگر یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ والا ٹائٹل چند دنوں کا مہمان ہے۔ابھی میں ایئر

پورٹ سے باہر نہیں آیا تھا اور پانچ ہزار ین اپنی خوشی خرچ کر چکا تھا۔ سنا تھا ٹوکیو بہت مہنگا شہر ہے
مگر اب یقین ہو چلا ہے کہ یہ دنیا کا مہنگا ترین شہر ہے۔[19]

ٹوکیو میں رہنے والے غیر ملکی کے لیے مہنگائی نا قابل برداشت ہوتی ہے اس لیے وہاں پر رہنے اور پڑھنے جانے والے ٹوکیو کی مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لیے پارٹ ٹائم جاب کرتے ہیں۔ اس صنعتی ملک کا المیہ بہت زیادہ کام کرنا ہے۔ انہوں اپنے حالات سخت محنت اور لگن سے بدلے ہیں اور اپنی معیشت کو مضبوط بنایا ہے۔ جاپان کی ترقی کا جائزہ لیا جائے تو جاپانی فرد اور قوم دونوں حیثیتوں سے ایماندار ہیں۔ دوسری جنگ کی شکست اور ایٹم بم سے تباہ شدہ اس ملک کی معاشی قوت اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے ملک بھی اس قوت سے خوف زدہ ہو گئے ہیں ۔ان کی مضبوط معاشی ترقی کا ایک سبب ریلوے اسٹیشن بھی ہے جس کی آمدنی سے ان کی معیشت میں اضافہ ہوتا ہے۔

''محمد اختر مومنکا'' اس حوالے سے سفر تین درویشوں کا میں لکھتے ہیں:

ٹوکیو کا شنجوکو' ز میندوز ریلوے سٹیشن دنیا کا مصروف ترین ریلوے سٹیشن ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اس کے پلیٹ فارم ہر صبح دفتر کھلنے سے پہلے اور شام دفتر بند ہونے کے بعد چھتیس لاکھ مسافروں کی گزر گاہ ہوتے ہیں۔ ویسے بھی ٹوکیو کے بارے میں مشہور ہے کہ چھٹی کے دنوں کے علاوہ اس شہر کی آبادی دن کے وقت دگنی ہو جاتی ہے کیونکہ گردونواح میں میلوں دور بسنے والے لوگ ٹرینوں پر تین تین گھنٹوں کی مسافت طے کر کے ہر صبح ٹوکیو آتے ہیں اور کام ختم کر کے ہر شام اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے ٹرینیں سارا دن مچھلی کے ڈبوں کی طرح ہر وقت کھچا کھچ بھری رہتی ہیں۔[20]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپانی محنت کش قوم ہے وہ دن رات محنت کر کے اس مقام پر پہنچی ہے کہ اب دنیا کے ہر ملک میں جاپان کے چرچے ہیں۔ جاپان کی حکومت نے اپنی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے بھاری صنعتیں قائم کیں۔ اور ساتھ ہلکی صنعتوں کی طرف مائل ہوئی۔ اس کا مقصد دوسرے ملکوں کی اقتصادی پالیسی کی ضد تھا۔ جاپان نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنی معیشت کو روزمرہ کے استعمال کی چیزیں پیدا کر کے مستحکم کیا۔ کیوں کی جاپان اپنی معیشت صرف قدرتی صنعتوں اور زراعت کے ذریعے چلا سکتا تھا۔ اس لیے جاپان نے الیکٹرونک اور آٹوموبائل انڈسٹری قائم کی۔ جاپان کی معیشت کے بارے میں ضیاء اسلام انصاری لکھتے ہیں:

جاپان کی معیشت صنعتی ہے۔ پیداوار میں یہ ملک فولاد سازی، موٹر سازی مشینری، جہاز سازی، اور کیمیکل، ٹیکسٹائل، سرامکس کے علاوہ کیمرے، گھڑیاں اور الیکٹرونک کا سامان تیار کرنے میں دنیا میں سب سے آگے ہے۔[21]

جاپان نے معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے اپنی مصنوعات کی کوالٹی پر توجہ مرکوز کی۔اور یوں کوالٹی میں ترقی کی بنیاد پر جاپانی مصنوعات بہت جلد دنیا میں مقبول ہو گئیں۔اور جاپانی الیکٹرونکس اور آٹو موبائل کی مصنوعات ہر طرف معیاری سمجھی جانے لگیں۔ جس سے جاپان کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔جاپان میں لوگ یہ مصنوعات سبزیوں کی طرح خریدتے ہیں۔ان مصنوعات کے حوالے سے "بیگم اختر ریاض الدین" اپنے سفر نامے سات سمندر پار میں لکھتی ہیں کہ :"اس کے ریڈیو ٹیپ ریکاڈر،ٹرانزسٹر،ٹی وی،ریڈیو گرام یورپین اور امریکی معیار پر پورا اترتے ہیں اور قیمت میں کہیں سستے ہیں۔"[۲۲]

جاپانی قوم محنتی ہے اور محنت اور لگن سے اس نے دنیا میں ترقی کی ہے۔الیکٹرونک اشیاء کے حوالے سے" مجتبیٰ حسین" جاپان چلو جاپان چلو میں لکھتے ہیں کہ :"مانا کہ جاپان الکٹرونک اشیاء کی تیاری کے مقابلے میں اس وقت دنیا میں سب سے آگے ہے۔دنیا بھر میں کی سیکو اور سٹی زن گھڑیاں، نیشنل پیناسونک ریڈیو،ہٹاچی اور سونی کے ٹرانزسٹروں،یشیکا کے کیمروں،ٹویوٹا اور ڈٹس کی موٹروں کی دھوم ہے۔"[۲۳]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاپانیوں نے صنعتی میدان میں کس قدر ترقی حاصل کر لی ہے۔اور یہ سب جاپانیوں کی اپنی محنت کا ثمر ہے۔ جاپان کے معاشی ارتقاء کو دیکھیں تو جاپان میں کوئی عوام کا انقلاب یا احتجاج نظر نہیں آتا اور نہ کوئی تحریک وجود میں آئی۔ جاپان کی صنعت میں فروغ بھی باقی دنیا کے ممالک خاص طور پر یورپ سے مختلف ہے ۔دوسری عظیم جنگ کے بعد، جاپان کا معاشی نظام کامیابی کی سوچ پر مبنی ہوا۔اس جنگ نے جاپان کی معاشی تنظیم، تجارتی نظام اور صنعتی قوت پر زور دیا۔دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کو معاشی مشکلات پیش آئی۔ جاپان نے جنگ کی تباہ کاریوں کا سامنا کیا جس نے ملک کی توانائیوں کو متاثر کیا۔امریکی حکومت نے جاپان کو معاشی بحران سے نکلنے میں مدد کی اور مختلف اقدامات اٹھائے جیسے کہ مالی مدد، اقتصادی آزادی اور صنعتی تنظیموں کی حمایت کرنا۔جاپان نے اپنی تجارتی بنیادوں کو مضبوط بنایا اور پھر سے صنعت کے میدان میں ترقی کرنے کی کوشش کی اور زیادہ سے زیادہ تجارتی اتحادوں کے ساتھ اقتصادی تعاون کیا۔

جاپان کے معاشی نظام نے پھر سے روشنی پائی جب وہ بہترین قوتوں میں سے ایک بن گیا جاپان نے صنعت کو مرکزی حصے میں شامل کرنے کیلئے مختلف اقدامات کیے۔ جن میں ٹیکسٹائلز، موبائل ٹیلیفونز، موٹر گاڑیوں اور دیگر مصنوعات کی تیاری کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی۔ جاپان کی سرمایہ کاری نے ملک کو معاشی توانائی فراہم کی۔اور آخر کار جاپان کی معیشت دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اب تک روبوٹکس، آرٹیفیشل انٹیلجنس اور بائیو ٹیکنالوجی جیسی جدید صنعتوں پر رائج ہے۔عام طور پر یہ صنعتیں اسٹارٹ اپس (Startups) کے ذریعے آئے دن نئی مصنوعات کو متعارف کروا رہی ہیں اور جاپانی نوجوان ان اسٹارٹ اپس کو چلا رہے ہیں۔ جس سے جاپانی کمپنیاں

ان میں مسلسل سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔یوں جاپان دنیا کی تیسری بڑی معیشت بن گیا۔جاپان نے اپنے آج اور کل کی بنیاد نوجوان نسل کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے رکھی ہے اور اُس کے لیے اُنہوں نے منفرد تعلیمی نظام متعارف کروایا ہے۔اب ہم جاپان کے صنعتی معاشرے میں سماجی تغیرات کا مطالعہ کریں گئے۔

صنعتی معاشرے میں سماجی تغیرات کا مطالعہ:

صنعتی معاشرہ ایسا معاشرہ ہے جہاں لوگ فیکڑیوں اور دیگر صنعتی سہولیات میں کام کرتے ہیں۔یہ بہت سی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔یہاں پر مصنوعات بنانے کے لیے بڑے پیمانے پر پیداوار اور تکنیک استعمال کی جاتی ہیں۔صنعتی معاشرے کی دیگر خصوصیات میں بجلی کے زرائع جیسے کوئلہ، تیل اور قدرتی گیس اور مختلف سامان بنانے کے لیے مشینوں کا استعمال کیا جاتا ہے نیز صنعتی معاشرے میں زیادہ تر لوگ فیکڑیوں یا دفاتر میں کام کرتے ہیں یہ خصوصیات صنعتی معاشرے کی پہچان ہیں۔

صنعتی معاشرے میں سماجی رویوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔معاشرے کی ترقی میں سماج کی اہمیت سے انکار نہیں جس طرح کا سماج ہو گا ویسے ہی معاشرہ ترقی کرے گا اسی طرح جاپان کے صنعتی معاشرے میں بھی سماج کا رویہ اہمیت رکھتا ہے۔یہ صنعتی سوچ کو ۱۹ ویں صدی کے آخر میں اختیار کر چکا تھا اور ایک طاقتور سماج کی شکل اختیار کر کے سامنے آرہا تھا۔اس ترقی اور طاقت کو حاصل کرنے کے پیچھے جس سوچ کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ سوچ بنتی کیسے ہے، اس سیاسی ماحول کی تعریف ماہرین کچھ یوں کرتے ہیں:

> کسی بھی قوم کی تاریخ کو سمجھے کا انداز، بنیادی معاشرتی عقائد، قومی شناخت کا مرکز، وفاداریاں، سیاسی اور عوامی اداروں کا شعور، روح، خلوص اور جذبہ، تاریخی ناکامیوں سے اخذ نتائج اور مستقبل کی حکمت عملی۔[۲۴]

قوم کا مزاج یہ عوامل کر بناتے ہیں اور پھر دنیا میں جا کر وہ قوم کوئی کردار ادا کرتی ہے۔دوسری جنگ عظیم میں شکست اور ناکامی نے جاپان کو ایک نئے رنگ میں ڈھال دیا اس نئے کردار کو بھی جاپان نے بڑی اچھی طرح نبھایا۔جاپانی قوم کو ترقی یافتہ ممالک کے صنعتی استحکام اور اپنی صنعتی پستی کا احساس ہو گیا تھا۔اور انہوں نے یہ بات ذہن نشین کر لی تھی، کہ جب تک ملک صنعتی نقطہ نظر سے ترقی نہ کرے تب تک سیاسی اور معاشی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔جس سے عوام میں ترقی کے قوی جذبات واحساسات نے جنم لیا جن کی بنا پر صنعتی معاشرہ تشکیل ہوا۔صنعتی معاشرے کو ترقی یافتہ بنانے کے لیے سماجی رویوں کی زیادہ اہمیت ہے۔کیونکہ معاشرے کی ترقی کا دارومدار سماج پر ہوتا ہے یعنی وہ

کتنا معاشرے کو آگے بڑھانے کا خواہشمند ہے۔اب ہم صنعتی معاشرے میں سماج کے رویوں کا مطالعہ کریں گے کہ سماج کے کون سے رویے ہیں جو صنعتی معاشرے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

صنعتی معاشرے میں سماجی رویوں کے مطالعے کے حوالے سے خواجہ محمد زکریا نے آج کا جاپان عامر بن علی کی کتاب کو بے حد پسند کیا اور اس میں جاپان کے سماج کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> جاپانی نسل کے لوگ ایک ہی طرح سوچتے اور مختلف معاملات میں بہت حد تک ایک جیسا رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں افراد کے اختلافات سطحی ہیں اور سطح کے نیچے یک جہتی ہے۔ جاپانی قوم قانون پسند، متحمل، نرخو، مستقبل بین، محنتی اور دھیمے مزاج کی حامل ہیں۔ غیر ضروری جذباتیت سے دور اور بے کار سیاسی و مذہبی مناقشات سے نفور ہیں۔[۲۵]

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے خواجہ محمد زکریا نے نہ صرف اس کتاب کا بخوبی مطالعہ کیا ہے بلکہ جاپانی سماج کو بھی قریب سے دیکھا کیونکہ انہوں نے جاپان میں استاد کی حیثیت سے اپنی زندگی کے چار سال گزارے ہیں اس لیے وہ جاپانیوں کے رویوں، ذہنیت اور ان کے امور کو جانتے ہیں کہ یہ سماج کس قدر محنت و مشقت کرنے والا ہے۔ان رویوں کا باقی ممالک سے منفرد ہونے کی بنا پر ہی جاپان نے کم وقت میں زیادہ ترقی کی۔جو محنتی، قانون کا احترام کرنے والا ملک ہو گا اس کا معاشرہ ترقی یافتہ ہو گا۔ترقی کے جذبات اس وقت تک حقیقی شکل اختیار نہیں کرتے جب تک سماج کے حاکم و محکوم دونوں میں زرعی اور زراعت کے مابین اشتراک نہ پایا جائے اگر صرف اس سماج کی رعایا ترقی کی خواہشمند ہو اور حکومت لاپرواہ رہے یا صرف حکومت ہی اپنی طرف سے امکانی کوشش کرے اور سماج اس کا ساتھ نہ دے پھر خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔جاپان اس لیے دوسری جنگ عظیم کے بعد نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کر سکا کہ حکومت اور سماج کے درمیان مکمل اشتراک تھا۔جاپانی سماج کے متعلق ضیاءالاسلام انصاری اپنی تصنیف چڑھتا سورج میں لکھتے ہیں:

> جس طرح جاپانی مصنوعات کی بے شمار قسمیں ہیں اسی طرح جاپانی قوم کی ترقی کے بے شمار راز ہیں اور ان کو گنا اور بیان کیا جا سکتا ہے۔کاغذ پر لفظ کی شکل میں لکھا بھی جا سکتا ہے لیکن ان کی اس جادوئی قوت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا جو انہوں نے جاپانی معاشرہ کو عطا کی ہے مثلاً وقت کی قدر محنت کی عظمت، بڑوں کا احترام، چھوٹوں سے شفقت، فرائض کی بجاآوری میں دیانت، انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینا قومی مفاد کے لیے قربانی و ایثار۔[۲۶]

مصنف کے بیان کے مطابق جاپانی سماج کی قوت اور ترقی کا راز وقت کی قدر، ایک دوسرے کا احترام،

ایمانداری اور مل جل کر کام کرنا ہے جب ساری قوم مل کر ایک ہی مفاد پر کام کرے گی، یعنی انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو اہمیت حاصل ہو گئی، تو وہ سماج ترقی کی کٹھن منزلیں آسانی سے طے کر سکے گا۔ یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ یہاں پر اجتماعی اور قومی مفاد کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ جاپان میں حکومت کے ہر حکم پر جاپانی عوام اپنی دل و جان سے حکم کی بجاآوری کے لیے تیار رہتی ہے۔ اس لیے سماج اور حکومت نے مل کر کام کیا۔ اپنے حاکم کی بات پر عمل کر کے اجتماعی مفاد کے لیے اپنی سوچ کا دائرہ وسیع کیا جس کا مفید اثر صنعت و حرفت پر پڑا اور صنعتی میدان میں جاپان نے ترقی کی۔ مصنف جاپان کی ترقی کے رازوں سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس ماحول کو قریب سے جانتے ہیں جن کی بدولت اس قوم نے ترقی کی اس لیے وہ ان اقدار کا ذکر کر رہے تاکہ ان کو اپنا کر کوئی بھی ترقی پذیر معاشرہ ترقی کر سکے۔ اس لیے اپنے قاری کو وہ ان کے متعلق بتاتے ہیں، کہ وہ ان سے استفادہ حاصل کر سکے۔ ضیاء الاسلام انصاری اس اجتماعی پہلو کے حوالے سے مزید بیان کرتے ہیں:

> جاپانی معاشرے میں اجتماعی فیصلوں اور اجتماعی رویہ اور اجتمائی مفاد کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ بچوں کو گروپ کے ساتھ رہنا اور گروپ کے فیصلہ کے مطابق کام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ شہروں کے محلوں اور بلڈنگوں اور دیہات میں ہر جگہ لوگ فوری طور پر جمع ہو کر مسائل پر غور اور فیصلہ کرنے کے عادی بن چکے ہیں۔[۲۷]

جاپان میں ابتدا سے ہی بچوں میں یہ عادت ڈال دی جاتی ہے کہ وہ انفرادی سطح کے بجائے اجتماعی سطح پر سوچے اور فیصلے کریں، نہ صرف اپنے لیے بلکہ ملکی مفاد کو بھی سامنے رکھے۔ مصنف جاپانی سماج کی سب بڑی خوبی اور ترقی کا راز اجتماعی رویوں، فیصلوں اور اجتماعی مفاد کو دیتے ہیں ضیاء اسلام انصاری ان رازوں کی کھوج لگا رہے ہیں کہ آخر جاپانیوں نے اتنے کم وقت میں کس طرح صنعتی میدان میں ترقی کی ہے۔ اس غرض سے وہ بڑے بڑے کارخانوں میں گئے تاکہ ترقی کرنے کے اسباب کو قریب سے جان سکے ان نکات کو جاننے کے بعد وہ اپنے سفر نامے میں بتاتے ہیں۔ تاکہ اس کے مطالعے کے پاکستان اور دیگر ممالک ان قدروں کو اپنا کر ترقی کر سکیں۔ اسی سلسلے میں رفیق ڈوگر اپنی تصنیف جاپان نورد میں جاپانی سماج میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کس طرح وہاں طلبہ کو انفرادی خودی کے بجائے اجتماعی ترقی حاصل کرنے کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے مصنف لکھتے ہیں:

> ان کے سکولوں میں بچوں کو روز ازل سے اجتماعی علم اور اجتماعیت کی تعلیم دی جاتی ہے شخصیت کی تعمیر کی بجائے اجتماعی تعمیر و ترقی کا سبق دیا جاتا ہے۔ سکول میں کلاس روم کی صفائی پر استانی دو چار لڑکوں کو نہیں لگاتی بچوں کو صفائی کا فرض سونپ کر خود سویٹر بننا شروع نہیں کر دیتی۔ آؤ بچو ہم اپنا

کمرہ صاف کریں۔وہ خود صفائی شروع کرتے ہوئے کہتی ہے۔کمرہ خواہ دس پندرہ فٹ ہی کا ہو سب طلبہ مل کر اس کی صفائی کرتے ہیں۔[۲۸]

اس پیراگرف سے مصنف کی اس معاشرے کی بابت تفصیلی معلومات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح انہوں نے باریک بینی سے وہاں کی جزیات نگاری کی ہے۔وہ ایک صاحب نظر ہی کر سکتا ہے۔مصنف کا تعلق چونکہ صحافت سے بھی ہے،اس لیے انہوں نے معاشرے کا ہر لحاظ سے گہرا مشاہدہ کرنے کے بعد وہاں کی خصوصیات بتائی ہیں۔جن کی بنا پر انہوں نے اپنے معاشرے کی اصلاح کر کے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔جب ایک معاشرے میں ابتدا ہی سے بچوں کو باہمی اتحاد کے ساتھ فرائض کی انجام دہی کا درس دیا جائے گا،تو پھر اُس کی کامیابی یقینی ہو گی۔جو کام مل جل کر کیا جائے،ایک دوسرے کا خیال رکھا جائے،کام چوری کے بجائے محنت اور لگن سے کام کیا جائے۔تو اس کام کی تکمیل لازمی ہو گی اور سماج خوشحال زندگی گزارے گا۔اجتماعیت کے حوالے سے ضیاءالاسلام انصاری اپنے سفر نامہ میں یوں بیان کرتے ہیں:

> جاپان کا معاشرہ صحیح معنوں میں ایک اجتماعی معاشرہ ہے جس میں لوگ مل جل کر رہتے ہیں لوگ اپنی اپنی جگہ چھوٹے سہی لیکن انہوں نے معاشرے اور قوم کو بڑا بنالیا ہے اس لیے جاپان میں بہت بڑے لوگ نہیں پائے جاتے مثلاً کوئی بین الاقوامی اہمیت کا حامل پروفیسر سائنسدان اور موجد نہیں،کوئی بین الاقوامی معیار کا عظیم الشان سیاسی رہنما نہیں لیکن بین الاقوامی سطح پر جاپانی قوم ہر میدان میں دوسری قوموں کا مقابلہ کرتی ہے۔[۲۹]

جاپان ایک باہمت ملک ہے۔یہ سماج محنت پر یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ محنت کرے تو سب حاصل ہو گا اس قوم نے تباہی کے بعد کسی کی مدد کا انتظار نہیں کیا بلکہ اپنے زخموں پر خود مرہم لگائے اور پھر سے اپنے ملک وملت کی ترقی کرنے میں لگ گئے اس ملک میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں نہ یہاں کوئی سائنسدان پروفیسر ہے اور نہ موجد بلکہ یہ ایک ایسا سماج ہے،جہاں لوگ مل جُل کر اپنے معاشرے اور قوم کی ترقی کے لیے محنت کرتے ہیں۔یہ قوم ہر میدان میں آگے نکلنے کے لیے دن رات جدوجہد کرتی ہے۔

یہاں پر ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا رویہ نہیں اختیار کیا جاتا۔اس بارے میں مصنف کا نقطہِ نظر بھی یہی ہے کہ اس قوم کے رویوں میں انفرادیت کا عنصر پایا جاتا ہے،یہی رویہ اس کو باقی اقوام سے منفرد کرتا ہے۔اگر پاکستان بھی ان رویوں کو اپنا لے اور انفرادی سطح پر نہیں بلکہ اجتماعی سطح پر اپنے ملک کو ترقی دینے کے لیے مل کر کام کرے تو بہت جلد ہمارا ملک بھی ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں آسکتا ہے۔اس بارے میں مُحمد اختر ممونکا اپنے سفر نامہ سفر تین درویشوں کا میں بیان کرتے ہیں: "جاپان بیسویں صدی کا

صنعتی معجزہ ہے جو کسی پیغمبر کے سبب نہیں ہوا بلکہ عام انسانوں نے کر کے دیکھایا ہے۔ایسے معجزے اسی صورت میں رونما ہو سکتے ہیں جب انفرادی خود غرضی ختم کر کے اجتماعی ترقی کو ترجیح دی جائے۔ [۴۰]

مصنف کے بقول جاپانی سماج نے اپنے معاشرے کو صنعتی بنانے کے لیے اپنے رویوں اور سوچ کو انفرادیت کے بجائے اجتماعیت میں تبدیل کیا ہے اس سماج نے صحیح معنوں میں ایسے معجزے کیے ہیں۔ کہ جو انسانوں کے لیے ناممکن تھے، مگر جاپانی سماج نے ہمت اور حوصلے سے اپنے ملک کو صنعت و حرفت کا پیکر بنا دیا ہے۔ مصنف کے بقول اگر انسان صرف اپنے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنی سوچ کو قومی سطح پر رکھ کر سوچے تو وہ قومیں ہمیشہ ترقی کرتی ہیں، کیوں کہ ان کا مفاد اجتماعی ہوتا ہے۔ایک ملک کی بیسویں صدی میں اتنی بڑی تباہی کے بعد غیر یقینی ترقی کو مصنف نے معجزے سے تشبیہ دی ہے۔ایسی ترقی کسی معجزے سے کم نہیں۔ایک صنعتی معاشرے میں کس طرح کے سماجی رویے جنم لیتے ہیں یا اس معاشرے کا سماج کس طرح کا ہوتا ہے۔اس کے بارے میں ڈاکٹر آصف محمود جاء اپنی تصنیف سنگا پور سے جاپان میں یوں بیان کرتے ہیں: ''جاپان کے لوگ انسانیت سے محبت کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں جاپانی ادارے غریب ممالک میں لوگوں کی حالت سدھارنے کے منصوبوں پر لاکھوں ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ [۴۱]

مصنف کے بیان کے مطابق جاپان کے صنعتی میدان میں ترقی کی وجہ انسانیت سے محبت بھی ہے۔ جاپانی سماج کے رویے صرف اپنے ملک کے ساتھ ہی بہتر نہیں بلکہ دوسرے ممالک کے ساتھ بھی وہ محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں اور ان کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں۔اُن کا رویہ ہر ایک سے برابر ہوتا ہے۔ سفر نامہ نگار نے جس خوش اسلوبی سے جاپانیوں کی انسانیت کا ذکر کیا اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود بھی انسانیت سے محبت کرنے والے ہیں جب وہ خوبی اپنے اندر موجود ہوتی ہے تو اسی صورت میں وہ سامنے والے میں بھی نظر آتی ہے ڈاکٹر آصف محمود جاء کسٹم آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کرنے والے ہیں۔ نہایت حلیم مزاج اور بر باد دوسروں کی مدد کے لیے پیش پیش رہنا،ان کی بنیادی خصوصیات ہیں۔انہی خوبیوں کی بنا پر انہوں نے جاپانی سماج کا بھی مطالعہ کی،اور ان کے فلاحی کاموں کو اپنے سفر نامہ میں لکھ کر پذیرائی بھی کی ہے۔جاپانی معاشرے میں جس طرح صنعت وحرفت کو ترقی ملی اس کے پیچھے جاپانی سماج کی محنت و عظمت کارفرما ہے۔ جس طرح اس سماج نے اپنے ملک کو دوبارہ ترقی یافتہ بنانے کے لیے ایک جان ہو کر محنت کی شاید کوئی دوسری قوم یہ سب نہ کر سکے۔جاپانیوں کے بارے میں ڈاکٹر آصف محمود جاء اپنے سفر نامہ چڑھتے سورج کے دیس میں رقم طراز ہیں:

> جاپانیوں میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ ذرا سا کوئی کام کریں گے تو فوراً آپ کو داد دیں گے۔
> اس سے بندے کو حوصلہ ملتا ہے اور یوں وہ مزید محنت کر کے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔
> [۴۲]

مندرجہ بالا اقتباس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جاپانی سماج میں محنت کو کس طرح سراہا جاتا ہے ،تاکہ محنت کرنے والے کو حوصلہ ملے ،وہ زیادہ محنت اور لگن سے کام کرے۔اس لیے اس ملک کے تمام افراد چھوٹا سا بھی کام کرے، تو اس پر بھی ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ چونکہ مصنف خود ایک بہت ہی مشفق انسان ہونے کے ساتھ دوسروں کی حوصلہ افزائی کرنے والے ہیں۔اس لیے انہیں جاپانیوں کے اس وصف نے متاثر کیا ہے۔یعنی اگر یہی معیار پاکستانی عوام کی سوچ میں میں سراہیت کر جائے تو پاکستانی معاشرہ بھی ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے گا۔ جاپانی سماج کے ایک اور طریقے کے بارے میں ڈاکٹر آصف محمود جاء اپنے سفر نامہ چڑھتے سورج کے دیس میں لکھتے ہیں:

> جاپانی لوگ ہر کام بڑی خوش اسلوبی اور چابک دستی سے کرتے ہیں۔ یہاں کا طرز تعمیر بہت اچھا لگا۔جب بھی کوئی نئی بلڈنگ بنا شروع ہوتی ہے یا کوئی اسی طرح کا کام شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس سے دوسرے لوگوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ کئی جگہ سڑکیں بھی بنتی دیکھیں مگر مجال ہے کہ ٹریفک کا کوئی مسلہ پیدا ہوا ہو۔ [۳۳]

ایسا معاشرہ جس نے کم وقت میں اتنی ترقی کی اور دنیا کی تیسری بڑی معیشت بن گیا اس کی وجہ اس معاشرے کے افراد ہیں۔ جنہوں نے جنگ میں اپنے پیاروں کو کھویا اپنے ملک کو تباہ و برباد دیکھا۔اس کے باوجود ہمت اور حوصلے سے اپنے ملک کی بقاء کے لیے محنت کو جاری رکھا،اور ایک دوسرے کی مدد کر کے پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کیا۔ اعلیٰ اخلاق،نرم دلی اور ایمانداری جیسی خصوصیات ہی اس قوم کو باقی اقوام سے ممتاز کرتی ہیں۔ صنعتی معاشرے میں جاپانی سماج کے رویوں کا مطالعہ کرے تو معلوم ہوتا ہے جاپانیوں کی ساری ترقی کا دارومدار ان کی زندگی کے وہ اصول ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے صنعتی معاشرے کو تشکیل دیا ہے۔ دیکھا جائے تو جاپانی معاشرہ ایک غیر مسلم معاشرہ ہے لیکن اس کے تمام اصول اسلامی ہیں جن پر وہ عمل کر کے ترقی کا علمبردار بن گیا ہے۔ جبکہ پاکستان اسلامی جمہوریہ ملک ہے جس کے تمام قوانین وضوابط اسلامی ہیں مگر اس کے باوجود ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔انہی وجوہات کی بنا پر ۷۳ سال سے آزاد ملک ہونے کے باجود اس ملک کے آئین یا قانون کی عوام یا حکومت پاسداری نہیں کرتی۔اس حوالے سے مزید چڑھتے سورج کے دیس میں کے مصنف لکھتے ہیں:

> وقت کا صحیح مصرف اور پابندی کا من کا مظاہرہ صحیح طور پر جاپان میں بھی ہوتا ہے۔ ہر کام اپنے مقررہ وقت پر شروع ہوتا ہے اور معین ٹائم پر ختم۔ ہر پروگرام کا شیڈول پہلے طے کر لیا جاتا ہے اور پھر جو مرضی ہو جائے ہر آدمی اپنا مقرر کردہ وقت پر ختم کر کے ہی فارغ ہو گا۔ شاید ہی وہاں کوئی شعبہ زندگی ہو جہاں وقت کے ضیاع کا احتمال ہو۔ [۳۴]

جاپانی سماج نے انہی وجوہات کی بناپر ہی جنگِ عظیم کی ہولناک تباہی کے بعد اپنی زندگی کو ان اصولوں کے مطابق ڈھال کر بے بہا ترقی کر کے اپنا شمار دنیا کی صفِ اول قوموں میں کر لیا ہے۔انہوں نے ہر کام کو مقررہ وقت پر کرنے کی عادت بنائی ہے۔اور یہی عادت ان کی آنے والی تمام نسلوں میں ابدرجہ اتم موجود ہے۔جو قوم یا سماج وقت کی قدر کرے وہ دنیا میں ہمیشہ کامیاب ہوتی ہیں۔انہوں نے نہ صرف صنعتی میدان میں ترقی کی ہے بلکہ اپنی سوچ میں بھی وسعت پیدا کی ہے۔یہاں کام اور پیشے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے سب کی عزت و تعظیم کی جاتی ہے۔اسلام میں وقت کی قدر پر زور دیا گیا ہے۔بحیثیت مسلمان ہماری پوری زندگی کا دائرہ وقت کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔اسی کے مطابق ہماری عبادت اور فرائض کی انجام دہی کی جاتی ہے۔جیسے پانچ وقت کی اذان اپنے مقرر وقت پر ہوتی ہیں اور ان کی آدائیگی بھی وقت پر کرنا لازم ہیں،اسی طرح روزہ،زکواۃ اور حج اپنے مقررہ وقت پر ادا ہوتے ہیں۔مگر ہمارے معاشرے میں وقت کی قدر نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمارا ملک ترقی میں سب سے پیچھے ہے جبکہ جاپان نے ان اصولوں کو اپنایا اور ترقی میں آگے نکل گیا اس حوالے سے آج کا جاپان کے مصنف کہتے ہیں:

> یہاں ہر کام کرنے والے آدمی کو اس کے پیشے کے ساتھ صاحب کا لاحقہ لگا کر پکارا جاتا ہے جیسا کہ دھوبی کو "دھوبی صاحب" نائی کو "نائی صاحب" ---ہر پیشہ یہاں باعزت پیشہ ہے ۔بالخصوص ہاتھ سے محنت کرنے والے آدمی کو یہاں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔[۳۵]

مندرجہ بالا اقتباس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جاپانی سماج ہر کام اور پیشے کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھتے بلکہ کام کو کام سمجھے۔ان کی یہ خوبی ہے یہاں پر ہر کام اور پیشے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ان کی نظر میں کام کام ہی ہوتا ہے کوئی بھی کام چھوٹا بڑا نہیں ہوتا ہے خاص طور پر جو کام خود ہاتھ سے اور محنت سے کیا جائے اس کی جاپان میں بہت قدر کی جاتی ہے۔صنعتی معاشرے میں سماج کا رویہ دیکھا جائے تو یہ کام سے محبت کرنے والے ہیں۔ان کے مزاج یا رویوں کو دیکھ کر ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قوم خود ارہے اپنے دم پر سب حاصل کرنے والی ہے۔ہمیشہ وہی قومیں ترقی کی دوڑ میں آگے ہوتی ہیں،جو ہر کام کو محنت سے کرتی ہیں۔اُسے چھوٹا بڑا نہیں سمجھتی اور ایمانداری سے اپنے کام انجام دیتی ہیں۔عامر بن علی نے اپنے سفر نامے میں جس طرح جاپانیوں کے بارے میں آگاہی دی اُس سے یوں محسوس ہوتا ہے،جیسے مصنف نے انہیں خوب دیکھا بھالا ہے اور چونکہ انہیں حالات و واقعات کو بیان کرنے کا ہنر بھی خوب آتا ہے ۔اس لیے انہوں نے غیر جانب داری سے گھر بیٹھے بیٹھے جاپانی معاشرے کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔۔ایک اچھے سفر نامہ نگار کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سفر کی روداد صداقت کی بنیاد پر تحریر کرے۔عامر بن علی اپنا یہ حق ایمانداری سے نبھاتے ہوئے اُردو ادب کو ایک بہترین سفری روداد عطا کی ہے۔جاپانی سماج کی تعمیر نو کے حوالے سے جاوید دانش اپنے سفر نامہ مزید آوارگی میں لکھتے ہیں:

لرزہ خیز سانحہ ہیروشیما پر ایٹم بم کا بھیانک تجربہ ساری دنیا ان کی وحشت کو بھول کر ان کی خیر خواہ بن گئی۔ ہیروشیما اور ناگاساکی عالمی امن کے لیے ایک استعارہ بن گیا۔ مگر یہ لوگ تمام ہمدردی کو طاق پر رکھ کر اپنی شکست کا رونا رونے کی بجائے ملک کی تعمیر نو میں مصروف ہو گئے۔ اسے ایک زبردست تجارتی و صنعتی وقت میں ایسا تبدیل کیا کر فری ورلڈ کی ریس میں سب سے آگے نکل گئے۔[۲۶]

جاپانی دنیا کی سب سے مختلف قوم ہے جس نے اتنی بڑی تباہی و بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کے باوجود ہمت اور حوصلے سے اس کو برداشت کیا اور پھر سے محنت شروع کر دی اور اتنی محنت کی کہ اپنے سماج کو صنعتی و تجارتی مرکز بنا دیا ہے اور ترقی کی دوڑ میں آگے نکل گیا۔ جاوید دانش کا شمار اردو کے اُن ادیبوں میں ہوتا ہے جو وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ وسیع المشاہدہ کرنے والے بھی ہیں مصنف نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا ہے اور انہوں نے ان ممالک کی خاص خاص باتوں اور چیزوں کا ذکر اپنے سفر ناموں میں کیا ہے۔ اور اپنے ان سفر ناموں کو آوارگی کی شکل میں پیش کیا ہے۔

جاوید دانش کی یہ عمدگی ہے کہ انہوں نے اپنے سفر نامہ مزید آوارگی میں اس سماج کے ان جوہر کو بیان کیا جس کی وجہ سے جاپانی ہر میدان میں آگے ہیں۔ انہیں جاپانیوں کی ہمت اور حوصلے نے متاثر کیا جو اس قوم نے جنگ کے بعد دیکھایا۔ مصنف نے حقیقی واقعات کی ترجمانی کی ہے، یعنی جاپان نے کن عوامل اور قدروں کی بنیاد پر ترقی کی ہے۔ اس کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جیسے عامر بن علی نے اپنی کتاب آج کے جاپان میں جاپانیوں کے بارے یوں لکھا ہے۔ ایک جاپانی نے ناکارہ موبائلوں سے ۲۲ کلو گرام سونا نکالا ہے۔ اس کا مطلب جاپانی سماج کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ''مٹی'' سے سونا بنانا کی کہاوت پر پورا اترتی ہے۔ جاپان کا صنعتی معاشرہ محنت کش سماج کی مثال ہے اس کے بارے میں مزید آوارگی میں مصنف بیان کرتے ہیں:

سچ ہے جاپانی جو کام کرتے ہیں تن من دھن سے کرتے ہیں۔ ہر پراجیکٹ کو مکمل ترین کرنے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ انھیں Perfectionist کہلانے کا مالی خولیہ ہے۔ ان کی خوش حالی اور ترقی میں ایک زریں لفظ کارفرما ہے حلیمی پہلے زمانے میں یہ لوگ رومانٹک حد تک خوش مزاج اور حلیم ہوا کرتے تھے۔ آج کمرشیلیا پروفیشنل حد تک کم گو مگر وضع دار ہیں۔ ہم شاذ و نادر ہی جان پر کھیلا کرتے ہیں مگر یہ لوگ پاسداری میں خود کشی کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔[۲۷]

اس اقتباس سے واضح ہے کہ جاپانی جو کام بھی کرتے ہیں اس کو جی جان سے کرتے ہیں۔ اس کے لیے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتے، لیکن یہ نہیں کہ وہ یہ کام ضد یا انا میں کریں، بلکہ محبت اور خلوص نیت سے کرتے ہیں۔ خوش اخلاقی اس سماج کی گھٹی میں شامل ہے۔ اس کے افراد کام کو اپنی زندگی شمار کرتے ہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ان

کا کوئی کام غلط ہو جائے جس سے انہیں ناکامی یا شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے تو یہ خودکشی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ سفر نامہ لکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی ۔ سفر نامہ لکھنا ایک مشکل فن ہوتا ہے ویسے دیکھا جائے تو بہت سے لوگوں نے سفر نامے لکھے ہیں مگر اس فن کے معیار پر ہر ایک کا سفر نامہ اترے، یہ ضروری نہیں۔

ایک اچھا سفر نامہ لکھنے کے لیے ضروری ہے مصنف کا گہرا اور وسیع مشاہدہ ہو، تا کہ وہ اس ملک کا سفر کریں تو دورانِ سفر تمام عمارتوں، مقاموں، مشہور چیزوں اور وہاں کے رہنے والوں کے بارے ساری معلومات کا باریک بینی سے جائزہ لے سکے، اور پھر اس کا موازنہ اپنے ملک سے کرے۔ ان تجربات، مشاہدات و احساسات کو اسے پیرائے میں بیان کرے کہ قاری کے دل میں اس ملک کو دیکھنے کی خواہش بیدار ہو۔ اگر ہم جاوید دانش کی روداد کا معائنہ کریں تو ان کا سفر نامہ ان اصولوں پر پورا اترتا ہے جن کی بنیاد پر ایک معیاری سفر نامے کو پرکھا جاتا ہے۔ سماج کی کام کرنے کی عادت اور کام کے علاوہ ہر چیز سے بے نیازی برتنا کے حوالے رفیق ڈوگرا پنی تصنیف جاپان نورد میں یوں لکھتے ہیں :''روبوٹ خواتین و حضرات نے اپنے اپنے اوزار اٹھائے اور ہماری طرف دیکھے بغیر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے یہ بے نیازی جاپان میں ہر جگہ دیکھنے میں آئی۔'' [۳۸]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے جاپانی محنتی قوم ہے۔ محنت کو اس سماج نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔ یہ اپنے کام کو اتنی ایمانداری سے کرتے ہیں کہ انہیں آس پاس کی چیزوں سے بھی غرض نہیں ہوتا۔ مصنف کے بقول محنت کش جاپانی سماج روبوٹ معلوم ہوتا ہے۔ جاپانیوں کے بارے کہا جاتا ہے کہ:'' جاپان میں ایک ایسا نظام رائج ہے۔ جس میں جاپان کے کارکنوں کو اس بات کا احساس دلایا جاتا ہے اُن کے ہاتھوں سے تیار ہونے والا مال سات سمندر پار دوسرے ممالک کو برآمد کیا جائے گا اور اگر اس مال کا معیار خراب ہوا تو جاپانی اشیا کی اہمیت کم ہو جائے اور نئے آڈر ملنا بند ہو جائیں گے اور اس کے خراب اثرات جاپان کی معیشت اور صنعتی ترقی تباہ کر دیں گے۔'' [۳۹]

یعنی کہ جاپان میں پہلے دن سے ہی اس بات کو دماغ میں بیٹھا لیا جاتا ہے کہ ان کے ملک سے گئے ہوئے مال کو کوئی بُرا نہ کہے اس لیے جاپانی اپنے ملک کی عزت اور ترقی کے دل و جان سے محنت کرتے ہیں۔ جاپانی سماج کی کچھ عادات ایسی ہیں جو باقی دنیا سے انہیں منفرد رکھتی ہیں۔ انہی عادات کے متعلق رفیق ڈوگرا اپنے سفر نامہ جاپان نورد میں لکھتے ہیں:

> پاکستان اور پاکستان جیسے دیگر افرادی قوت برآمد کرنے والے ممالک سے مزدور بلا لیتے ہیں۔ مگر جاپان کسی اور ملک سے مزدور درآمد کرنے کے خلاف ہے۔ اس کی کسی بھی فیکٹری میں کوئی بیرونی مزدور نہیں۔ سب اپنے ہنر منداور مزدور ہیں۔ اپنے مسٹر اور مسز روبوٹ ہیں۔ [۴۰]

جو ملک وملت اپنے سماج پر مکمل بھروسہ رکھنے اور حوصلہ بلند کرنے کے ساتھ اپنی عوام کو روزگار فراہم کرنے کے لیے آمادہ ہوں تو پھر اس قوم کی ترقی کے امکان زیادہ ہوتے ہیں۔ عالمی جنگوں کے برے اثرات سب سے زیادہ اس قوم پر پڑے، ان سب کے باوجود محنت اتحاد، یکجہتی اس سماج کی اجتماعیت میں موجود ہے اور یہی خوبی اس سماج کی انفرادیت بن گئی ہے۔ جس سے اس سماج کی عوام نے ہر میدان میں ترقی حاصل کی ہے۔ جاپانیوں کے نزدیک سب برابر ہے اور عقل و فہم رکھنے والوں کی یہ بہت قدر کرتے ہیں۔ پھر وہ چاہے کسی کمپنی کے ملازمین ہی کیوں نہ ہوں۔ اُن کے مشوروں کی بھی قدر کی جاتی ہے، اور اُن پر عمل کیا جاتا ہے۔ مصنف کا تعلق چونکہ ساری عمر صحافت سے رہا، اس لیے جب اس نے سیاحت شروع کی تو وہاں کے حالات و واقعات کا باریک بینی سے جائزہ لیا، اور ہمیں اپنے سفر نامے کے ذریعے آگائی دی۔ جاپانی انتظامیہ کے متعلق جاپان نورد کے مصنف لکھتے ہیں:

> انتظامیہ ان کے مشورے باقاعدہ سنتی ہے۔ مطالبات پر مذاکرات ہوتے ہیں اور اکثر یہ پر امن مذاکرات کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جاپان میں کتنی ہی بڑی فیکٹری کارپوریشن کا سربراہ کیوں نہ ہو وہ پھر بھی اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ اس کے ماتحت کام کرنے والوں کے بھی اپنے دماغ ہیں۔ وہ بھی سوچ سکتے ہیں اور عقل کی بات کر سکتے ہیں اکثر کارخانوں اور اداروں میں تو جملہ ملازمین پر یہ پابندی ہے کہ وہ کام کرنے کے علاوہ سوچا بھی کریں اور ادارے کے کام اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے باقاعدہ تجاویز پیش کیا کریں۔ انتظامیہ ان تجاویز پر ہستی نہیں غور کرتی ہے اور قابل اعتماد تجاویز کو باقاعدہ قبول کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے اور اچھی اچھی تجاویز پیش کرنے والے ملازمین کو انعام و کرام دیئے جاتے ہیں۔[۱۶]

جاپانی قوم اپنے ملازمین کے ساتھ چاہے پرائیوٹ سطح پر ہوں یا گورنمنٹ کی سطح پر برابری کا درجہ دیتی ہے۔ یہاں کام کرتے ہوئے مالک اور ملازم کا رویہ اختیار نہیں کیا جاتے، بلکہ اچھے خیالات پیش کرنے والوں کی عزت اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ جاپانی سماج محنت پر ایمان رکھتا ہے اس لیے دن دگنی رات چگنی ترقی کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ جاپانی سماج محنت کی عظمت کے تقاضوں سے باخبر ہے، اور وہ اپنی ملت کی ذہانت کی قدر کرتا ہے۔ جاپان کے حدود اربعہ کو دنیا کے نقشے پر دیکھا جائے تو بہت مختصر ہے، آتش فشاں پہاڑ، سونامی اور زلزلے اس ملک میں بہت زیادہ آتے ہیں۔ تمام مسائل کے باوجود سرزمین جاپان کے باشندے اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا معاشرہ جہاں ملازم اور مالک مل کر سوچے تو وہاں کی ترقی یقینی ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایک صحت مند معاشرے کی پہچان ہوتی ہے جہاں پر ایک سوچ اور ایک ہی ملک کی ترقی کی کوشش ہو۔ مصنف نے ان حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے دراصل قاری کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے، کہ جب یہ قوم مل جل کر اپنے ملک کی ترقی کے لیے اقدامات کر سکتی

ہے۔ تو پاکستان میں یا پاکستان سے باہر اس سفر نامے کا مطالعہ کرنے والوں کے معاشرے میں ترقی کیسے ممکن نہیں ہو سکتی۔ عامر بن علی بھی اپنی تصنیف جہاں گردی میں جاپانی سماج کی خوبیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

> گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ صرف افراد کے مزاج میں ہی تبدیلی نہیں آتی، اقوام کے رویے اور پسند ناپسند بھی بدلتی رہتی ہے۔ اس لیے تو ثقافت کوئی جامد چیز نہیں ہے۔ زندہ قوموں کے طرز زندگی میں تغیر لازمی امر ہے۔ رہن سہن میں ارتقاء ناقابل مفر عمل ہے۔ جاپانی لوگوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ نئی چیز اپنانے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتے۔[۴۲]

عامر بن علی جاپانیوں کی خوبیوں کے بارے میں بیان کرتے ہیں، کہ یہ نئی چیز سیکھنے میں عار محسوس نہیں کرتے، زندہ رہنے کی بھی یہی علامت ہے، کہ انسان خود کو وقت کے حساب سے بدلتا رہے۔ جو قومیں اپنے رویوں، پسند، ثقافت میں جدت لاتی ہیں وہی ترقی کرتی ہیں۔ جامد شے، ثقافت ہو یا رویے بدلے نہ جائے تو اُن کو زنگ لگ جاتا ہے۔ کوئی نئی چیز سیکھ کر اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ جاپانی سماج کی یہ خوبی ہے کہ وقت کے ساتھ اس کی سوچ اور رویے بدلتے ہیں۔ یہ سوچ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے، کہ اس ملک کی قوم زندہ جاوید ہے۔ ان کی باقی خوبیوں کے ساتھ یہ بھی خوبی ہے کہ یہ اپنے کردار کے ساتھ ساتھ چیزیں بھی بے عیب پسند کرتے ہیں۔

جہاں گردی کے مصنف کی تحریر کا یہ وصف ہے، کہ ان کی تحریر میں سادگی اور سلاست۔ہے جو قاری کو ان کی بات آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے۔ قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ ہ جیسے سفر نامہ پڑھ نہیں رہا بلکہ وہاں کے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ عامر بن علی نے جاپان میں ایک عمر گزاری ہے جاپان میں ہی کاروبار کرتے ہیں اور جاپان سے بہت محبت بھی۔ جب وہ دوسرے ممالک کو ٹیکنالوجی کی دوڑ میں آگے سے آگے نکلتے دیکھتے ہیں تو وہاں کے حالات کا موازنہ اپنے ملک سے کرتے ہیں، اور سوچتے ہیں کہ کاش میرا ملک بھی ان باتوں پر عمل کر کے ترقی دوڑ میں آگے بڑھے۔ اس حوالے سے عامر بن علی اپنی تصنیف جہاں گردی میں لکھتے ہیں:

> یہاں داغدار یا عیب دار چیز کی خرید و فروخت کو معاشرتی طور پر برا سمجھا جاتا ہے۔ کسی چیز کا سستا ہونا بعد کی بات ہے، سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ اسے معیاری ہونا چاہیے۔ اس معاشرے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں غلطی کی گنجائش گوارا نہیں کی جاتی ہے۔[۴۳]

جاپان کے معاشرے کا معیارِ زندگی بلند ہے۔ جاپانیوں نے اپنی صنعت کو فروغ دینے کے کچھ اصول بنائے ہوئے ہیں، صرف یہ نہیں جس طرح کا بھی مال تیار ہو گیا تو اس کو منڈی میں بیچ دیا اس بات کا تو جاپان میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر خراب چیزوں کی خرید و فروخت کو معاشرے میں غلط سمجھا جاتا ہے، اس سماج کا رویہ ہے کہ جو چیز خراب ہو گی ہے، اس کی خرید و فروخت نہیں ہو گی، یہاں پر چیز کا معیار دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر غلطی سے خرید لی یا

فروخت کی تو اس کی سزا ملتی ہے۔ اسی طرح اس سماج میں اپنی زبان کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور جو قومیں اپنی زبان کو اہمیت دیں وہی ترقی کرتی ہیں۔ ابن انشا اپنے سفر نامہ دنیا گول ہے میں جاپانیوں کی زبان کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

> دوسری بات ہم نے یہ دیکھی کہ انگریزی مجھے بولنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ راستہ معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ جاپانی سیٹھ سے ملاقات ہوئی جو انگریزی کا ایک لفظ نہیں جانتا۔ لیکن اس کی مصنوعات ولایت کی منڈیوں پر چھائی ہوئی ہیں۔ انھیں انگریزی نہیں آتی اور سب کچھ آتا ہے۔ ہمیں انگریزی آتی ہے لیکن اور کچھ نہیں آتا۔ [۴۴]

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ جاپانی اپنی زبان کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ انہوں نے صنعتی میدان میں جتنی بھی ترقی کی ہے، وہ صرف اور صرف اپنی زبان کی بنیاد پر کی۔ اس قوم نے دوسری زبانوں پر اپنی زبان کو فوقیت دی ہے۔ جاپانی مصنوعات کا پوری دنیا میں راج ہے اور یہ صرف اس معاشرے کی اپنی محنت اور ملک سے محبت کا نتیجہ ہے۔ جو قوم اپنی زبان کی حفاظت کرتی ہے، اور اسی کے ذریعے تعلیم حاصل کریں تو ایسی قومیں ہی ترقی کرتی ہیں۔ جو اپنی زبان کو چھوڑ کر کوئی اور زبان اپنائے تو وہ کہیں کی نہیں رہتی۔ جاپانیوں نے اپنی زبان کو اہمیت دی اور باقی زبانوں کا علوم اپنی زبان میں تراجم کے ذریعے منتقل کر لیا بجائے دوسری زبان سیکھنے کے تاکہ جاپانی دوسرے علوم سے بھی سیکھ سکے۔

ابن انشا کا یہ وصف ہے کہ وہ شگفتہ انداز و بیان کے ساتھ اپنی تحریروں میں طنز و مزاح کا رنگ بھر دیتے ہیں جس سے مطالعہ کرتے ہوئے قاری ان کے منفرد اسلوب اور شگفتگی میں کھو جاتا ہے۔ اس حوالے سے وہ اپنے سفر نامے میں طنز و مزاح کے پیرائے میں لکھتے ہیں، کہ جاپانیوں نے اپنی مصنوعات کو پوری دنیا میں پھیلایا ہوا ہے۔ لیکن ان کو اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبان نہیں آتی، پھر بھی ان کی مصنوعات کی مانگ پوری دنیا میں ہے۔ مصنف جاپانیوں کو مد نظر رکھ کر اپنی زبوحالی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، ایک ہم ہیں جنہیں صرف انگریزی آتی ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں آتا جب کہ یہاں کی عوام کو انگریزی کے علاوہ سب آتا ہے۔ جاپانیوں کی زبان کے متعلق سعید سیاح جاپان میں کے مصنف لکھتے ہیں:

> میں جب بھی یہاں آتا ہوں دُکانوں کے سائن بورڈ پر نگاہیں ڈالتا رہتا ہوں۔ جاپان کی ہر دُکان پر جاپانی زبان میں سائن بورڈ ہوتے ہیں۔ یہ ان کی قومی زبان ہے۔ قومی زبان کی یہ قدر کرتے ہیں۔ اس کی عزت کرتے ہیں۔ اپنی قومی زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ [۴۵]

مصنف جاپانیوں کی اس خوبی سے متاثر نظر آتے ہیں کہ انہوں نے دوسری زبانوں پر اپنی زبان کو فوقیت دی ہے۔ اس لیے دوسری جنگ عظیم میں ناکامی کے بعد جاپانی سماج نے اپنے ظلم کا بدلہ ایٹم بم کے ذریعے نہیں لیا بلکہ تعلیم

حاصل کی اور دوسرے علوم کا پڑھا، سائنس کی تعلیم جاپان نے اپنے نوجوان کو دینی شروع کی، اور یہ تعلیم بھی جاپانی زبان میں تھی۔ انہوں نے سخت محنت کی اور رات دن سائنس علوم کو سیکھا اور پھر وقت آنے پر ٹیکنالوجی کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ جاپان نے سائنسی میدان میں ایسی ایجادات کی ہیں۔ کہ دنیا کو حیران کر دیا آج پوری دنیا میں خصوصاً امریکہ میں سائنسی سامان کا استعمال ہو رہا ہے اور یہ سب اپنی زبان کو اہمیت دینے کی وجہ سے ہی ہوا۔ اس قوم نے ترقی اپنی زبان اور تعلیم کے ذریعے کی ہے۔

انہوں نے تعلیم صرف صنعتی ترقی یا دنیا میں اپنا نام بنانے کے لیے نہیں حاصل کی بلکہ صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ قوم بننے کے لیے کی ہے، یعنی ایسی قوم جو نرم دل، دوسروں کی بھلائی اور احترام کرنے والی ہوں۔ اس لیے جب آپ جاپان جائے تو آپ کو کہیں بھی جاپانی لڑتے جھگڑتے نظر نہیں آئے گئے۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں اور صلح کر لیتے ہیں۔ اس بارے میں جاوید دانش اپنی تصنیف مزید آوارگی میں یوں رقم طراز ہیں:

> میں نے کسی کو راستے میں ایک دوسرے سے الجھتے نہ دیکھا۔ ایک سائیکل سوار کی کسی راہ گیر سے ٹکر ہو بھی جاتی تو ہاتھا پائی کی نوبت نہیں آتی۔ دونوں کپڑا جھاڑتے ہوئے ایک دوسرے سے معذرت کر کے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔ میں نے سوچا عجیب ٹھنڈی قوم ہے۔ کوئی اپنے جذبات کا صحیح اظہار ہی نہیں کر پاتا۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے یا شاید انھیں اس کا علم ہی نہیں کہ ایک دوسرے کا گریبان کھینچنے میں کیا مزہ آتا ہے؟[۴۶]

اس سے ظاہر ہے کہ جاوید دانش نے دوران سیاحت جاپانیوں کے بارے معلومات حاصل کرنے لیے ان کا گہرا مشاہدہ کیا ہے، اور کچھ نیا جاننے کی کوشش کی ہے اور ان کے بارے منفرد باتیں اپنے سفر نامے میں لکھی ہیں کہ یہ سماج جو سامنے نظر آتا ہے کیا واقعی ویسا ہے بھی یا نہیں۔ صنعتی معاشرے میں جاپانی سماج کے ایسے رویے دیکھنے میں منفرد نظر آتے ہیں اور ان کی ترقی کا منہ بولتا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔ ایسے رویے صرف جاپان جیسے ملک میں ہی نظر آ سکتے ہیں جس ملک کی عوام نے تعلیم صرف ترقی کے لیے نہیں بلکہ تربیت کے لیے بھی حاصل کی۔ اسی طرح اگر جاپان میں اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً معذرت کی جاتی ہیں اور بات وہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایک پڑھے لکھے سماج کی نشانی ہے اس حوالے سے قرۃ العین حیدر اپنے سفر نامہ ستمبر کا چاند میں لکھتی ہیں:

> کوئی جاپانی اپنے چہروں پر غصے کے آثار نہیں لاتا۔ کئی دفعہ میں نے دیکھا سڑک پر سائیکل والے کی ٹکر ٹھیلے والے سے ہو گئی (یہ تین پہیوں والے بڑے اور چھوٹے موٹر ٹھیلے ہیں ہاتھ کے ٹھیلے کوئی

نہیں دھکیلنا)ان دونوں نے اُتر کر ایک دوسرے کا گریبان نہیں پکڑا، نہ گھونسے تانے نہ گالیاں دیں خاموشی سے افسوس کا اظہار کیا اور اسی سکون کے ساتھ اپنے اپنے راستے چلے گئے۔[۴۷]

جاپانی سماج کا رویہ ہے کہ وہ غصہ نہیں کرتے ہیں بلکہ معاملات کو خوش اسلوبی سے سلجھا لیتے ہیں۔ اگر کوئی آپسی جھگڑا ہو جائے اور غلطی چاہے کسی کی بھی ہو۔ اگر دونوں مل کر معاملے کو احسن طریقے سے سلجھالیں تو یہ تعلیم یافتہ معاشرے کی پہچان ہوتی ہیں۔ اس معاشرے نے تعلیم کے ذریعے اتنی ترقی کر لی ہے کہ سارا جاپان مشینوں اور آلات پر منحصر ہو گیا ہے ج۔اپانی ہر کام مشینوں کے تحت کرنے کے عادی آپ جاپان جائے جگہ جگہ مختلف مشینیں نصب کی ہوتی ہے۔ جو اپنی اپنی جگہ مختلف کام سرانجام دیتی ہیں۔ ان مشینوں کے ملک میں رہنے والے بھی مشینی بن گئے ہیں۔ اس سماج کی جہاں بہت سی خوبیاں وہی ان کی کچھ خامیاں بھی ہیں۔ اس حوالے سے ابن انشا اپنی تصنیف ابن بطوطہ کے تعاقب میں اس بارے میں بتاتے ہیں:

> ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت جاپانیوں کا مشینوں پر اتنا انحصار ہے کہ ہر چیز انہی سے کرتے ہیں بلکہ ان کے بغیر نہیں کر سکتے۔ اگر کسی جاپانی سے میں کہو کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو وہ کہے گا کہ کمپیوٹر لا کر دو اس پر حساب کرتا ہوں۔ اس کے بغیر کیسے بتا سکتا ہوں، خود کشفی صاحب بھی ان کی صحبت میں ایسے ہی ہو گئے۔[۴۸]

مصنف جاپانیوں کی اس خامی کا تذکرہ طنزیہ لہجے میں کرتے ہوئے کہتے ہیں یہاں پر اتنی مشینیں ہیں۔ ور انہوں نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب کوئی بھی کام کرنا ہو تو مشینوں کی مدد لیتے ہیں۔ جاپانی معاشرہ جو ترقی یافتہ ہے جس کے رہنے والوں نے اتنی مشینیں ایجاد کی ہیں کہ پوری دنیا میں ان کی مشینوں کے چرچے ہیں۔ اس سماج نے اپنے ملک کو اتنی سہولیات عطا کی ہیں کہ جاپان میں ہر جگہ بڑی بڑی مشین نصب ہیں۔ لوگ اس سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ جاپانی ان مشینوں کے اتنے عادی ہو گے ہیں کہ ہر کام مشینوں سے کرتے ہیں۔ اگر چھوٹا سا حساب بھی کرنا ہو گا تو اس کے لیے مشین کا استعمال کرتے ہیں۔ جہاں انسان اپنے دماغ کے بجائے مشینوں کا استعمال زیادہ کرے تو پھر اس ملک کی ترقی رک جاتی ہے کیونکہ دماغ کی صلاحیت مشینوں سے زیادہ ہوتی ہے مشینیں صرف اتنا سوچتی اور کرتی ہیں جتنا ان کے اندر مواد موجود ہوتا ہے جبکہ انسان کو اللہ نے صحت مند دماغ دیا ہے جس کے ذریعے ہی اس نے پہاڑوں کا سینا چیر کر نئی دنیا بنا دی تو وہ دماغ کیسے نہیں نئی نئی اختراع کر سکتا۔ جاپانیوں کا مشینوں پر انحصار کرنے کے حوالے سے مجتبیٰ حسین اپنے سفر نامہ جاپان چلو جاپان چلو میں لکھتے ہیں:

> جاپانی ہر کام کیا کلکولیٹر کی مدد سے کرتے ہیں۔ آپ وقت پوچھیں تو اپنی جیب سے کیا لیکولیٹر نکال

وقت بتادیں گے۔ سو ین میں سے کسی کو پچاس ین دینا ہو تو تب بھی کیا لیکولیٹر کو یہ بتانے کے لیے
زحمت دیں گے۔[۴۹]

اس سے مجتبیٰ حسین کے پر اعتماد لہجے میں جاپان کے مسائل واقعات اور رویوں پر گہرا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ یعنی کہ انہوں نے مشینوں پر ہی انحصار کر لیا ہے۔ جاپانیوں نے اتنی محنت کر لی ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کے لیے اتنی مشینیں ایجاد کر لی ہیں۔ کہ اب سارا کام مشینوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ چاہے وہ کام چھوٹا ہو یا بڑا، مگر جاپانی معاشرے کی مشینوں کی یہ اچھائی ہے کہ یہ بھی جاپانیوں کی طرح ایماندار ہیں اپنا ہر کام ایمانداری سے سر انجام دیتی ہیں۔ جاپان جیسے ملک میں جہاں صنعتی ترقی کا راج اور جس ملک نے نئی سے نئی ٹیکنالوجی کو ایجاد کر کے دنیا کو حیران کر دیا ہے اس سماج میں کچھ مذہبی توہمات جیسے رویے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان رویوں کے بارے میں جاوید دانش اپنی کتاب مزید آوارگی میں یوں رقم طراز ہیں:

واقعی جاپانی بڑے محنت کش ہوتے ہیں مگر تمام محنت اور جدید ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کے ساتھ جاپانی توہم پرست بھی خوب ہوتے ہیں۔ میں نے سنا اکثر جاپانی ڈاروما نام کی ایک گڑیا خرید کر کسی منت یا مراد کی خاطر اس کی ایک آنکھ میں رنگ بھرتے ہیں یا کاجل سے خوبصورت بناتے ہیں۔ جب مراد بر آتی ہے تو دوسری آنکھ کی آرائش پوری کی جاتی ہے۔ سیاسی پارٹی والے الیکشن آفس میں ایسی گڑیا خوب سجاتے ہیں۔ دکانوں میں ایک ہاتھ اٹھائے تن کر بیٹھی ہوئی بلی کی مورت بہت نظر آتی ہے۔ معلوم اس سے کاروبار اچھا ہوتا ہے۔[۵۰]

جاپانی سماج جس نے اپنی محنت اور لگن سے دنیا کو حیران کر دیا ہے۔ جس نے تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں ستاروں پر کمند ڈالنے کا کام جنگ عظیم کی تباہی اور بربادی کے بعد برق رفتاری و تسلسل کیا ہے، اسی سماج کا دوسری طرف ایسا رویہ سامنے آتا ہے کہ اتنی ترقی کرنے کے باوجود توہم پرستی اس ملک میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ جاپانیوں کی توہم پرستی کا ایسا رویہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ جس قوم نے اپنی محنت سے سب حاصل کر لیا۔ پھر اس قوم کا ایسا رویہ کس وجہ سے ہے۔ اسی حوالے سے مزید جاوید دانش لکھتے ہیں:

ہم لوگ باہر نکل رہے تھے۔ صحن کے کونے میں ایک عورت ہاتھ جوڑے آنکھیں موندے کسی خیال میں مگن تھی۔ ٹریسی نے خاموشی سے اس عورت کی تصویر اتاری اور مجھ سے ہم کلام ہوئی۔ یہاں کی روحانیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ تمام ٹیکنکل ترقی کے باوجود اور ماڈرن ازم کے ساتھ یہ لوگ بڑے روایتی اور مذہبی ہیں۔ میں نے اتفاق کرتے ہوئے کہا ٹریسی ڈیئر جس کو جہاں سکون مل جائے وہی بہت ہے![۵۱]

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جتنی مرضی ترقی کر لے مگر وہ اندر سے اپنے روایت اور مذہب کا ہی پیروکار ہوتا ہے۔انسان اپنی روایت کا پاسدار ہوتا ہے۔ جاپانی سماج ایک غیر مسلم ہے جس کے ہاں توہمات کے انداز مختلف اور دلچسپ ہیں۔انسانی زندگی بہت سے اطوار واصول، رسم ورواج، مذہبی و قومی احساس برتری ہو یا احساس کمتری، جنات یا مذہب پر اندھی تقلید اور حد سے بڑھا ہوا جنسی تعصبات یا مافوق الفطرت عناصر یہ سب خوبیاں اور خامیاں ہر ملک اور قوم کا حصہ بن کر ماضی اور حال میں موجود رہے ہیں۔ان تمام خوبیوں اور خامیوں کا تعلق کسی بھی سماج سے ہو سکتا ہے۔یہ ہر سماج میں خامیاں اپنا اثر ور سوخ رکھتی ہیں۔اس لیے مصنف کے بقول جاپانی جدید ہونے کے باوجود قدامت پسند ہیں۔ اس حوالے سے الطاف شیخ جاپانی سماج کے رویوں کی ضعیف الاعتقادی کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

> جاپان میں کئی چیزیں نحوست کی علامت سمجھی جاتی ہیں، ان میں چار کا عدد ایک ہے۔ جس طرح ہمارے ہاں تین کا عدد نحس سمجھا جاتا ہے۔ یا یورپ میں تیرہ کا عدد بالکل اسی طرح جاپانیوں کے ہاں ''چار'' کا عدد ہے۔[۵۲]

اس اقتباس سے علم ہوتا ہے کہ جو چیزیں معاشرے میں صدیوں سے موجود ہوں تو وہ پھر ایسے قائم رہتی ہیں۔ پھر چاہے وہ ملک یا سماج جتنا مرضی ترقی کر لے۔ جاپانی سماج میں بھی اس طرح کے رویے موجود ہیں۔ جن کو وہ بدشگونی کا نام دیتے ہیں جس طرح باقی ممالک میں کچھ ہندسوں کو نحوست کی علامت قرار دیا جاتا ہے وہی جاپان میں چار کا ہندسہ نحوست کی علامت ہے۔ ہندسوں کے ساتھ سال کے کچھ دن بھی ان کے ہاں بدبختی علامت ہوتے ہیں جیسے (بوتسو، میتو) ان دنوں میں شادی، نیا مکان وغیرہ بنوانے سے جاپنی کتراتے ہیں۔ اس حوالے سے الطاف شیخ مزید لکھتے ہیں:

> جاپانی شمال کی جانب سر رکھ کر سونے کو بدشگونی سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اپنے مردوں کو اس رخ پر دفن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جنازے کی گاڑی کے گزرنے پر جاپانی اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کو ہتھیلی کے اندر چھپا لیتے ہیں یا اس پر رومال لپیٹ دیتے ہیں۔ وہ رات کے وقت ناخن کاٹنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص رات کے وقت ناخن کترتا ہے وہ مرنے کے بعد اپنے والدین سے ہرگز نہیں مل سکتا۔[۵۳]

اس طرح کی کئی قسم کے توہمات اور اعتقادات ہیں جن کو جاپان میں منحوس سمجھا جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ ہر ملک وملت کے اپنے دلچسپ ابہام و وسواس ہوتے ہیں۔ اس طرح جاپان کے بھی اپنے وسوسے ہیں جن کو جاپانی رویوں میں دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً کسی کو چار چیزیں ہرگز پیش نہیں کی جاتی ہے۔ کھانا کھا کر سونا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کالی بلی رستہ

کاٹے تو بد شگونی مانی جاتی ہے۔ ملکوں کے یہ توہمات، وسوسے، اعتقادات اور بد شگونی کہیں نہ کہیں لاشعوری طور پر عوام کے وہموں میں اس قدر سرایت کر جاتی ہے کہ پھر اس کے لیے مسلم اور غیر مسلم ہونے اور تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ یہ نظریات ہر قوم میں موجود ہوتے ہیں۔ الطاف شیخ نے جاپانی سماج کے داخلی اور خارجی کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور بہت سی ایسی باتیں ان کے بارے میں سامنے لائے ہیں جو عموماً سفر ناموں میں بیان نہیں کی جاتی ہیں۔

منتخب سفر نامہ نگاروں کے سفر ناموں کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتائج سامنے آتے ہیں کہ جاپان ایک جدید اور ترقی یافتہ ملک ہے جس کی ترقی کو پوری دنیا میں سراہا جاتا ہے۔ جس نے اتنے کم وقت میں حوصلے اور ہمت سے اپنے ملک کو دنیا کی ترقی میں برابر کیا ہے۔ جہاں اس ملک نے اپنی محنت سے اتنی ترقی کی ہے کہ پوری دنیا جاپان کی مصنوعات اور ٹیکنالوجی کو فخر سے استعمال کرتی ہے۔ وہی دیکھا جائے تو جاپانی سماج کے عجیب غریب رویے حیران کرتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ ملک میں بھی توہمات اور اعتقادات موجود ہیں ان کی نظر میں بھی کچھ دن اور ہندسے منحوس ہوتے ہیں جس ملک نے نہ دن دیکھا نہ رات اور اپنے ملک کی بقا کے لیے جدوجہد کی اور دنیا کی ترقی میں صف اول میں شمار ہونے لگا۔ اس صنعتی معاشرے میں کے سماجی رویوں کا مطالعہ کرے تو اس معاشرے نے بظاہر تو ترقی کی ہے مگر اندرونِ خانہ ان کی سوچ وہی صدیوں پرانی ہے۔ صنعتی ترقی میں دنیا کو حیران کرنے والے اس ملک نے اپنی قدیم روایات اور خاندانی اقدار کو قائم رکھا ہوا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا (Encyclopedia of Britannica)، ۱۵واں ایڈیشن، جلد ۴ (۱۹۸۲ء)، ص ۶۵۷۔

۲۔ ذکیہ ارشد حمید ،سورج کے ساتھ ساتھ ،(راولپنڈی: مطبوعاتِ سلمانیہ،۱۹۸۸ء)، ص۱۷۹۔

۳۔ https://www.dawnnews.tv/news/1053904 بتاریخ نومبر ۲۰۲۳ بوقت ۱۲:۱۲ بجے۔

۴۔ محمد کامران،گ سے گڑیا ج سے جاپانی،(لاہور: ماورا پبلشر، ۲۰۱۰ء)، ص ۶۶۔

۵۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج، ص ۱۰۵۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۳۔

۷۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلوجاپان چلو ،(حیدرآباد، حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۷۔

۸۔ ایضاً، ص ۷۵۔

۹۔ جاوید دانش،مزید آوارگی،(سفر نامہ)،(کلکتہ: پرنٹ ویل آفسٹ، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۰۶۔۱۰۷۔

۱۰۔ ابن انشا،دنیا گول ہے،(لاہور: پنجاب پریس، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۴۹۔۲۴۸۔

۱۱۔ جاوید دانش،مزید آوارگی، ص ۶۸۔۶۷۔

۱۲۔ ابن انشا، ابن بطوطہ کے تعاقب میں ،(دہلی : اُردو بکس دریا گنج نئی دہلی ، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۲۲۔۱۲۱۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔

۱۴۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج، ص ۳۵۔

۱۵۔ ایضاً، ص۔ ۹۷

۱۶۔ https://www.mercer.com/insights/total-rewards/talent-mobility insights/cost-of-living/ بتاریخ نومبر ۲۰۲۳ء بوقت ۷:۰۰ بجے۔

۱۷۔ محمد اختر مونگا،سفر تین درویشوں،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۰۰۔

۱۸۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلوجاپان چلو ،(حیدرآباد، حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۳۔

۱۹۔ جاوید دانش،مزید آوارگی، ص ۹

۲۰۔ محمد اختر ممونکا،سفر تین درویشوں،ص۲۰۶۔
۲۱۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۱۲۷۔
۲۲۔ بیگم اختر ریاض الدین،سات سمندر پار،(لاہور: مکتبہ اُردو ڈائجسٹ، سمن آباد،۱۹۶۹ء)ص ۳۲۔
۲۳۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلو جاپان چلو،ص۳۴۔
۲۴۔ https://magazine.darulshaour.com/?p=312 بتاریخ ۱۲ ستمبر ۲۰۲۴ء بوقت ا: ۱۲ بجے۔
۲۵۔ عامر بن علی،آج کا جاپان،(لاہور: نستعلیق اردو بازار، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۲۔
۲۶۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،(اسلا آباد: مکتبہ راحت الاسلام، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۴۔
۲۷۔ ایضاً، ص ۳۱۔
۲۸۔ رفیق ڈوگر،جاپان نورد(لاہور: دید شنید پبلی کیشنز،)، ص۵۸۔
۲۹۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص۱۱۶۔
۳۰۔ محمد اختر ممونکا،سفر تین درویشوں،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء)، ص۱۷۹۔
۳۱۔ آصف محمود جاہ،سنگا پور سے جاپان ،(لاہور: زاہد نوید پرنٹرز،۲۰۱۸ء)، ص۱۴۶۔
۳۲۔ آصف محمود جاہ،چڑھتے سورج کے دیس میں،(لاہور: زاہد نوید پرنٹرز،۲۰۱۸ء)، ص ۲۴۴۔
۳۳۔ ایضاً، ص۲۴۹۔
۳۴۔ ایضاً، ص ۲۶۴۔
۳۵۔ عامر بن علی،آج کا جاپان،ص۲۲۴۔
۳۶۔ جاوید دانش،مزید آوارگی(سفر نامہ)،(کلکتہ: پرنٹ ویل آفسٹ،۱۹۹۴ء)، ص ۵۳۔
۳۷۔ ایضاً، ص ۵۳۔
۳۸۔ رفیق ڈوگر،جاپان نورد،(لاہور: دید شنید پبلی کیشنز،)، ص ۴۴۔
۳۹۔ https://jang.com.pk/news/987054 بتاریخ دسمبر ۲۰۲۳ء بوقت ۱۴:۱۰۔
۴۰۔ رفیق ڈوگر،جاپان نورد،ص۴۵۔
۴۱۔ ایضاً، ص ۴۶۔
۴۲۔ عامر بن علی،جہاں گردی،(لاہور: نستعلیق مطبوعات،۲۰۱۷ء)، ص۱۶۔
۴۳۔ ایضاً، ص ۳۱۔۳۰۔

۴۴۔ ابن انشا،دنیا گول ہے،(لاہور: پنجاب پریس، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۶۰۔

۴۵۔ حکیم محمد سعید،سعید سیاح جاپان میں،(کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس ۱۹۹۵ء)، ص ۳۹۔

۴۶۔ جاوید دانش،مزید آوارگی، ص ۵۹۔

۴۷۔ قراۃالعین حیدر،ستمبر کا چاند(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۱۳۔

۴۸۔ ابن انشا، ابن بطوطہ کے تعاقب میں(دہلی: اُردو بکس دریا گنج نئی دہلی، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۳۳۔

۴۹۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلو جاپان چلو (حیدرآباد، حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۷۔

۵۰۔ جاوید دانش،مزید آوارگی، ص ۱۱۳۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۴۶۔

۵۲۔ الطاف شیخ،جاپان کے دن،(کراچی: ویلکم بک پورٹ، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۹۷۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۹۔

باب چہارم:

اردو سفر ناموں میں جاپان کے اقداری نظام اور رسم ورواج کا مطالعہ

جاپان کے اقداری نظام کا مطالعہ:

کسی بھی تہذیب کی اساسی بنیادیں اس کے اقداری نظام پر قائم ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس تہذیب کی ماہیت اور اس کے اصولوں کو جاننے اور سمجھنے کے لیے اس کی بنیادی اقدار کو سمجھنا اور جاننا لازمی ہے۔انسان کو معاشرے میں رہتے ہوئے قدم قدم پر اپنے رویّوں کو نامزد کرنے کے لیے انتخاب اور فیصلے کے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔انتخاب، فیصلے اور ردّ عمل کا اظہار ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کے مطابق کرتے ہیں۔اقدار ہی کے ذریعے صحیح اور غلط کی پَرکھ ہوتی ہے ۔اقدار ایسے پیمانے کو کہتے ہیں جو نا صرف ہمارے انتخاب اور فیصلوں کو متاثر کرتے ہیں بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی معاشرے کے افراد میں اچھائی اور بُرائی کے مشترکہ معیار کے طور پر تسلیم کیے جانے کے عموی تصور کو قدر کہتے ہیں۔یہی تصور پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے درمیان حد متعین کرتا ہے۔معیار کے اسی عمومی تصور کی وجہ سے کوئی صورت حال بہتر سمجھی جاتی ہے اور کوئی کمتر سمجھی جاتی ہے۔

ابن ایم ولیمز اپنے مضمون "Individual and Group Values" میں یوں بیان کرتے ہیں:

> We have define values as those conceptions of desirabl affairs that are utilized in elective conduct as criteria for reference or choice or asjustifications for proppsed or actual behavior.[1]

"Individual in Society" کے مصنفین اقدار کے بارے میں لکھتے ہیں:

> Beliefs about what is a desirable or a "good" (e.g. free speech) and what in an undesirable or a "bad" (e.g. dishonesty)[2]

پسندیدہ اور ناپسندیدہ کا تصور معاشرے میں موجود ہونے کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ پسندیدہ اقدار کو افراد اپناتے بھی ہوں۔ وہ بعض اقدار کو اصولی طور پر پسندیدہ سمجھتے تو ہیں پر ان اقدار پر عمل نہیں کرتے۔ مثلاً مساوات اور ایمانداری کی مثبت اقدار پر یقین رکھنے کے باوجود افراد اپنی زندگیوں میں ان اقدار کو اپنا نہیں سکتے۔ غالباً اقدار کو اپنی زندگی میں شامل کرنا الگ بات ہے اور اُس پر یقین کرنا ایک الگ بات ہے۔ ہم ایسی اقدار کو مثالی اقدار کہ سکتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے ہر طرح کی صورت حال میں کوئی بھی قدر عمل کے قابل نہیں ہوتی۔

اقدار میں وقت اور حالات کے ساتھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں کیوں کہ اقدار لچک پذیر ہیں۔ مثبت اور منفی دونوں طرح کی اقدار ہوتی ہیں۔ اقدار کی درجہ بندی کی جائے تو اس میں انفرادی، گروہی اور خاندانی اقدار ہوتی ہیں۔ اسی طرح اقدار کی اقسام میں معاشرتی اقدار، مذہبی اقدار، ثقافتی اقدار اور اخلاقی اقدار شامل ہیں۔

اقدار کی اہمیت:

اقدار کو تہذیب و ثقافت کے عناصرِ ترکیبی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ایک طرف ثقافت کے دوسرے فنونِ لطیفہ اور عناصر زبان کے ساتھ ثقافتی تمیز کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں دوسری طرف کردار سازی اور معاشرتی استحکام میں بنیادی درجہ رکھتی ہے۔ اقدار کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے معاشرے کی تعمیر اور منظم و مستحکم معاشرے کے کردار پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اِقدار اور معاشرہ:

اقدار اور معاشرے کا ایک دوسرے سے گہرا رشتہ ہے۔ کسی معاشرے کے افراد معاشرتی اور اخلاقی اقدار پر بھروسہ رکھتے ہوں اور اپنی روزمرہ زندگی میں اُن کا احترام بھی کرتے ہوں۔ تو یہ معاشرتی نظام کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جس معاشرے میں انسان کی فکری و تخلیقی صلاحیتوں کی جلا، انسانیت کا احترام، بھائی چارے، رواداری اور خدا کی ہستی پر یقین رکھنے کی اقدار موجود نہ ہوں، ایسا معاشرہ آخر کار انتشار کا شکار، بنجر پن اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

"Elliot" "اقدار کی معاشرے میں اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

All societies have patterns of values. Important social behaviour is oriented with reference to them. The form and content of these patterns vary from one society to another, and the emphasis placed upon

each value in likewise a function of cultural definition. Some meaningful patterns of social values, however, is a fundamental part of the heritage of every society. It determines what the society considers important and what its members will strive for and defen.[۲]

Social Problem میں اِقدار اور معاشرہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے"

Social disorganization is a situation in which major institution structure are not fulfilling their intended and necessary function thus if the institution of the family fails to provide an adequate homeenvironment and to socialize children according to certain values. Thus a whole constellation of social problems may be generated.[۳]

شیخ محمد اکرام اِقدار کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

معاشرہ اپنی سماجی قدروں کی پاسبانی اس وجہ سے کرتا ہے کہ سماج کی بقاکادارومدار بڑی حد تک انہی قدروں کے تحفظ پر ہوتا ہے۔ اگر ان قدروں کی طرف سے غفلت برتی جائے تو معاشرے کا شیرازہ ہی بکھر جائے اور اس کی انفرادیت باقی نہ رہے۔ مثلاً عربوں میں ظہور اسلام سے پیشتر ذی الحجہ کے مہینے میں خونریزی قطعاً ممنوع تھی۔۔۔سے آکر شریک ہوتے تھے۔۔۔اب اگر قبائلی جنگیں حج کے زمانے میں بھی جاری رہتیں تو ظاہر ہے کہ عربوں کی معیشت کا سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔

اسی طرح ہمارے ملک میں بعض خانہ بدوش بلوچ قبیلوں کی سماجی قدروں کی بنیاد شرکت پر قائم ہے۔۔۔ مثلاً اگر ایک خاندان کے پاس نمک یا آٹا ختم ہو جائے تو وہ دوسرے خیمے سے یہ چیزیں لے آسکتا ہے۔ اس کو خیمے والے سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ان چیزوں کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔[۵]

سکونِ قلب اور انسان کی خوشی کادارومدار اُس کے رویوں پر ہوتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں بے سکونی، بے اطمینانی اور نفسیاتی الجھنیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ انسان مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار اور اپنے ماحول سے اُکتایا ہوا

ہے۔اس کی دوسری وجوہات کے ساتھ جہاں اور اسباب شامل ہیں وہیں معاشرتی اور انفرادی اِقدار بھی اس کی ذمہ دار ہیں۔لالچ،حسد،مادہ پرستی اور طاقت کی خواہش جیسی منفی قدروں نے انسان کے اندر سے برداشت،صبر وشکر، رواداری اور محبت ومہربانی کے رویوں کو ختم کر دیا ہے۔کسی معاشرے کو مثالی بنانے میں اہم کردار اس معاشرے کے افراد کا مثبت قدروں پر یقین کرنا اور اسے عملی زندگی میں جاری وساری رکھنا ہے۔اور اگر یہی قدریں اپنی حیثیت کھونے لگیں تو معاشرہ اور افراد شکست وریخت کا شکار ہو جاتے ہیں۔اب ہم جاپان کے اِقداری نظام کا مطالعہ کریں گے۔

جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں اس کے افراد مثبت قدروں پر نہ صرف یقین رکھتے ہیں بلکہ ان کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ نظر بھی آتا ہے۔جاپانی معاشرے نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنے ملک کو تباہ وبرباد حال میں دیکھا۔اس معاشرے کے افراد نے اپنوں کو جان سے جاتے دیکھا اور ان کے سامنے لمحوں میں ہی ایک ہنستا مسکراتا ملک تباہ ہو گیا۔لاکھوں نے اپنی جانیں قربان کیں،لاکھوں بے یارومددگار ہو گئے۔جاپانی قوم نے اتنی بڑی شکست اور تباہی کو صبر سے قبول کیا اور صبر وشکر،محبت ومہربانی،محنت وایمانداری اور اخلاق جیسی قدروں کو اپنی زندگی میں شامل کیا اور یوں یہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔

جاپان میں اخلاقیات پر زور دیا جاتا ہے۔اخلاقیات دراصل اخلاقی اقدار کا ایسا نظام ہے جو ہمارے رویے کو خوشگوار زندگی کی خاطر تشکیل دیتا ہے۔اخلاقیات کی وجہ سے ہی ہم ایماندار زندگی گزرا سکتے ہیں،جس سے ہمارے آس پاس کے لوگوں سے بھروسہ اور دوستی جنم لیتی ہے۔اخلاقیات مسرت کی کنجی ہے۔جاپانیوں کے اخلاق کے بارے میں ڈاکٹر آصف محمود جاہ اپنے سیاحت نامہ چڑھتے سورج کے دیس میں بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں:

سب سے زیادہ جاپانیوں کے اخلاق نے متاثر کیا۔جیسا کہ پہلے آچکا ہے کہ جاپانی بہت محبت کرنے والے،ملنسار اور دل کے اچھے لوگ ہیں۔آپ کو ہمیشہ خوش دلی سے خوش آمدید کہیں گے اور بڑے ہی دلنشیں انداز میں الوداع کہیں گے۔کوئی چھوٹا سا بے قیمت تحفہ دے دیں تو اس طریقہ سے آپ کا شکریہ ادا کریں۔۔۔ایک دوسرے کا لحاظ،ایک دوسرے کی عزت،ایک دوسرے کی مدد اور قدر کرنا جاپانیوں کا خاصا ہے۔[۲]

اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاپانی اخلاق کی دولت سے مالامال ہوتے ہیں۔ان کے چھوٹے بچے سے لے کر بڑوں تک سب ایک دوسرے سے محبت اور خلوص سے پیش آتے ہیں۔اس کی سے بڑی وجہ ان کی تعلیم جس میں پہلی جماعت سے لے کر چھٹی جماعت تک جاپان میں بچوں کو اخلاقیات کا مضمون پڑھایا جاتا ہے۔اخلاقیات میں بچوں کو روزمرہ کے معاملات،چھوٹے بڑے کا احترام اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی اخلاقیات بتائی جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ

جاپان میں جہاں جائیں سب ملتے ہوئے اخلاقیات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جاپانیوں کے اخلاق کے متعلق عامر بن علی جہاں گردی میں یوں رقم طراز ہیں:

> یہاں داغدار یا عیب دار چیز کی خرید و فروخت کو معاشرتی طور پر برا سمجھا جاتا ہے۔ کسی چیز کا سستا ہونا بعد کی بات ہے، سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ اسے معیاری ہونا چاہیے۔ اس معاشرے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں غلطی کی گنجائش گوارا نہیں کی جاتی۔[۷]

جس معاشرے میں ابتدائی جماعت سے ہی بچوں کو اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی ہو اس معاشرے میں افراد کا کردار ان کے اخلاق کا امین ہو گا۔ سچ اور جھوٹ، محبت و نفرت، محنت و ایمانداری جیسی مثبت قدریں مل کر ایک فرد کا اخلاق بناتی ہیں اور یہی اخلاق آگے معاشرے کو بہتر طریقے سے چلانے کے کام آتا ہے۔ اس لیے عامر بن علی جہاں گردی میں جاپانیوں کی مثبت قدروں کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ جاپان ایسا معاشرہ ہے جہاں عیب دار چیز تک کو پسند نہیں کیا جاتا۔ جہاں ہر چیز کا معیار دیکھا جاتا ہے آیا وہ چیز معیاری ہے یا نہیں۔

اس معاشرے میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ اپنے ملک کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے معیاری چیزیں بناتے ہیں تاکہ ان کے ملک کا نام بدنام نہ ہو۔ اور ان کے ملک کے بارے میں کوئی غلط بات نہ کرے اس لیے ان کے ہاں غلطی کی کوئی معافی نہیں ہوتی ہے۔ جاپانی بڑے ملنسار اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں ۔ان کے ہاں ایسی قدریں بچوں کی گھٹی میں شامل کی جاتی ہیں تاکہ بچہ بڑا ہو تو اس کو اس بات کا علم ہو کہ وہ جس معاشرے میں رہتا ہے وہاں کے کیا اصول ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء اسلام انصاری جاپانیوں کے ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آنے کے متعلق اپنے سفرنامہ چڑھتا سورج میں رقم طراز ہیں:

> ہم نے یہ بھی دیکھا کہ خاندان جس جگہ بیٹھا ہے وہاں کوئی دوسرے واقف لوگ آگئے اور سب افراد اٹھ کر ان سے ملنے کے لیے جھک جھک کر سلام کرنے لگے تو ماں یا باپ نے سال بھر کے بچے کی گردن پکڑ کر اسے بھی اپنے ساتھ ساتھ جھکانا شروع کر دیا گویا یہ جاپانی لوگ بچے کو بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت حاصل کرنے سے پہلے اپنے معاشرتی آداب و عادات سکھانے لگتے ہیں۔[۸]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپان میں ایک ہی اقداری نظام رائج ہے جس پر پوری قوم متفق ہے یعنی آداب معاشرت اور دیگر قدریں جس پر ایک معاشرہ چل کر ترقی کرتا ہے۔ جاپان میں بچوں کو آداب بچپن سے ہی سیکھائے جاتے ہیں۔ تاکہ چھوٹی عمر سے ہی اُس میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ کس طرح ایک معاشرے میں رہنے کے اصول ہوتے ہیں۔ اگر ایک بچے کو اس بات کا شروع سے علم ہو گا، تب ہی تو وہ بڑا ہو کر ان اقدار پر چل سکے گا۔ اس لیے جاپان میں ہر فرد چاہے۔ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ان آداب سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ جیسے جاپانی جب کسی سے ملتے ہیں تو مسکراہٹ کے

ساتھ پیش آتے ہیں۔وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ سامنے والا اپنا ہے یا غیر بلکہ جاپان میں سب برابر ہوتے ہیں۔ دراصل یہ ان کی تہذیب کا حصہ ہے۔آج کا جاپان میں عامر بن علی جاپانیوں کی اقدار اور روایات کے بارے میں لکھتے ہیں: ''آپ یہاں کے کسی بھی دفتر، دکان یا استقبالیے پر چلے جائیں، آپ کا استقبال بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔بیزار، سپاٹ یا پھر افسردہ چہرے کے ساتھ گاہک کو مخاطب کرنا یہاں خلاف آداب سمجھا جاتا ہے۔'' [9]

جاپان میں مسکرا کر ملنے کو اچھا سمجھا جاتا ہے، وہاں آپ جس مرضی جگہ پر چلے جائیں اور جس وقت بھی جائیں میزبان ہمیشہ مسکرا کر آپ کو خوش آمدید کرتا ہے۔کسی بات کو بُرا منائے بغیر خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔جاپانی اقدار و روایات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ابتدا سے ہی بچوں کی بھی تربیت اسی طرح کرتے ہیں تاکہ بچوں کو ان اقدار کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔جاپان میں وقت کی بھی بہت قدر کی جاتی ہے۔ایک ایک سیکنڈ اور ایک ایک منٹ کی جاپان میں اہمیت ہے۔وقت کی قدر کے بارے میں ڈاکٹر ضیاءاسلام انصاری بیان کرتے ہیں:

> جاپانی معاشرے کی بہت سی نمایاں خصوصیات ہیں اور ہر شخص انہیں اپنے اندازے سے دیکھ سکتا ہے۔مجھے جو چیز سب سے اہم نظر آئی وہ یہ ہے کہ جاپانی قوم وقت کی سب سے زیادہ قدر کرتی ہے۔یہاں تک کہ ان کے یہاں فاصلے بھی منٹوں کے حساب سے ناپے جاتے ہیں۔ [10]

جاپان کا معاشرہ متعدد خصوصیات کا حامل ہے۔انہی خصوصیات میں اہم وقت کی قدر ہے۔جاپانی واحد قوم ہے جس کو وقت کی اہمیت کا اندازہ ہے اور وہ اس کی قدر کرتی ہے۔اپنا ایک ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کرتی۔جاپانی اپنا ہر کام وقت پر اور محنت سے انجام دیتے ہیں۔جاپان کی ترقی کا ایک راز وقت کی قدر ہے۔الطاف شیخ اپنی تصنیف گیشاؤں کے دیس میں جاپانی اقدار میں وقت کی کتنی کی قدر ہے اس بارے میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> وقت کی پابندی میں تو جاپان کا جواب نہیں۔مختلف اسٹیشنوں پر ریل کے پہنچنے میں آج تک صرف دس سیکنڈ کا فرق ہوا ہے۔یاد رہے کہ صرف دس سیکنڈ کا۔ایک منٹ کا بھی چھٹا حصہ اور آج کے دن تک اس ریل کو چلتے ہوئے چالیس سال سے زائد ہو چکے ہیں لیکن ایک بھی حادثہ نہیں ہوا۔کسی ایک شخص کی بھی جان ضائع نہیں ہوئی ہے۔ [11]

اس سے ظاہر ہوتا ہے جاپانی قوم وقت کی کتنی پابندی کرتی ہے، یہاں تک کہ اُن کے ہاں ٹرین بھی کبھی تاخیر سے نہیں آئی اسی بات سے ہی اس قوم کی ترقی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔جو ہر کام وقت پر کرتی ہو، وہ کیسے ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی۔جاپانی وقت کی اتنی پابندی کرتے ہیں کہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتے۔بقول مصنف کے یہاں ریل کو چلتے چالیس سال ہونے کے باوجود بھی حادثے کا شکار نہیں ہوئی۔اور نہ کسی شخص کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔جاپان میں وقت کی کتنی قدر کی جاتی ہے اس کے متعلق چڑھتے سورج کے دیس میں کے مصنف کے بقول:

جاپانی بہت میکانیکل (Mechanical) اور (Calculated) قسم کے لوگ ہیں۔ ہر کام کو مقررہ وقت پر طے شدہ طریقہ کار کے مطابق کرتے ہیں۔ مجال ہے کہ ایک منٹ بھی اِدھر سے اُدھر ہو جائے۔ بقول گوپال (فیپال) یہ لوگ بیت الخلا بھی دوڑ کر جاتے ہیں اور دوڑ کر واپس آتے ہیں کہ کہیں کوئی منٹ فضول ضائع نہ ہو جائے۔ [۱۲]

مصنف کے موقف سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاپان میں وقت کی کتنی اہمیت ہے۔ جاپانی ایک ایک منٹ کی قیمت کا اندازہ رکھتے ہیں کہ ایک منٹ بھی کتنا قیمتی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے جاپانی قوم نے دوسری جنگ عظیم کے بعد شکست حال ہونے کے باوجود خود کو مضبوط کیا اور وقت کی قدر کی اور اپنے ایک ایک منٹ سے فائدہ حاصل کر کے ترقی کی منازل طے کیں۔ انہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ اگر ایک منٹ بھی کسی کام کو دیر ہو جائے تو کتنا اس کا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً اگر اسکول جا رہے ہیں تو ایک منٹ بھی تاخیر ہو گی تو ایک تو جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور دوسرا پھر سارا دن کام میں تاخیر ہوتی رہتی ہے۔ اور اگر بس یا ٹرین کا سفر کرنا ہو تو تاخیر کی صورت میں آپ کی بس یا ٹرین چھوٹ سکتی ہے۔ جس سے سارا کام خراب ہو گا۔ یہی وجہ کہ جاپان میں ہر جگہ وقت کی پابندی کی جاتی ہے۔ جاپان کہانی میں حکیم محمد سعید اس قوم میں وقت کی کتنی قدر ہے اس کے متعلق یوں رقم طراز ہیں: ''نونہالو! جاپان کے عورت اور مرد سب وقت کے نہایت پابند ہیں۔ تم نے غور کیا کہ ریل ۸ بج کر ۵۶ منٹ پر روانہ ہوئی۔ یہاں جاپان میں ایک ایک سیکنڈ کی قیمت ہے۔'' [۱۳]

حکیم محمد سعید کے بقول جاپان میں ہر سیکنڈ قیمتی ہوتا ہے۔ ریل ہو یا بس اپنے اپنے وقت پر روانہ ہوتی ہیں۔ جاپان میں مرد ہو یا عورت سب وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ جس قوم کے لیے ایک ایک سیکنڈ قیمتی ہو گا تو کیسے ترقی نہیں کرے گی۔ مصنف اپنے تجربات کو بیان کرتے ہوئے اپنے ملک کے بچوں سے مخاطب ہیں، کہ وہ بھی اسی طرح وقت کی قدر کریں۔ جو وقت کی قدر کرتا ہے وہی پھل پاتا ہے۔ اس لیے اس قوم نے وقت کی قدر کی اور آج اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ دنیا اُسے حیرت سے دیکھتی ہے۔ جاپان کے دن میں الطاف شیخ جاپانیوں میں وقت کی کتنی اہمیت ہے اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

وقت کی پابندی میں تو جاپان کا جواب نہیں۔ مختلف اسٹیشنوں پر ریل کے پہنچنے میں آج تک صرف دس سیکنڈ کا فرق ہوا ہے۔ یاد رہے کہ صرف دس سیکنڈ کا یعنی ایک منٹ کا بھی چھٹا حصہ!۔۔۔ کسی شخص کا ایک بیگ بھی اوپر نیچے نہیں ہوا۔ [۱۴]

جاپانی واحد قوم ہے جو قدم قدم پر زندگی گزارنے کے حوالے سے درس بھی دیتی ہے اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتی ہے۔ یہ لوگ وقت کی پابندی ہر حال میں کرتے ہیں اس کے ساتھ ان کے ہاں نظم و ضبط بھی پایا جاتا ہے۔ ان

کی تمام زندگی نظم وضبط کے مطابق گزرتی ہے جاپانی قوم کی ترقی کا راز اپنے کالم میں مقصور انجم کمبوہ انقلاب میں لکھتے ہیں کہ :" جاپانی بڑے بردبار، صابر اور دیانتدار ہوتے ہیں نظم وضبط کے پابند گاڑی میں سوار ہوتے، اترتے وقت اور ٹکٹ حاصل کرتے وقت قطار بناتے ہیں افراتفری اور بد نظمی پیدا نہیں کرتے۔" [۱۵]

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک جاپانی کی ساری زندگی نظم وضبط پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ شروع ہی سے بچوں میں یہ عادت ڈالی جاتی ہے تاکہ بچہ بڑا ہو کر اس پر قائم رہے جب کسی چیز کی عادات شروع ہی سے ہماری گھٹی میں ڈال دی جائے گی تو ساری عمر وہی عادت ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ جاپانی بھی شروع سے بچوں کو نظم وضبط اور وقت کا پابند بناتے ہیں۔ اور وہ پھر ساری زندگی اس پر قائم رہتے ہیں۔ یوں وہ ہر میدان میں نظم وضبط کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر وہ چاہے گاڑی میں سوار ہو یا ٹکٹ خرید رہے ہوں۔ وہ ہر حال میں قطار بنائیں گے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھیں گے کہ اُن کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جاپانیوں میں نظم وضبط کی اس عادت کے متعلق مہر ساجد شاد اپنے کالم نظم و ضبط جاپانی ثقافت میں لکھتے ہیں:

> جاپانی لوگ گھنٹوں کسی بھی کام کیلئے قطار میں کھڑے رہ سکتے ہیں اور آپ کبھی انہیں اس پر شکایت کرتا ہوا نہیں پائیں گے۔ عمومی لحاظ سے جاپان کے لوگ اپنے نظم وضبط اور اپنے مثبت رویوں کے اعتبار سے دنیا بھر میں جانے جاتے ہیں۔ یہ دنیا میں کہیں بھی جائیں دو لوگ بھی ہوں تو قطار شروع کر لیتے ہیں۔۔۔ کوئی بل جمع کروانا ہو، کہیں عوامی بیت الخلاء۔۔۔ جاپانی آپ کو قطار میں ہی نظر آئیں گے کبھی بے ہنگم ہجوم نہیں بنیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ساری دنیا میں انکے ساتھ احترام بھرا سلوک کیا جاتا ہے۔ [۱۶]

جاپانیوں کی ترقی کا راز مہر ساجد شاد کت بقول اُن میں پائی جانے والی نظم وضبط کی عادت ہے۔ اور قوم میں نظم وضبط تب ہے پیدا ہو گا جب اُن میں ایمانداری اور صبر کرنے والی صلاحیتیں موجود ہوں گی اور جاپانیوں میں یہ صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں اولیے ان کی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت ہے اور یہی عادت ان کو باقی اقوام سے منفرد بناتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ قاعدے قانون کی پاسداری کرتے ہیں اس حوالے سے " الطاف شیخ" اپنی تصنیف جاپان کسے دن میں یوں رقم طراز ہیں کہ :

> جاپان دنیا کے ان ملکوں میں سے ہے جہاں قاعدے اور قانون پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ پولیس یا کوئی دوسرا قانون نافذ کرنے والا ادارہ کسی بھی بے گناہ کو پریشان نہیں کرتا۔ مگر جرم کر کے شاید ہی کوئی جاپان میں قانون سے بچ سکا۔۔۔ اسکول ٹیچرز کی طرف سے یہی تعلیم اور تربیت ملتی ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، چوری جیسے فعل سے بچنا چاہیے، کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانا

چاہیے،۔۔۔ حتیٰ کہ اگر لائبریری سے کتاب لی جائے تو وقت پر واپس کرنا چاہیے اور اس پر کچھ لکھنا۔۔۔انتہائی غیر اخلاقی اور غیر ذمہ داری کا کام ہے وغیرہ وغیرہ۔ [۱۷]

مندرجہ ذیل اقتباس اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جاپانی اپنی اقدار کو قائم کیسے رکھے ہوئے۔ کس طرح بچوں کو ابتدا ہی سے اس کی تربیت کی جائے کہ وہ نہ جھوٹ بولے اور نہ چوری کرے جب یہ عادات ابتدا ہی سے بچوں میں پائی جائے گی تبھی اس معاشرے میں قاعدے قانون کا احترام کیا جائے گا اور جاپان میں ان اقدار وروایت کا احترام بھی اس لیے کیا جاتا ہے کیوں کہ انھوں نے ابتدا سے اپنے بچوں کی ایسی تربیت کی کہ جاپان کا پورا معاشرہ قاعدے اور قانون کی پاسداری کرتا ہے۔ سچ اور جھوٹ کی پہچان، چوری کرنا برائی ہے، دوسروں کو تکلیف پہنچانا، غیر اخلاقی رویہ اور صفائی کے بارے میں تعلیم دینا جاپان کے اسکول ٹیچر شروع ہی سے بچوں کو سکھاتے ہیں۔ جاپان میں صفائی کی بہت اہمیت حاصل ہے۔ جاپان میں صفائی لازی جز سمجھا جاتا ہے۔جاپان ایک نو آبادیاتی شہری کی نظر میں ڈاکٹر محمد شعیب اختر اپنے کالم میں جاپان میں صفائی کی کتنی اہمیت اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

نور حسین نے اپنے ملک کی بڑی بڑی دیواروں پر "صفائی نصف ایمان ہے." کی تحریر تو کئی بار پڑھی تھی مگر اس کا عملی نمونہ اسے جاپان میں نظر آیا۔ یہاں ہر طرف صفائی ہی صفائی تھی اور گندگی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اس سے بھی حیران کن بات جو اس نے آنے والے دنوں میں سمجھی کہ ہر شخص یہاں صفائی کو اپنی بنیادی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اپنے ملک کی صفائی کا خیال رکھتا ہے۔ [۱۸]

صفائی مسلمانوں کے لیے نصف ایمان ہے۔ لیکن جاپانی مسلمان نہ ہونے کے باوجود بھی اس بات پر قائم ہے کہ صفائی کی کتنی اہمیت ہے۔ جاپان کا سارا ملک ہی صفائی نصف ایمان کے قاعدے پر قائم ہے۔بقول مصنف کہ ہر طرف جاپان میں صفائی ہی صفائی ہے اور گندگی کا تصور نہیں ہے اس بات کی ذمہ داری کہ ہمارا ملک صاف رہے ہر جاپان کا فرد نبھاتا ہے پھر چاہے وہ بوڑھا ہو یا جوان اپنے حصے کی ذمہ داری بخوبی نبھاتے ہیں۔ جاپان میں صفائی کی بہت اہمیت ہے اور جاپانیوں میں صفائی زندگی کے لازمی جز کے طور پر اس کی اہمیت کو مدِ نظر رکھ کر صفائی کی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں رفیق ڈوگر اپنی تصنیف جاپان نورد میں لکھتے ہیں:

سکول میں کلاس روم کی صفائی پر استانی دو چار لڑکوں کو نہیں لگاتی بچوں کو صفائی کا فرض سونپ کر خود سویٹر بننا شروع نہیں کر دیتی۔ "آؤ بچو ہم اپنا کمرہ صاف کریں۔" وہ خود صفائی شروع کرتے ہوئے کہتی ہے۔ کمرہ خواہ دس پندرہ فٹ ہی کا ہو سب طلبہ مل کر اس کی صفائی کرتے ہیں۔ [۱۹]

مندرجہ بالا اقتباس کے مطابق جاپان میں صفائی کے بارے میں آگاہی ابتدائی تعلیم کے ساتھ ہی دی جاتی ہے۔ اور اس آگاہی میں سب بڑا ہاتھ استاد کا ہے جو خود کرسی پر بیٹھ کر صفائی کا حکم نہیں دیتا، بلکہ اپنے بچوں کے ساتھ مل

کر صفائی کرتا ہے۔اس طرح بچپن سے بچوں میں صفائی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔اور ایسی قومیں ہی ترقی کرتی ہیں۔ جو صرف اپنے گھر کو نہیں بلکہ ملک کو صاف رکھتی ہیں۔محمد عرفان صدیقی جاپان میں صفائی کے حوالے سے صفائی جاپانیوں سے سیکھیں میں بتاتے ہیں:

> جب میں بچوں کے اسکول جاتا ہوں تو وہاں اکثر مجھے اپنے بچے دوسرے بچوں کے ساتھ صفائی ستھرائی کرتے نظر آتے ہیں لیکن جاپان میں اسے تعلیم کے ساتھ تربیت کا حصہ سمجھا جاتا ہے جہاں اسکولوں میں ہر روز چالیس منٹ کا ایک پیریڈ صفائی ستھرائی کا ہوتا ہے اور ہر روز بچوں کو اسکول کے مختلف حصوں کی صفائی کی ذمہ داری دی جاتی ہے،اسی تربیت کے نتیجے میں جاپانی قوم ایک صاف ستھری اور صفائی پسند قوم بن چکی ہے۔[۳۲]

جاپانی اقدار میں صفائی کی تعلیم دینا اور بچوں میں صفائی کی عادت ڈالنا انتہائی ضروری ہے۔اس لیے جاپان کے اسکولوں میں صفائی کے لیے چالیس منٹ کا الگ پیریڈ ہوتا ہے جس میں بچوں کو صفائی کی تعلیم دی جاتی ہے اور بچے اسکول کے مختلف حصوں کی صفائی کرتے ہیں۔اسی وجہ سے جاپانی قوم صفائی میں باقی اقوام سے آگے نکل چکی ہے اور جاپان کی ترقی کا راز بھی اپنی اقدار و روایات کو قائم رکھنا ہے اور اس کے لیے بچوں کی ابتدائی عمر میں تربیت کرنا۔تاکہ یہی بچے بڑے ہو کر قوم کی روایات کو قائم رکھے،اور ملک ترقی کرے۔جاپانی قوم ایماندار ہوتی ہے ان کی ترقی کی ایک وجہ اُن کی ایمانداری بھی ہے۔وہ اپنا ہر کام محنت اور ایمانداری سے سرانجام دیتی ہے۔اس سلسلے میں مجتبیٰ حسین جاپان چلو جاپان چلو میں لکھتے ہیں: کبھی آپ غلط کرنسی نوٹ مشین میں ڈالیں تو مشین اس نوٹ کو پھر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتی ہے۔جاپانیوں کی طرح ان کی مشینیں بھی بڑی ایماندار ہوتی ہیں۔"[۳۳]

الغرض جاپان میں کسی کا حق نہ مارنا، جھوٹ سے اجتناب،اخلاقی اقدار کو پامال کرنے کی اجازت نہ ہونا ،پابندی وقت، بھٹکے ہوئے مسافروں کو رستہ بتانا اور انہیں منزل تک پہنچانا یہ سب ان کے فرائض اور اقداری نظام کا لازمی جز تصور کیے جاتے ہیں۔مجموعی طور پر جاپانی نفیس ، حلیم اور ٹھنڈے مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔خود بھی خوش رہنا اور دوسروں کے لیے بھی خوشی کا باعث بننا ، قانون کا احترام کرنا اور دوسروں کو بھی قانون کا احترام کرنے کی تلقین کرنا جاپانیوں کے کردار کا خاصا ہے۔جاپان میں غذائی اشیاء میں ملاوٹ کرنے کا تصور تک موجود نہیں۔اگر کوئی پروڈیکٹس بناتے ہوئے معیار میں کوئی کمی رہ جائے تو اسے اندرونِ جاپان اور بیرون ملک میں نہیں بھیجا جاتا ہے،انہی تما م وجوہات کی بناپر جاپان دوسری جنگ عظیم کے بعد تباہ و برباد ہونے کے باوجود چند عشروں میں دنیا کی تیسری بڑی معیشت بن گیا۔

جاپان کے رسم ورواج کا مطالعہ:

رسم اُس کو کہتے ہیں جو ہمارے بڑوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ مگر ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیوں ہوتا تھا اور کس لیے ہوتا تھا اور اس کا کیا فائدہ ہے۔؟ جبکہ رواج اُس کو کہتے ہیں جو سب لوگ کرتے ہوں یا کرنے لگ جائے۔ اور لوگ اس کو کرنے کو عیب نہ سمجھے۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کسی وقت وہ کام عیب سمجھا جاتا ہو مگر جب وہ رواج بن جائے تو پھر وہ لوگوں کو بُرا نہ لگے۔ انگریز مصنفین نے رسم کی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ اُن کے مطابق:

> ایک کام کا ہمیشہ بار بار کرتے رہنا، یا کسی کام پر مدتوں سے بطور قانون کے عملدرآمد چلا آنا، رسم کہلاتا ہے۔ رسم ہمیشہ ایک بن لکھا ہوا قانون ہوتا ہے، جس پر سب لوگ مدت سے اتفاق کرتے چلے آتے ہیں، اور اس لئے وہ رسم بطور ایک قانون کے مسند ہو جاتی ہے۔ [۲۲]

اس اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسم کو قانون کی طرح سمجھا جاتا اور اس کو لاگو کیا جاتا ہے۔ جس طرح قانون کی پاسداری ضروری ہے اس طرح رسم کی بھی ضروری ہے۔ جہاں انسان کو سیاسی، معاشی اور کھیل کُود والی مخلوق سمجھا جاتا ہے وہی رسم ورواج کو نبھانے والی بھی ہے۔ جس طرح زبان خیالات کا ذریعہ ہے اسی طرح رسم بھی جذباتی اصولوں کی بنیاد پر کسی بھی معاشرے کی علاماتی سرگرمی کا نام ہے۔ رسم ورواج کے متعلق ''سر والٹر ریلے'' بیان کرتے ہیں: ''کہ رسم ورواج میں وہ فرق ہے جو سبب اور نتیجہ میں ہے کیونکہ جب کسی کام کا رواج مدت تک رہتا ہے۔ تو وہ بطور ایک قانون کے لوگوں میں پھیل جاتا ہے، اور آخر کو یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ایک رسم بن جاتی ہے۔'' [۲۳]

رسم ورواج میں ملکی قوانین بھی حصے دار ہوتے ہیں۔ ہر ملک میں اس کا وجود موجود ہوتا ہے۔ رسم ایسا قانون ہوتا ہے جس کو بار بار کیا جاتا ہے اور یہ باہر سے آیا ہے مگر اس سے اکثر ایک دوسرے کو فائدہ بھی ملتا ہے۔ جسے خیرات و زکٰوۃ دینے کی رسم سے سخاوت ملتی ہے۔ ''سر سید احمد خان'' رسم ورواج کے متعلق فرماتے ہیں:

> میری رائے ہے کہ مذہب بھی رسم ورواج پیدا ہو جانے کا ایک سبب ہوتا ہے۔ مگر جب تک کہ اس کے مسائل بطور رسم کے جاری نہ ہو جاویں، رسم ورواج سے زیادہ قوت نہیں رکھتا۔ اکثر قوموں میں، بلکہ دنیا کی کل قوموں میں، بہت سی ایسی رسمیں پائی جاویں گی، جو درحقیقت ان کے برخلاف ہیں۔ مگر ان رسموں نے ان کے دلوں میں ایسی مضبوط جڑ پکڑلی ہے۔ کہ مذہب کی نہایت زبردست اور طاقتور کل بھی اس کے اکھاڑنے سے عاجز ہو گئی ہے۔ [۲۴]

رسم ورواج کی جڑیں انسانوں کے دلوں میں نہایت قوی اور مستحکم ہوتی ہیں۔ ایک غلام سے بھی زیادہ ہر فرد اس کی تابعداری کرتا ہے۔ ایک مالک کو غلام کی نافرمانی کا اندیشہ ہو سکتا ہے مگر رسم ورواج کو نافرمانی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ رسم ایک ایسا علامتی اظہار ہوتا ہے جس سے سماجی تعلقات، افراد کا معاشرے میں کردار اور رُتبہ واضح ہوتا

ہے۔رسم ورواج کسی بھی ملک کی ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں۔ رسم ورواج کے حوالے سے سارہ خان سم ورواج ،ثقافت بھی ، اذیت بھی میں لکھتی ہیں:

> رسم ورواج کسی بھی ثقافت کا جھومر ہوتے ہیں۔ جن کی مدد سے معاشرے کے رہن سہن کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ رسوم ورواج علاقائی ہوتے ہیں جو اس علاقے کی نمائندگی کرتے ہیں جن میں یہ پائے جاتے ہیں۔ رسم ورواج قدیم تہذیبوں میں بھی رائج تھے جو اس وقت کے لوگوں کی تہذیب وثقافت کے عکاس ہیں۔[۲۵]

رسم ورواج کا تعلق حکومت، مذہب، ثقافت اور معاشرت سب کے ساتھ برابر ہوتا ہے۔ جن رسموں کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے اور جو ان کو مانتے ہیں ان کے نزدیک یہی رسمیں سچائی اور انسان کی بھلائی کے لے بہتر ہیں۔ اگر کوئی ان رسموں پر ایمان لاتا ہے۔ اور ان رسموں کو ادا کرتا ہے تو وہ اعلیٰ درجے کا مانا جاتا ہے۔ اور جو ان رسموں سے انحراف کرتا ہے تو اس کا فر سمجھا جاتا ہے اور مذہب سے خارج قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں مزاروں پر چڑھاوے دیے جاتے ہین اور قبروں پر سجدہ کیا جاتا ہے یعنی جھکا جاتا ہے۔ اگر کوئی منع کردیں کہ یہ جائز نہیں یا گناہ تو اُس کو مذہب سے فارغ سمجھ لیتے ہیں کہ آپ نے تو یہ بات غلط بول دی۔ اسے کافر یا مرتد بنا دیتے ہیں۔

اس طرح اور بھی ہمارے ہاں رسمیں بنی ہوئی ہیں جن کی کوئی حقیقت اصل میں نہیں پھر بھی وہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ جیسے دس بیبیوں کی کہانی پڑھائی جاتی یعنی دس عورتوں کو بُلا کر ایک کمرے میں الگ بیٹھایا جاتا اور دس موتی چور کے لڈو پاس رکھ کر دس بیبیوں کی کہانی کسی مشکل کو آسان بنانے کے لیے سنائی جاتی ہے جب کہ اس کی اصل کوئی حقیقت نہیں محض ایک پُرانی ریت ہے۔ زیادہ تر رسمیں ملک کے مزاج کے مطابق پیدا ہوتی ہیں۔ مگر رسموں کے پیدا ہونے میں سب سے زیادہ دخل مذہب اور عقائد کا دخل ہوتا ہے۔ ہر ملک و قوم کو اپنے رسم ورواج اور مذہبی عقائد عزیز ہوتے ہیں اور وہ ان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ انسانی ضروریاتِ زندگی نے جب معاشرتی زندگی کا آغاز کیا تو پھر اس طرح آہستہ آہستہ بہت سی رسمیں پیدا ہونا شروع ہو گئی۔

سر سید احمد خان کے بقول: ''گویا تمدن د معاشرت رسم ورواج پیدا ہونے کا سبب ہے۔'' [۲۶] جو رسمیں مذہبی خیالات پر مبنی ہوتی ہیں ان کی جڑیں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر چاہیے جتنے مرضی مذہبی اصلاح کرنے کے لیے اقدامات اٹھائے جائیں مگر رسموں کی پیروی کرنے والے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم صحیح کام کر رہے ہیں۔ مذہبی رسم ورواج کے بارے میں ''شاہد حسین رزاقی'' اپنی کتاب پاکستانی مسلمانوں کے رسم ورواج میں یوں بیان کرتے ہیں:

> مختلف ملکوں کے باشندوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں ایسی رسمیں بکثرت پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن ان رسموں کے حامی اپنی اپنی جگہ ہی سمجھتے ہیں کہ وہ جن رسوم ورواج پر عمل پیرا ہیں وہ نہایت عمدہ ہیں اور ان میں برائی کا کوئی پہلو نہیں۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دو متضاد چیزیں بہ یک وقت اچھی نہیں ہو سکتیں۔ یہ سب ہی جانتے ہیں ہیں کہ ہندو بتوں کو پوجتے ہیں لیکن مسلمان اور یہودی بت پرستی کو بدترین گناہ سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں میں مردے کو جلانے کا رواج ہے لیکن مسلمان، عیسائی اور یہودی اس کو مردے کی انتہائی توہین اور گناہ تصور کرتے ہیں۔ بدھی اور جینی کسی جاندار کی جان لینے والے کو شدید عذاب کا ذمہ دار سمجھتے ہیں لیکن مسلمان اور یہودی اپنے مذہبی احکام کے مطابق جانوروں کی قربانی دیتے ہیں۔ [۲۷]

ہر مذہب کو ماننے والے کے الگ طریقہ کار ہوتے ہیں وہ کسی کے لیے بُرے اور کسی کے لیے اچھے ہوتے ہیں مگر کچھ بالکل غلط ہوتے ہیں۔ اسی حوالے سے مزید مصنف اپنی کتاب پاکستانی مسلمانوں کے رسم ورواج میں بیان کرتے ہیں:

> مذہب پر مبنی رسم ورواج کی اصلاح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن صحیح طور پر کوشش کی جائے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ کیونکہ لوگوں میں جو معیوب اور مضر مذہبی رسمیں پائی جاتی ہیں وہ زیادہ تر اصل مذہب سے انحراف کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض قدیم مذاہب کے رسوم ورواج انسانی معاشرہ کے دور وحشت کیادگار ہیں اور ان کے پیرو اپنے مذہبی احکام کے مطابق یہ بری رسمیں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لیکن بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ناواقفیت کی بنا پر خود اپنے مذہب کے خلاف برے رسوم ورواج کو مذہبی سمجھ کر اختیار کر لیا ہے اور اگر ان لوگوں پر مناسب طریقے سے حقیقت حال واضح کر دی جائے تو ان بڑی رسموں کو ختم کر دینے کا کام آسان ہو جائے گا۔ [۲۸]

ہر ملک و قوم کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں رسم ورواج کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ رسم ورواج اصل میں مختلف اسباب کے نتیجے میں بنتے ہیں۔ اور ان اسباب میں جغرافیائی کیفیت، اور پھر اس کی تہذیب وثقافت، کسی ملک یا علاقے کے مخصوص حالات، مذہبی عقائد، اخلاق وعادات وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں، جو رسم وراج کو آگے بڑھاتے ہیں۔ دو اہم ترین قسمیں جو رسم ورواج کی ہیں اُن میں معاشرتی اور مذہبی شامل ہیں۔

الغرض کسی ملک یا علاقے کے رسم ورواج سے پوری واقفیت ہونے اور درست معلومات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے، اُس ملک یا علاقے میں جا کر وہاں کے رہنے والے باشندوں کا انتہائی گہرائی سے مطالعہ کیا جائے۔ اور وہاں کے رہنے والوں سے جن کو اس کے متعلق درست معلومات ہو ان سے وہ تمام معلومات حاصل کی جائے۔ اب ہم

جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے رسم ورواج کا مطالعہ کریں گے۔ ہر ملک و قوم کے رسم ورواج دوسرے ملک و قوم سے مختلف ہوتے ہیں۔

جاپان کے رسم ورواج بھی باقی ممالک سے منفرد ہیں۔ جیسے مصافحہ کرنے کا رواج جاپان میں مختلف ہیں۔ کسی ملک میں ہاتھ ملایا جاتا ہے اور کہیں پر گلے ملا جاتا ہے جب کہ جاپان میں ایک دوسرے کے سامنے جھک کر مصافحہ کیا جاتا ہے یہ جاپان کی ثقافت بھی ہے اور رواج بھی اور اس میں کسی کے سامنے جھکنے کا مطلب خود کو گرانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ جاپانی جب جھک کر ملتے ہیں تو اصل میں سامنے والے کی جھک کر تعظیم کرتے ہیں۔ سیاحت پر جانے اور وہاں پر رہنے سے کسی ملک یا علاقے کے رسم ورواج اور ثقافت کا پتہ چلتا ہے کہ اس علاقے یا ملک میں رہنے والے لوگوں کی زندگی کا کیا طریقہ کار ہے وہ اپنی زندگی کس انداز سے گزارتے ہیں۔ اس کے بارے میں رفیق ڈوگر اپنی تصنیف جاپان نورد میں جاپانیوں کے آپس میں ملنے پر مصافحہ کرنے کے انداز کو یوں بیان کیا ہے۔: "مذکرات ختم ہوئے تو وہ اچانک رکوع میں چلا گیا۔ سامان برادر لڑ کا سامان رکھ کر مزے سے پہلے رکوع میں گیا تو میں پریشان ہو گیا تھا سمجھ نہیں آتا تھا کیا کروں۔ افسر کو اس حالت میں دیکھ کر پشیمانی ہوئی۔" [۲۹]

اس سے ظاہر ہے کہ جاپان کی جھک کر ملنے کی رسم بہت پیاری ہے جس سے جاپانیوں میں عاجزی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جاپانی ایسی قوم ہے جو اپنی عاجزی اور انکساری کی وجہ سے پُوری دنیا میں مشہور ہے اور یہی وجہ ہے کہ جاپانی قوم نے دوسری جنگ عظیم میں شکست اور تباہی کا بدلہ لینے کے بجائے جھک جانا پسند کیا اور یہی جاپان کی ترقی کا راز بھی ہے۔ جاپانیوں کے جھک کر ملنے کے متعلق فرح ناز اپنے سفر نامہ ہتھیلیوں پہ جگنو میں یوں رقم طراز ہیں:

> یہ جاپانی تہذیب کا حصہ ہے کہ ہر مہمان جھک کر سلام کیا جاتا ہے اور مسکرا کے بات کا جواب دیا جاتا ہے ماتھے پہ شکن کا نام نہیں اور کمر شاید مسلسل جھکنے کے بعد درد کی اذیت سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہے۔ [۳۰]

جاپان میں جھک کر سلام کرنے کا رواج عام ہے یہ لوگ بہت محبت اور خلوص سے ملتے ہیں اور سامنے والے کی تعظیم میں جھک جانے کو معیوب نہیں سمجھتے اس لیے اس قوم نے اتنی جلدی ترقی کر لی ہے کیونکہ جو جھکتا ہے پھل اُسی کو ملتا ہے۔ اور شاید جاپانی قوم نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ جھکنے سے عزت کم نہیں ہوتی بلکہ اس سے عاجزی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اور پھر وہی قوم کامیاب ہوتی ہے۔ اس لیے اس قوم نے جھک کر ملنے کا رواج اپنایا۔ جاپان کے اس رواج کے بارے میں ابن انشاء دنیا گول ہے میں شگفتہ انداز میں بیان کرتے ہیں:

> جاپانیوں کی ایک بات ہمیں پسند آئی یہ لوگ مصافحے کا زیادہ تردد نہیں کرتے اک ذرا گردن جھکائی اور سلام ہو گیا۔ کہیں جایئے یا کہیں سے آیئے جاپانی مہمان دور ہی سے کھڑا ساٹھ درجے کا

زاویہ بنا کر جھکے گا اور پھر کھڑا ہو جائے گا بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس میں بھی کئی باریکیاں ہیں۔ کون کس کے سامنے جھکے گا، آگے کب ہاتھ باندھنے چاہئیں کب چھوڑنے چاہئیں۔ [۳۱]

اور اے لوگو! آداب کے ذکر میں سنیئے کہ جاپان میں خودکشی تک کے آداب ہیں۔ دو مشہور مصنفین نے جن میں ایک نوبل انعام یافتہ بھی تھے اور جن سے سٹاک ہوم میں ملاقات کا شرف نہیں حاصل ہو گیا ہے کھلے خزانے خودکشی کی ہے۔ اس کے لئے قاعدے مقرر ہیں کہ خنجر پیٹ میں کسی طرف گھونپا جاتے۔ کتنا گھونپا جائے۔ اور گھر پہنتے وقت کپڑے کیسے ہونے چاہئیں اور نشست کیسی رہنی چاہئیے۔ خودکشی ایک پورا فلسفہ ہے۔ یہ نہیں کہ ریل کے نیچے سر دے دیا۔ زہر بھانک لیا یا چھت سے چھلانگ لگا دی، یا سمندر میں ڈوب گئے۔ ہر بات کا کوئی قاعدہ ہوتا ہے، قانون ہوتا ہے۔ [۳۲]

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جاپان میں کتنا نظم وضبط ہے۔ جاپانی ہر کام ایک طریقے سے کرتے ہیں یہاں تک کہ خودکشی کرنے کے بھی ان کے ہاں آداب پائے جاتے ہیں۔ خودکشی کی ایک رسم جس کو باقاعدہ طریقے سے ادا کیا جاتا ہے۔ باقی ممالک کی طرح نہیں کہ خودکشی کرنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اپنایا اور جان دے دی۔ خودکشی کی اس رسم کی تفصیل الطاف شیخ سفر نامہ جاپان کے دن میں یوں بیان کرتے ہیں: "جاپان کی روایتی خودکشی کے مطابق چھری سے پیٹ پھاڑ کر مر جانا۔" [۳۳]

الطاف شیخ کے مطابق جاپان میں خودکشی کرنے کا عام رواج ہے۔ جب جاپانی قوم اپنے منصب یا کسی کام کے لیے خود کو تیار کرتے ہیں تو اس کو ایمانداری سے انجام دیتے ہیں مگر جب وہ کام یا اپنے منصب پر پُورا نہیں اُتر پاتے تو اپنی ناکامی کی داستان یا کوئی عذر پیش کرنے کے بجائے معافی مانگتے ہیں، اور اُس کے ساتھ ہی خودکشی کر لیتے ہیں۔ جاپانیوں کی خودکشی کے حوالے سے ڈاکٹر ضیاء اسلام انصاری لکھتے ہیں:

جاپان میں زمانہ قدیم سے خودکشی کو بُرا نہیں سمجھا جاتا بلکہ بعض صورتوں میں تو اسے عبادت کا درجہ حاصل ہے، اس میں ایثار و قربانی کا جذبہ بھی شامل ہے۔ لیکن آج کل مایوسی اور محرومی کی وجہ خودکشی کا سلسلہ کافی بڑھ گیا ہے۔ ہمارے ٹوکیو میں قیام کے دوران ایک بارہ سالہ بچے نے آٹھویں منزل پر اپنے فلیٹ کی کھڑکی سے کود کر خودکشی کر لی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس نے اپنے باپ کے بٹوے سے چند سوین نکال کر وڈیو گیم کھیلنے میں صرف کر دیئے تھے۔ [۳۴]

جاپان میں خودکشی کو ایک مقدس اور بہادرانہ عمل سمجھا جاتا ہے۔ اس کو جاپان میں عبادت کا درجہ ملا ہوا ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں اور اپنی تضحیک پر خود کو ہلاک کر لیتے ہیں۔ جاپان میں غلطی کی وجہ سے مرنے پر فخر کیا

جاتا ہے۔ یہ لوگ بے عیب زندگی کے خواہش مند ہوتے ہیں اس لیے ان کو یہ گوارہ نہیں ہوتا کہ ان سے زرا سی بھی غلطی سرزد ہو۔اس بارے میں سنگا پُور سے جاپان کے مصنف لکھتے ہیں: ''فیوجی پہاڑ کے دامن میں یہ جنگل خودکشی کرنے والوں کی پسندیدہ اور آخری آرام گاہ ہے۔ پچھلے پچاس سال میں ہزاروں جاپانیوں نے اس جنگل میں آکر خودکشی کی ہے۔''[۳۵]

جاپان میں خودکشی کی بنیادی وجہ ڈپریشن ہے اور اس کو معاشرے میں بُرا نہ سمجھا جانا بھی المیہ ہے جس کی وجہ سے جاپان میں خودکشی کی شرح بڑھ رہی اور ایہ ایک رسم کے طور پر رواج پا چکی ہے۔ مصنف مزید لکھتے ہیں کہ :

> جاپان میں خودکشی میں اضافے کی ایک اور وجہ بھی ہے کہ اخلاقی طور پر خودکشی کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ مصنف Cho کا کہنا ہے کہ جاپان میں خودکشی کو مذہبی یا اخلاقی طور پر کبھی برا نہیں سمجھا گیا بلکہ صدیوں پہلے اجتماعی خودکشی کو عزت بچانے کے لیے کامیاب ہتھیار تصور کیا جاتا تھا۔[۳۶]

جاپان میں خودکشی کرنے کے لیے جاپانی ایک جنگل کا رُخ کرتے ہیں۔ جس کا نام ''اوکی گاہارا'' ہے جس کا مطلب درختوں کا سمندر اس جنگل میں روشنی نہیں ہوتی اس لیے دن میں بھی رات کا سما چھایا ہوتا ہے۔ جاپان میں خودکشی کی زیادہ شرح مارچ میں ہوتی ہے۔ جس کا مطلب یہ جاپان کے مالی سال کا آخری مہینہ ہوتا ہے اس لیے لوگ مالی مشکلات کے باعث خودکشی کر لیتے ہیں۔اب یہ ایک عام رواج بن گیا،اور ہر سال ۲۰ ہزار افراد جاپان میں خودکشی کرتے ہیں۔ تہذیبیں بنتی اور مٹتی رہتی ہیں۔ جیسے مصر کی تہذیب مٹ چکی ہے اسی طرح کچھ تہذیبیں ایسی ہیں جنھوں نے خود کو قائم رکھا ہے۔ان میں چینی تہذیب ،ہندوستانی اور جاپانی تہذیب بھی شامل ہیں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جس نے اپنی تہذیب کو بھرپُور طریقے سے برقرار رکھا ہے۔ ترقی یافتہ تہذیبوں کے کئی مددگار ہوتے ہیں جن میں ان کی ثقافت، زبان اور رسم رواج وغیرہ شامل ہیں۔ جاپان کے رسم و رواج میں ان کے رہن سہن کے طریقے بھی ہیں، جو کے بہت مختلف ہیں۔اُن کے ہاں چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہنے کا رواج ہے۔ جاپانی گھر کا نقشہ جاوید دانش مزید آوارگی میں اس طرح کھینچتے ہیں:

> فلیٹ دو کمروں کا سادہ بلکہ بے حد سادہ اور صاف سُتھرا تھا۔فرش پر اصلی تنکوں والی چٹائی بچھی نہیں بلکہ چپکی تھی،یعنی ہمیشہ کے لیے بچھادی گئی تھی ۔ڈنر ٹیبل قدرے نیچے جس کے گرد کرسیوں کے بجائے چٹائی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا اہتمام تھا،اصلی چٹائی ور بغیر کرسی کی ٹیبل اور فرشی اہتمام تک میرا کلکتے والا فلیٹ بالکل جاپانی تھا۔[۳۷]

جاپان میں چھوٹے گھروں کا رواج ہیں اور یہ لوگ ان چھوٹے چھوٹے گھروں میں خوشی سے زندگی گزارتے ہیں۔ جاپانیوں نے اپنے گھروں کو جدید سہولتوں سے آراستہ کیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی جگہوں کو بڑی مہارت

سے استعمال کرتے ہیں۔ یہ رہائشی گھر بلعموم ایک کمرے پر مشتمل ہوتا ہے۔ جاپانی گھروں کو اس انداز سے ترتیب دیتے ہیں کہ دن کو ضرورت کے اعتبار سے استعمال میں لایا جاتا ہے یعنی مہمان آجائے تو یہی کمرہ ڈرائنگ روم بن جاتا ہے ۔کھانا کھاتے وقت اس کو ڈائننگ بنادیا جاتا ہے۔ رات کو سونے کے لیے بیڈروم بنادیتے ہیں۔ مگر اس ایک کمرے کے گھر میں صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔اور اس کو مختلف تصویروں اور رنگین کاغذ سے سجایا جاتا ہے تاکہ خوبصورت نظر آئے۔ جاپانیوں کے گھروں کی منظر کشی کرتے ہوئے "رفیق ڈوگر" اپنی سیاحتی تصنیف میں لکھتے ہیں:

> پہاڑوں کے دامن میں چھوٹے چھوٹے صاف ستھرے مکان۔ چھوٹے چھوٹے کھیت نہ کسی مکان کے گرد چار دیواری نہ کھیت کے گرد باڑ صحن کے دواڑھائی فٹ اونچے جنگلے کے اندر گھریلو اشیاسلیقہ سے سجار کھی ہیں جیسے چوری کا کوئی خطرہ ہی نہ رہا ہوں۔ [۳۸]

اس اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ جاپان میں بہت چھوٹے چھوٹے گھر ہوتے ہیں اُن گھروں کے دروازے بھی نہیں ہوتے نہ ہی کسی کو چوری کا ڈر ہوتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جاپانی بہت ایماندار قوم ہے۔اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرتے ہیں۔اور وہ اپنی چیزوں پر خوش رہتے ہے ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں اور دوسری وجہ جاپان میں بہت سخت قوانین بنائے گئے ہیں۔ مجتبیٰ حسین جاپانی گھروں کے بارے میں جاپان چلو جاپان چلو میں لکھتے ہیں:"اور ہر دسواں جاپانی ٹوکیو میں رہتا ہے۔ رہنے کی جگہ کی قلت کے باعث جاپانی اپنی زمین کے ایک ایک انچ کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ جاپانیوں کی ہر چیز چھوٹی ہوتی ہے سوائے کردار کے۔" [۳۹]

اس اقتباس میں مصنف جاپانیوں کے رہن سہن کے ساتھ اُن کے کردار کے بارے میں بھی بیان کررہے ہیں کہ جاپانیوں کے صرف گھر ہی چھوٹے ہوتے ہیں یااُن کی چیزیں چھوٹی ہوتی ہیں،اُس کے علاوہ ان کی ہر چیز بڑی ہوتی ہے پھر وہ چاہے اُن کے کردار ہوں یااُن کے اخلاق سب میں جاپانیوں کی عظمت نظر آتی ہے۔انھیں چھوٹی چھوٹی جگھوں کو استعمال میں لانے کا ہنر آتا ہے۔ جاپانیوں کے اس ہنر کے بارے میں ساری دنیا جانتی ہے،اور اس کی عظمت کو سراہتی ہے۔اس سلسلے میں جاپان کے رہن سہن کے حوالے سے ڈاکٹر ضیاء اسلام انصاری لکھتے ہیں:

> رہن سہن میں جاپانی معاشرے کی بہت سی دلچسپ چیزیں ہیں۔ عموماً وہ چھوٹے چھوٹے مکانوں میں رہتے ہیں اور کم سے کم جگہ کو زیادہ سے زیادہ مقاصد کے لئے استعمال میں لاتے ہیں۔ ہماری طرح گھر کے ہر فرد کے لیے علیحدہ کمروں اور ڈرائنگ روم کا رواج نہیں۔ [۴۰]

جاپان میں چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہنے کا رواج پوری دنیا میں مقبول ہے۔ جاپانٰ کے گھر اور ہوٹل بعض اوقات اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ دیگر ممالک کے افراد بامشکل گزارا کرتے ہیں، مگر ان کو یہ گھر اور ماحول بہت پسند آتا ہے۔ڈاکٹر ضیاء اسلام انصاری بھی ان چھوٹے گھروں کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔ جاپانی کم سے کم جگہ کو

بہت سے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کے گھر ہماری طرح نہیں ہوتے کہ جس میں ہر شخص کے لیے الگ کمرہ ہوں اور باقی ضرورتوں کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ کمرے بنائے جاتے ہوں بلکہ ان کے ہاں ایک ہی کمرے کو ہر ضرورت کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے۔ جاپان کی یہ طرز زندگی دلچسپ اور منفرد ہے۔ جاپان نورد میں رفیق ڈوگر جاپان کے گھروں کے بارے بیان کرتے ہیں:

> جاپان میں ایک کمرے کے عام گھر ہوتے ہیں۔ وہی ڈرائنگ روم، وہی رہائشی کمرہ اور وہی سب کے سونے کا کمرہ دوسروں کی خواہشات اور ضروریات کے احترام کی تربیت میں یہ ایک کمرے کا گھر بڑا اہم رول ادا کرتا ہے۔[۴۱]

یعنی کہ گھر کے چھوٹے بڑے ہونے سے کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ یہ فرق انسان کی سوچ میں ہوتا ہے اور یہی سوچ ہی چھوٹی بڑی ہوتی ہے جو کہ انسان کی تربیت میں نظر میں آتی ہے۔ بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں کے گھر بہت بڑے ہوتے ہیں مگر اُن کی سوچ بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ پھر وہ اچھے بُرے کا بھی فرق بھول جاتے ہیں۔ لیکن جاپان میں جتنا بھی امیر انسان ہو گا وہ بھی چھوٹے گھر میں خوشی سے رہتا ہے۔ اور امیر ہونے کا گھمنڈ نہیں کرتا ہے۔ جاپانی چھوٹے گھروں میں رہنے کے باوجود ترقی یافتہ ہیں اور ران کے ذہن بھی کشادہ ہے وہ سوچ اپنی بڑی رکھتے ہیں اور اپنے قومی مفاد اور ملک کی ترقی اور عزت کے لیے محنت اور ایمانداری سے پیش آتے ہیں۔ اپنے ملک کی ترقی کے لیے سب مل جل کر کام کرتے ہیں۔ جاپان میں چھوٹے چھوٹے گھروں کے منظر کو بیگم اختر ریاض الدین یوں بتاتی ہیں:

> خیر میں نے بھی ڈھیٹ بن کر ایک گھر تو جھانک ہی لیا، برآمدے اور باورچی خانہ میں نہایت عمدہ لکڑی کا فرش، ٹائلوں کی چھتیں، کمروں کے بیچ میں دیواریں ندارد، ہلکے ہلکے کاغذ کے دروازے جو ادھر اُدھر کھسک جاتے ہیں اور بنائے بھی جاسکتے ہیں تا کہ کمرہ جس ناپ کا بنانا ہو بنالیا جائے، کمرے میں خوبصورت چٹائیاں بچھی ہوئی، کوئی فرنیچر فالتو نہیں، محرابی صورت میں ایک گوشہ عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ جاپانی کمرے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اسے کئی طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔[۴۲]

جاپان میں ۸۰ فیصد پہاڑ اور ۲۰ فیصد میدان ہے جس کی وجہ سے جاپانی ایک ایک انچ کا بھی فائدہ اُٹھاتا ہے اور اس جگہ کو استعمال میں لاتا ہے۔ اور اپنے گھروں کو کم جگہ کی وجہ اسی حساب سے ڈیزائن کرتے ہیں اور خوبصورت طریقے سے گھر کو سجاتے ہیں۔ الغرض جاپانی سارے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اور مل کر رہتے ہیں۔ جاپان میں صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ گھر کا ہر فرد صفائی کا خیال رکھتا ہے۔ صفائی کے متعلق ان کو بچپن سے ہی سکھایا جاتا ہے کس طرح گھر اور ملک کو صاف رکھنا ہے اس مقصد کے تحت جاپان میں جوتوں کو اُتار کر گھر میں داخل ہونے کا رواج

ہے اور یہ رواج سب پر لاگو ہوتا ہے پھر وہ چاہے مہمان ہو یا میز بان وہ اپنے جوتے گھر کے باہر ہی اتار کر گھر میں داخل ہوتا ہے۔ جاپان کے اس رواج کے بارے میں آصف محمود جاء یوں رقم طراز ہیں: جاپانی اپنے گھروں میں جوتا اُتار کر داخل ہوتے ہیں۔" [۴۳]

جاپان میں جوتے اتار کر گھر میں داخل ہونے کا رواج صدیوں سے چلا آرہا ہے جاپان میں یہ عام رواج ہے کہ ہر جاپانی گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اتار کر اندر جاتا ہے۔ اور اس کے لیے جاپانیوں نے دو جوتے رکھے ہوتے ہیں ایک گھر میں استعمال کا اور ایک باہر کا تاکہ گھر گندا نہ ہو۔ جاپان کے رواج کے متعلق ڈاکٹر ضیاء اسلام انصاری یوں لکھتے ہیں کہ :"خان صاحب کے گھر پہنچے ، جاپان کے طرز رہائش کے مطابق دروازے کے باہر جوتے اتار دیئے۔" [۴۴]

مصنف کے موقف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جاپانی کو اپنے اس طرز کے بارے میں شروع سے سکھایا جاتا ہے اور پھر جب اُن کے گھر کوئی مہمان آئے تو وہ اُس کو بھی یہی بات سکھاتے ہیں۔ غرض جاپان میں ابتدائی عمر سے ہی صفائی ستھرائی کا شعور دیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی جاپان کے بارے میں غلط تصور نہ کرے کہ یہ کیسے شہری ہیں جو اپنے گھر اور ملک کو گندا رکھتے ہیں۔ اس لیے جاپان کا ایک ایک کونہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے بچوں کو بھی یہی سکھاتے ہیں۔ اس کے بارے میں مصنف مزید لکھتے ہیں:"ہر جاپانی کے لیے مکان میں داخل ہونے کے لیے جوتے اتار دینا ضروری ہے اور شاید اس لیے جاپان میں تسموں والے جوتے پہننے کا رواج نہیں۔" [۴۵]

جاپان میں جوتا باہر اتار دینا لازمی ہے کیونکہ جاپانی بہت صفائی پسند قوم ہے اس لیے ہر جگہ کے لیے الگ الگ جوتے رکھے ہیں تاکہ ارد گرد کا ماحول خراب نہ ہو۔ اس لیے جاپان میں آپ جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا کی کوئی ایسی انوکھی جگہ ہے جہاں ہر جگہ صفائی نظر آتی ہے۔ مجتبیٰ حسین اپنی تصنیف جاپان چلو جاپان چلو میں جاپانیوں کے جوتے اتارنے کے رواج کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

> جاپانیوں کی ایک اور عادت جوتے اتارنے کی ہے۔ ہر گھر میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتارنا پڑتا ہے۔ ہر کمرے کے چپل الگ ہوتے ہیں۔ صحن میں جانے کے چپل بھی مختلف ہوتے ہیں۔ [۴۶]

ہر ملک ایک اپنی منفرد تہذیب و ثقافت کا حامل ہوتا ہے۔ اور اس کے اپنے طور طریقے ہوتے ہیں۔ جو انہیں دوسرے ممالک سے ممتاز کرتے ہیں۔ جاپان بھی ایک ایسا ملک ہے جس کے رسم و رواج دوسری اقوام سے نرالے ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے جاپان میں جوتا باہر ہی اتار دیا جاتا ہے۔ اور گھر میں الگ قسم کے جوتے ہوتے ہیں یا پھر بنا جوتوں کے گھروں میں جاپانی رہتے ہیں۔ الطاف شیخ کے مطابق جاپان کی زندگی سادہ ہے ایک ترقی یافتہ ملک ہونے کے

باوجود اس ملک کا رہن سہن سادہ طرز کا ہے۔ یہ لوگ آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔ اور ان کی روایات وہی پورانی ہیں۔ گیشاؤں کے دیس میں الطاف شیخ بیان کرتے ہیں:

> اس کی تہذیب اور تمدن دوسروں سے کافی مختلف رہی ہے۔ کیا عجیب بات نہیں ہے کہ جاپانی کے گھر میں داخل ہونے کے وقت ہیٹ کی بجائے جوتے اتارے جاتے ہیں۔[۷]

ہر ملک کی اپنی شناخت ہوتی ہے جس کو دیگر مملک سے مختلف بناتی جس طرح میں جوتے اتارنے کا رواج ہے اسی طرح باقی ممالک میں کوئی اور رواج ہو گا جیسے جاپان کا اپنے رسم ورداج ہیں اس سلسلے میں عامر بن علی اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں" : مگر میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے استفسار کیا کہ عبادت گاہ کے باہر جوتے اتارنا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن اہل جاپان گھر میں داخل ہونے سے پہلے جوتے کیوں اتارتے ہیں؟"[۸]

جاپان میں جوتے اتارنا جاپانی ثقافت میں احترام کا روایتی اظہار ہے اور اس کا ایک پہلو گندگی اور منفی سوچ کو دروازے پر چھوڑنے کی نمائندگی کرتا ہے، پھر جوتے اتار کا گھروں اور دیگر مقامات میں داخل ہونا صفائی اور ان کو خوبصورت بنانے کی کوشش بھی ہے۔ اور دوسری وجہ گھر کو سوچوں اور مسائل سے دور رکھنا تا کہ ایک صحت منداور توانازندگی بسر کی جاسکے۔ چاہے کوئی کسی کے گھر جارہا ہو یا روایتی عمارتوں میں داخل ہو رہا ہو یعنی جیسے مندر یا کوئی اور مذہبی جگہ یہ وہاں کے ثقافتی معیار کے ساتھ شائستگی اور وابستگی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ مذہب کے حوالے سے بھی جاپان نے بہت سی رسمیں بنائی ہیں۔ جن کی کوئی حقیقیت نہیں مگر جاپانی اپنے اس عقیدے پر قائم اور یہ رسم بخوشی نبھاتے ہیں۔ ان توہمات اور اعتقادات کے بارے میں مصنف اپنی کتاب جاپان نورد میں لکھتے ہیں:

> ایک تختی پر لکھا تھا۔ یہ درخت ایک ہزار پُرانا ہے۔ یہ کانڈی پھول اصل میں قسمت کی پڑیاں ہیں۔ ان میں تحریر ہے کہ آئندہ دنوں کسی کو کیا ملے گا دکھ یا خوشی اب نذرانہ وصول کر کے لوگوں کے ان کے مقدر کا نمبر بتادیتا ہے اگر اس پر لکھا ہو کہ آنے والے دنوں خوشی اور کامیابی نصیب ہو گی تو وہ خوش ہو کر پڑیا اپنے گھر میں محفوظ رکھتے ہیں، لیکن اگر لکھا ہو کہ آنے والے دنوں میں ان پر کوئی مصیبت آنے والی ہے تو وہ پڑیا اسی رسی کے ساتھ باندھ دیتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر مقدر کی پڑیادہ اس درگاہ کے احاطہ میں باندھ دیں تو اس درگاہ کی بزرگ روح ان کی حفاظت کرتی ہے اور وہ مصیبت ٹل جاتی ہے۔[۹]

جاپان ترقی یافتہ ملک ہے اور اس نے یہ ترقی اپنی محنت اور ایمانداری سے حاصل کی ہے۔ اس کے باوجود جاپانیوں کے عقائد بہت کمزور ہیں۔ حالانکہ یہ قوم مذہب کو نہیں مانتی مذہب کے معاملے میں جاپانی کہتے ہیں کہ مذہب ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ تعویز گنڈوں پر نہ صرف یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس پر عمل بھی کرتے

ہیں۔ جاپانیوں کی اس عقیدے کے بارے میں عرفان صدیقی اپنے کالم توہم پرستی اور جاپانی قوم میں تحریر کرتے ہیں: ''جاپانی عام طور پر مذہب سے دور رہنے والی قوم سمجھی جاتی ہے لیکن اپنے مسائل کے حل کے لئے ہر روز ہی لاکھوں کی تعداد میں جاپانی شہری اپنی عبادت گاہ یعنی شرائن کا دورہ کرتے ہیں۔''[۵۰]

جاپانی قوم مذہب سے دور ہونے کے باوجود اپنے مسئلوں کا حل تلاش کرنے کے اپنی عبادت گاہوں جا کر منت مراد مانگتے ہیں تاکہ ان کے مسائل کا حل نکل سکے اور جاپان میں باقاعدہ رسم ہے۔ مزاروں پر جا کر منت مانگ کر آنا تاکہ من پسند چیز مل جائے۔ مصنف مزید اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہم اس شرائن سے باہر نکل چکے تھے اس کے ہاتھ میں جاپانی میں لکھا ہوا کوئی تعویز تھا جس کے اندر ایک سکہ رکھا ہوا تھا بقول اس کے اس تعویز کو اپنے پرس میں رکھنے سے انسان کا پرس کبھی خالی نہیں رہتا، وہ بضد تھا کہ وہ تعویز میں اپنے پرس میں رکھوں میں اس پر تیار نہیں ہو رہا تھا۔[۵۱]

جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی ضعیف الاعتقادی عام ہے جس ملک نے دوسری جنگ عظیم میں شکست حاصل کی اور پھر تباہی و بربادی جس ملک مقدر بنی۔ اُس ملک نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری اور دوبارہ سے اپنی محنت اور جدوجہد سے اپنے قدموں پر دوبارہ کھڑا ہو گیا۔ اس ملک کی قوم میں بھی ایسے رسم رواج پائے جاتے ہیں۔ جن میں وہ قوم مزاروں پر جا کر تعویز باندھتی ہے۔ آصف محمود جاہ اس رواج کے متعلق چڑھتے سورج کے دیس میں میں لکھتے ہیں:

یہاں ایک عجیب مماثلت دیکھی۔ اپنے درباروں کی طرح یہاں بھی لوگ اپنی مرادیں مانگ رہے تھے۔ یہاں بھی لوگ درباروں پر جھکتے ہیں، وہاں کا پانی مقدس سمجھ کر پیتے ہیں اور مزاروں پر پیسے پھینکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ دوسری ملتی جلتی چیزیں یہاں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔[۵۲]

انسان چاہے جتنی مرضی ترقی کر لے مگر ذہنی طور پر وہ وہی پُرانے فرسودہ خیالات کا مالک ہی ہوتا ہے جن پر اُس کے آباؤاجداد یقین رکھتے تھے، اور اُن کو نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ مذہبی عقائد، نظریات اور خدشات وغیرہ کسی بھی قوم یا ملک کے ہوں تو اُن میں بہت سی باتیں، رسمیں اور اُن کے طریقہ کار مشترکہ نظر آتے ہیں۔ دراصل یہ مشترکہ چیزیں نسل در نسل انسان کے انجانے خوف، مافوق الفطرت عناصر پر مبنی اعتقادات اور خوشی و غمی کے تاثرات ی وغیرہ انسانی نفسیات کا حصہ ہوتی ہیں اس لیے ہر جگہ بہت سی باتیں ملتی جلتی نظر آتی ہیں جیسے ہر سال مختلف ممالک میں میلے لگتے ہیں۔ جو کہ کسی نہ کسی موقع پر لگائے جاتے ہیں میلہ ایک خوشی کا تہوار ہوتا ہے جس میں مل جل کر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ بعض میلے مذہبی ہوتے ہیں اور بعض بہار کی آمد پر انعقاد کیے جاتے ہیں۔ جسے پاکستان میں ہر سال گندم کی کٹائی کے بعد مختلف شہروں میں لگائے جاتے ہیں اور مذہبی طور پر عرس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جاپان میں

بھی مذہبی سطح پر اور بہار کی آمد پر میلوں کے انعقاد کا رواج پایا جاتا ہے۔ جس کو جاپانی بڑے جوش و جذبے کے ساتھ مناتے ہیں۔ اسی کے بارے میں آج کا جاپان میں عامر بن علی لکھتے ہیں:

ہر سال نومبر کے وسط میں سات، پانچ، تین میلہ انعقاد پذیر ہوتا ہے۔ اس برس پندرہ نومبر کو توسی۔ ے۔ ۵ میلہ روایتی جوش و جذبے کے ساتھ منایا گیا۔ جیسا کہ نام سے ہی اس میلے کی جزیات چھلک رہی ہیں۔ تین سال کی لڑکیاں، پانچ سال کے۔۔۔ روایتی لباس زیب تن کر کے عبادت گاہوں میں اپنے والدین کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔ پروہیت (بدھ مت کے مخصوص منتر پڑھنے کے بعد دراز عمر کے لیے بچوں کو خاص قسم کی ٹافیاں دیتے ہیں۔ پروہیت منہ سے پیسے نہیں مانگتے مگر بدشگونی سے بچنے کے لیے لوگ خود معبد کو نذرانہ پیش کیے بغیر نہیں پلٹتے۔[۵۳]

جاپانی مذہب سے دور ہونے کے باوجود ہر سال یہ تہوار مناتے ہیں اور اپنے بچوں کے ساتھ روایتی لباس زیب تن کرتے ہیں اور اپنی عبادت گاہوں پر حاضری لگاتے ہیں اور اپنی اپنی عبادت کرتے ہیں اور دلی مراد اور لمبی عمر کے لیے منتر پڑھتے ہیں۔

الغرض جاپانی قوم ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ایک روایتی قوم بھی ہیں جس نے ترقی کرنے کا باوجود اپنی ثقافتی روایت کا برقرار رکھا ہے۔ وہ آج بھی اپنی فرسودہ روایت کا پرچار کرتی نظر آتی ہے۔ اس نے دنیا میں جتنی بھی ترقی کر کی ہو لیکن وہ ذہنی طور پر آج بھی اپنے پُرانے رسم و رواج سے جڑی نظر آتی ہے۔ وہ رسم و رواج جو صدیوں سے جاپان کی تہذیب کا حصہ ہیں۔ جاپان میں ہر سال مختلف قسم کے تہوار منائے جاتے ہیں، جو جاپان کے رسم و رواج میں شامل ہیں۔ بہت سی ایسی رسمیں ہیں جن کو جاپانی بڑے جوش اور جذبے سے مناتے ہیں ان رسموں میں چیری کے پھولوں کی رسم بھی شامل ہے۔ آصف محمود جاء جاپان میں چیری کے پھولوں کی رسم کے بارے میں سنگاپور سے جاپان میں لکھتے ہیں اقتباس ملاحظہ ہو:

آج کل جاپان میں چیری کے پھولوں کی بہار آگئی جس سے پارکس کی رونقیں بحال ہو گئیں۔ موسم سرما کے اختتام کے ساتھ ہی جاپان میں چیری کے پھولوں کی بہار آجاتی ہے جس سے سڑکیں اور باغات سفید اور گلابی پھولوں سے سج جاتے ہیں۔ جاپان کے علاقے Matsuda میں اس سال چیری کے پھول جلد کھل گئے اور وقت سے پہلے اس بہار نے لوگوں کے چہروں پر خوشیاں بکھیر دی ہیں۔[۵۴]

موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی جاپان میں چیری کے پھول کھل اُٹھتے ہیں۔ جس کو دیکھنے کے لیے جاپانی پارکس میں جمع ہو جاتے ہیں چیری کے پھولوں سے سڑکیں اور باغات سج جاتے ہیں۔ جاپان کی روایت میں چیری کے پھولوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس روایت کو قائم رکھنے کے لیے جاپانی ہر سال پارکوں میں خاندان کے ساتھ جمع ہو جاتے

ہیں۔اور اس رسم کو بھرپُور طریقے سے مناتے ہیں۔اور ان پھولوں کو دیکھ کر لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل جاتے ہیں۔اس خوبصورتی کو دیکھنے کے لیے ملکی اور غیر ملکی سیاح جاپان کا رُخ کرتے ہیں تاکہ وہ ان نظاروں سے لطف اندوز ہو سکے۔ڈاکٹر ضیاءاسلام انصاری جاپانی چیری کے پھولوں کے تہوار کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> توار کے روز جاپان میں ''چیری بلاسم''یعنی چیری کی بہار کا تہوار تھا۔ہلکی ہلکی دھوپ مگر خوشگوار سردی کے موسم میں چیری کے درخت ہلکے گلابی،سفید اور اودے رنگ کے دلکش پھولوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔یہ تہوار تو ملک بھر میں منایا جارہا تھا مگر ہم ٹوکیو کی حد تک کہہ سکتے ہیں کہ لاکھوں افراد مرد وزن،بچے بوڑھے اور جوان شہر کے پارکوں،باغات بلکہ سڑکوں کے فٹ پاتھ پر بھی چیری کے درختوں کے نیچے چٹائیاں اور اخبار کے صفحات بچھائے بیٹھے پکنک منارہے تھے۔[۵۵]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاپان میں چیری کے پھولوں کا تہوار کس جوش وجذبے سے منایا جاتا ہے۔لاکھوں افراد ان پھولوں کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔بہار میں ان پھولوں کو دیکھنا خوشی کی علامت ہے۔آج کا جاپان میں عامر بن علی بیان کرتے ہیں:

> چیری بلاسم کے گلابی اور سفید رنگ میں ملبوس پھولوں کو ان کی پاکیزگی کے سبب جاپان کی روح کہا جاتا ہے،یہی وجہ ہے کہ جب پھولوں پر جوبن آتا ہے تو لوگ چٹائیاں لے کر باغوں اور دریاؤں کے کنارے ان درختوں کے قریب بیٹھ جاتے ہیں۔کھانے،شراب اور موسیقی سے دِل بہلاتے ہیں ۔۔۔اس شہر میں زندگی کا نظام الاوقات ہی بدل کر رکھ دیتے ہیں چیری بلاسم تلے بیٹھے ہنستے مسکراتے خوشگوار چہروں کو دیکھ کر بعض اوقات لگتا ہے کہ چند دن کے لئے ہی سہی،چیری کے پھول مزاج بھی بدل کر رکھ دیتے ہیں۔[۵۶]

چیری کا پھول جاپان کا قومی پھول ہے۔اور اس کو جاپان کی رُوح کہا ہے اس لیے چیری کے پھولوں کا تہوار بڑی محبت اور خلوص سے منایا جاتا۔جاپان میں چیری بلاسم کا تہوار منانے کا رواج ہزاروں سال سے ہے۔جاپانی ان تین چار دن کے نکلنے والے پھولوں کے تہوار کو دل سے مناتے ہیں۔یہ جاپان کی ثقافتی اور سماجی علامت قرار دیا جاتا ہے۔جاپان کے چیری بلاسم کے درخت پر پھولوں کا کھلنا اور جاپانیوں کا اسے تکنا اس ملک کے قومی پھول ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔سفید اور گلابی رنگ کے پھول پاکیزگی اور طہارت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔جاپان میں چیری کے پھول کو ''ساکورا'' کہا جاتا ہے۔چیری کے یہ پھول جاپانی ثقافت میں عارضی زندگی کی فطری خوبصورتی اور غیر مستقل مزاجی کی گہری جڑیں رکھتے ہیں۔چیری بلاسم کے پھولوں کو دیکھنے کا رواج غور وفکر اور ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔

جاپان میں باقی رسموں کی طرح چائے کی رسم بہت پیاری ہے چائے کی رسم کا جاپان میں بہت خوبصورت انداز ہوتا ہے۔اس میں مہمانوں کا منفرد انداز میں استقبال کرتے ہیں پھر اس میں مہمان جوتا اتار کر کمرے میں داخل ہوتے ہیں اور آرام سے بیٹھ جائیں۔ یہ چائے ایک خاص جگہ پر بنائی جاتی ہے اور صرف اُسی جگہ پیش کی جاتی ہے۔ خوبصورت میزبان دوشیزہ آپ کے لیے خاص قسم کی پہلے مٹھائی لائے گی ،اور اس کو خوبصورت طریقے سے پیش کرے گی۔ یہ مٹھائی خوبصورت کاغذ میں لپٹی ہوتی ہے جس کو دوشیزائیں اپنے منفرد انداز میں جھک کر پیش کرتی ہیں۔ مٹھائی کے بعد جاپانی خاتون آپ کو چائے پیش کرتی ہے۔اس رسم کے بارے میں سنگا پور سے جاپان میں آصف محمود جاہ لکھتے ہیں اقتباس ملاحظہ ہو:

> اس مصروف ترین دن کے بعد کافی بوریت ہو رہی تھی۔ شاید میزبانوں نے بھی اس بات کو بھانپ لیا اور آج ہمیں اپنے کلچر کی ایک خوبصورت روایتی تقریب دکھانے کا اہتمام کیا، جس کو "Tea Ceremony" یا" چائے نوشی کی رسم کہا جاتا ہے۔ تقریب میں جاپانی دوشیزائیں اور کچھ جاپانی خواتین اپنے روایتی لباس میں ملبوس، مہمانوں کی تواضع جاپانی چائے سے کرتی ہیں۔[۵۷]

جاپان میں چائے کی یہ انوکھی رسم ہے جس کا پوری دنیا میں چرچا ہے۔اس رسم کے باقاعدہ آداب ہوتے ہیں۔ جس کے تحت اس رسم کو ادا کیا جاتا ہے۔اس چائے کی رسم کو ''چانویو'' یا ''سادو'' کہا جاتا ہے۔اس رسم کو ادا کرنے کے لیے باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ جیسے بنگال میں لڑکی کی شادی سے پہلے اسے رقص اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے۔اسی طرح ہر جاپانی لڑکی کو شادی سے پہلے پھولوں کی آرائش کا فن اور چائے بنانے اور اسے پیش کرنے کا طریقہ لازمی سکھایا جاتا ہے۔ جاپان میں چائے کی رسم کے متعلق آصف محمود جاہ یوں بتاتے ہیں:

> جاپان میں چائے بنانے اور پیش کرنے کا انداز صدیوں پرانا ہے۔ خاص مہمانوں کو چائے کے لیے گھر بلایا جاتا ہے۔ جہاں میزبان مہمانوں کے سامنے چائے تیار کرتی ہے اور اس کے بعد اپنے دلفریب قدیم روایتی انداز میں پیش کرتی ہے۔[۵۸]

چائے کی رسم جاپان میں زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ چائے کی اس رسم میں صرف چائے نوشی ہی نہیں کی جاتی بلکہ اس رسم میں محفل کے آداب بھی سکھائے جاتے ہیں۔اس چائے کو مہمانوں کے سامنے تیار کیا جاتا ہے۔ مگر اس چائے کا ذائقہ مہمانوں کو پسند نہیں اس چائے کا ذائقہ بالکل ایسے ہوتا ہے جیسے کڑوا ''جوشاندہ'' مگر میزبان کا دل رکھنے کے لیے مہمان کو یہ چائے پینی پڑتی ہے اور اس رسم کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ قراۃ العین حیدر چائے کی رسم کے حوالے سے بیان کرتی ہیں:

> چائے کی رسم کے متعلق ہم کو پہلے سے بہت سے لیکچر پلائے جاچکے تھے۔ٹرین ہی میں اس کی ہسٹری کے متعلق ایک کتابچہ پڑھادیا گیا تھا۔یہ بتلایا گیا تھا کہ یہ ایک ایسا RITUAL ہے جس کی بہت سخت رومانی مذہبی اور تہذیبی اہمیت ہے یہ جاپانی آداب محفل کا نچوڑ ہے۔ یہاں کے معاشرتی اخلاق کا سمبل ہے پھول سجانے کے فن کے اسکولوں کی طرح یہاں چاء بنانے اور پیش کرنے کے فن کے اسکول بھی ہوتے ہیں جہاں جائے بغیر اعلیٰ خاندانوں کی لڑکیوں کی تعلیم مکمل نہیں سمجھی جاتی۔اس رسم کا باقاعدہ ایک پورا فلسفہ ہے وغیرہ وغیرہ یورا سینکے اس ملک کے گرینڈ ماسٹر ہیں ایک قسم کے سجادہ نشین۔[۵۹]

جاپان میں اس رسم کو رومانی تہذیبی اور مذہبی اہمیت حاصل ہے۔اس رسم کے لیے باقاعدہ اسکول ہیں جہاں چائے بنانے کی رسم کے متعلق تعلیم دی جاتی ہے اور اس تعلیم کو حاصل کیے بغیر لڑکیوں کی تعلیم مکمل نہیں سمجھی جاتی۔اس کے لیے ایک علیحدہ کمرہ بنایا جاتا جہاں اس رسم کو ادا کرنے کے تمام لوازمات موجود ہوتے ہیں۔ پھر وہاں اس رسم کو ادا کیا جاتا ہے۔ جاپان میں چائے کی رسم کے حوالے سے جاوید دانش مزید آوارگی میں لکھتے ہیں:

> جاپان میں مشن چائے کو روحانی، رومانی اور تہذیبی اہمیت حاصل ہے۔ سولہویں صدی میں چین سے یہ رسم یہاں آئی اور کورین فلسفہ کے زیر اثر "ماسٹر مسیورریکیڈ" نے اسے روحانیت بخشی، جشن چائے میں صرف چائے نوشی نہیں کی جاتی بلکہ محفل کے آداب بھی سکھائے جاتے ہیں۔[۶۰]

چائے کی رسم جاپان میں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے۔یہ رسم سولہویں صدی میں چین سے آئی تھی اور زین فلسفے کے زیر اثر اس کو روحانیت ''ماسٹر مسینوریکیو'' نے بخشی۔چائے کی اس رسم میں صرف چائے نوشی ہی نہیں کی جاتی بلکہ اس رسم میں محفل کے آداب بھی سکھائے جاتے ہیں۔

جاپان نے جتنی بھی ترقی کرلی اور امریکہ سے بھی متاثر ہے۔لیکن اس کے باوجود اس کے رسم ورواج میں بہت کم تبدیلیاں آئی ہیں۔ جاپان آج بھی بنیادی طور پر روایت پسند معلوم ہوتا ہے۔آج بھی جاپانی والدین اپنے بچوں کے لیے جیون ساتھی کے انتخاب کے لیے پریشان نظر آتے ہیں۔جاپان کے رواج کے مطابق والدین ہی شادی بیاہ کے لیے لڑکا یا لڑکی منتخب کرتے ہیں۔شادی کی میٹنگ ہوتی ہے۔اُس کے لیے دفاتر بھی قائم کیے گے ہیں۔والدین بچوں کی تصویروں کے ذریعے اُن کا تعارف کرواتے ہیں۔جاپان میں دیر سے شادی کرنے کا رواج ہے۔والدین کو اپنے بچوں کی شادی کی فکر ہوتی ہے۔اس لیے وہ چاہتے ہیں وہ جلد شادی کرے مگر بچوں میں شادی میں نہ ہونے والے دلچسپی کے باعث دیر سے شادی کرنے کا رواج بن گیا ہے۔اس کے متعلق عامر بن علی کے سفر نامہ کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ایسی تقریبات کی مقبولیت کی وجہ اور والدین کی بڑھتی ہوئی بے چینی اس لیے قابل فہم ہے کہ جاپان میں تیس سال کی عمر سے پہلے شادی کرنے والے افراد کی شرح پچھلے پچیس سالوں میں تین

گنا کم ہو گئی ہے۔ وزارت داخلہ کے اعداد و شمار کے مطابق جاپان میں ۳۰ سال سے زائد عمر کی خواتین میں ۳۲ فیصد غیر شادی شدہ ہیں اور مردوں میں یہ شرح ۴۷ فیصد ہے۔[۶۱]

جاپان میں شادی دیر سے کی جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپانی بہت محنتی قوم ہیں۔اُن کے نزدیک کام کرنا اور پیسے کمانا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا اُن کے لیے شادی سے زیادہ ضروری ہے، جب وہ یہ سب حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر تب تک وہ اکیلے رہنے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔اس لیے وہ شادی کرنا پسند نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ جاپان میں شادی کرنے کا رواج کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔اس کے بارے میں آصف محمود جاء سنگا پور سے جاپان میں یوں رقم طراز ہیں:

> جاپان کے مردوں اور عورتوں میں شادی کرنے کا رواج کم ہے۔اگرچہ جوان ہوتے ہی لڑکا اور لڑکی کے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔اکٹھے بھی رہنا شروع کر دیتے ہیں مگر یہ تعلقات بہت کم شادی تک پہنچتے ہیں۔ایک حالیہ سروے کے مطابق ۵۰ سال تک کی عمر کے جاپانیوں میں چار مردوں اور 7 عورتوں میں ایک مرد اور عورت شادی کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں۔۳۰ سال سے زیادہ عمر کی عورتیں اکیلے رہنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔[۶۲]

ہر نوجوان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ شادی کرے کچھ نوجوان تو کم عمری سے شادی کے خواب سجانے لگتے ہیں مگر ہر نوجوان لڑکا ہو یا لڑکی ایک جیسے نہیں ہوتے، کچھ کو شادی کا بالکل شوق نہیں ہوتا ہے۔وہ تنہا زندگی زیادہ پر سکون گزارتے ہیں۔اسی طرح جاپان میں شادی نہ کرنے والوں کی بہت زیادہ تعداد موجود ہیں۔شادی نہ کرنے کی وجہ سے جاپان کی آبادی میں کمی کے باعث ملک کی حکومت کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔اس حوالے سے تجزیہ کاروں کا کہنا ہے: " کہ نوجوانوں کی بڑی تعداد کا شادی سے انکار بڑھتا ہوا معاشی دباؤ کے ساتھ معاشرتی ذمے داریوں سے آزاد زندگی گزارنے کی خواہش کا عکاس ہے کیونکہ نوجوانوں کا ماننا ہے کہ وہ تنہا زیادہ پر سکون زندگی گزار سکتے ہیں۔"[۶۳]

جاپان کی حکومت نوجوانوں کے اس قدامات سے پریشان ہے کیونکہ جاپان کی آبادی پہلے ہی بہت کم ہو رہی ہے۔اور نوجوانوں کے اس فیصلے سے افرادی قوت میں کمی کا مسئلہ مزید بڑھ سکتا ہے۔دوسری جنگ عظیم میں ناکامی اور تباہی کے بعد جاپان نے اپنے ملک کی معیشت اور اقدار کو برقرار رکھنے کے لیے سخت محنت کی ہے۔جاپان کے ہر فرد نے اپنے ملکی کی ترقی اور اور بقاء کے لیے جدوجہد کی ہے۔جس کی وجہ سے آج ہر جگہ میڈان جاپان کا نام لیا جاتا ہے۔مگر آج بھی جاپان میں قوم کو معاشی مسائل کا سامنا ہے۔

اس کی ایک وجہ جاپان کی مہنگائی بھی ہے جس کی وجہ سے جاپانی اور دیگر غیر ملکی افراد کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اور اسی مہنگائی کی وجہ سے ہر فرد کو نوکری کرنی پڑتی ہے۔اخراجات کے بوجھ سے تنگ آ کر نوجوان شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔جاپان میں ایک دوسرے کو تحفے دینے کی رسم بہت پیاری ہے۔جاپانی جو بھی کام کرتے ہیں وہ دل سے اور خلوص نیت سے کرتے ہیں۔جاپانیوں کے گھر کوئی آئے یا کہیں جائیں تحفہ دینا نہیں بھولتے یہ ان کی ثقافت کا حصہ بھی ہے اور ان کے ہاں یہ ایک رسم کے طور بھی سالوں سے جاری ہے۔تحفہ دینے کی رسم تقریباً ہر ملک میں موجود ہیں کوئی آئے تو آپ اس کو جاتے وقت پیسے دے دیتے ہیں یا آپ کسی کے گھر جائیں تو کچھ نقد دے دیتے ہیں یا کوئی کھانے پینے کی چیز لے جاتے ہیں۔مگر جاپان میں تحفے کی رسم زندگی کا لازم جز ہے اور ان کے مذہب کا بھی حصہ ہے۔اس بارے میں ابن انشا ابن بطوطہ کے تعاقب میں لکھتے ہیں:

> لیکن جاپانیوں کے لئے تحفے کی رسم طرز حیات ہے بلکہ بمنزلہ مذہب کے ہے۔ان کی ساری عمر اس شغل عزیز میں گزرتی ہے اور بعض لوگ تو اس چکر میں دیوالیہ بھی ہو جاتے ہیں یا ہانک لگاتے سنائی دیتے ہیں۔ع: میں تراشہر چھوڑ جاؤں گا۔ابتدا اس کی معمولی ہوتی ہے کہ آپ نے رومال تحفے میں دیا انھوں نے جواب میں ٹائی پیش کی۔اگلی بار ٹائی سے زیادہ قیمت کی کوئی چیز دیں گے مثلاً واسکٹ اور جواب میں آپ کو سوٹ ملے گا۔[۶۴]

انسانی تاریخ جتنی پرانی ہے اتنی ہی پرانی تاریخ تحفے دینے کی ہر معاشرے میں موجود ہے۔تحفہ جب کسی کو دیا جاتا ہے تو وہ دراصل اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ شخص آپ کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہے۔نئے رشتے کا آغاز ہو یا پرانے رشتوں کو برقرار رکھنے کی خواہش ہو تو ایسی صورت میں تحفہ ہماری محبت کا اظہار کرتا ہے۔،تحفہ دراصل محبت،خوشی،شکر گزاری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔کوئی تہوار ہو یا کسی کی سالگرہ ہو،مذہبی تہوار،مدرز ڈے،فادر ڈے ،یا کوئی شادی کا موقع ہو تو ہم بہت سے تحفے دیتے بھی ہیں اور وصول بھی کرتے ہیں۔تحفہ دینے کی یہ رسم کسی بھی ملک کی ثقافت اور اس کی منفرد خصوصیات کی عکاسی کرتی ہے۔جاپان میں تحفے دیتے وقت بہت احتیاط برتی جاتی ہے کیونکہ جاپان میں تحفے کی بہت اہمیت ہے اور اس کو محض ایک علامت کے طور پر نہیں بلکہ محبت اور شکر گزاری کے اظہار کے طور پر ضروری سمجھتے ہیں۔جاپان میں جب کوئی تحفہ دیتا ہے تو بدلے میں اسے اُس تحفے سے اچھا تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔گیشاؤں کے دیس میں الطاف شیخ جاپانیوں کے رسم ورواج کے متعلق بیان کرتے ہیں:

> اگر کوئی جاپانی آپ کو اپنے گھر دعوت دے تو اپنے ساتھ کوئی تحفہ ضرور لے جایئے۔یہاں کے لوگ تحفے کے طور پر عموماً کھانے کی چیزیں مثلاً پھل،کیک،بسکٹ یا تازہ مچھلی وغیرہ لے جاتے ہیں۔اگر آپ چاہیں تو اپنے ملک کی کوئی سوغات بھی لے جا سکتے ہیں۔[۶۵]

جاپان کی یہ رسم بہت خوبصورت ہے اس سے آپس میں پیار اور محبت بڑھتا ہے۔اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جاپان کے کچھ رسم رواج بھی باقی ممالک سے ملتے جلتے ہیں جیسے کسی کے گھر جانا سے پہلے تحفہ لے کر جانا یہ تقریباً تمام ممالک میں رسم پائی جاتی ہے جب کسی کو کھانے پر بلایا جاتا ہے تو مہمان لازمی ان کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر جاتا ہے اس سے خلوص اور بلانے والے کے لیے محبت اور عقیدت کا جذبہ دل میں ہوتا ہے کہ اگر میزبان نے خلوص سے بلایا ہے تو مہمان نے بھی اس کو دل سے قبول کیا ہے اور اپنی خوشی سے میزبان کے لیے تحفہ لے کر آیا ہے۔چڑھتے سورج کے دیس میں میں مصنف تحفے دینے کے رسم و رواج کے متعلق لکھتے ہیں:

> جاپانیوں میں تحائف دینے کا خاص رواج ہے جو مجھے بہت اچھا لگا، کیونکہ چھوٹے چھوٹے تحائف پر خرچ تو کم آتا ہے لیکن اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ پارٹی کے اختتام پر تمام شرکاء کو ڈائریکٹر اوساکا کلم کی جانب سے سوئیٹرز دیے گئے۔[۲۶]

جاپان میں تحفے دینے کا رواج بہت لازمی جز کے طور پر ہے اور اس کا مقصد بھی اچھا ہے۔اس کا مقصد آپسی محبت کا بڑھنا ہے۔جاپان میں سفر سے واپسی پر تحائف ایک دوسرے کو دیے جاتے ہیں۔جاپانی شادیوں میں تحفے میں رقم لفافے میں ڈال کر بھی دیتے ہیں۔

مجموعی طور پر ان سفر ناموں کے مطالعے سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ سفر نامہ نگاروں نے اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات کے مطابق جاپان کے رسم و رواج اور اقداری نظام کے بارے جو تصویر پیش کی ہے اس کے مطابق جاپان کے رسم رواج بہت پیارے ہیں۔جاپان کے اقداری نظام اور رسم و رواج کی جڑیں اس کی منفرد ثقافت اور تاریخ میں گہری ہیں۔جس کی تشکیل شنٹوازم اور بدھ ازم سے ہوئی ہے۔ملک کا اقداری نظام ہم آہنگی، احترام اور نظم و ضبط پر زور دیتا ہے۔جاپان کے اقداری نظام میں انفرادی خواہشات کے بجائے گروہی ہم آہنگی کو ترجیح دی جاتی ہے۔جاپان اپنی روایت سے جڑا ہوا ہے اتنے ترقی یافتہ ملک میں آج بھی پرانے رسم رواج عام ہیں۔جھک کر ملنے، تحفہ دینے، اور چائے جیسی رسومات ان اقدار کو تشکیل دیتی ہیں۔جاپان کی ثقافت فطرت، موسموں اور عدم استحکام کو بھی مناتی ہے۔جیسے تہوار منانے کا رواج جاپان میں عام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے چاہے جتنی بھی ترقی کر لی ہے مگر وہ آج بھی ذہنی طور اپنی زمین، اپنی ثقافت کا آمین ہے اس کے لیے اس کی ثقافت اس کی روایات و اقدار اہمیت رکھتی ہیں۔وہی ملک ہمیشہ ترقی کرتا ہے جو اپنی ثقافت اور اقدار کو محفوظ رکھے۔

حوالہ جات

۱۔ روبن ایم۔ولیم (Robin M. Williams)، *Individual and Group Values Social Psychology Reading and Perspective,* edited by Borgatta Edgar F.، (شکاگو: Rand McNally & Company, 1969)، ص ۳۳۳۔

۲۔ کرچ، کرچ فیلڈ، بیلی ایچ (Kerch, Crutchfield, Bellyache)، *Individual in Society* (ٹوکیو: Kogakusha Company, Ltd., 1962)، ص ۱۰۲۔

۳۔ ایلیٹ اینڈ میرل (Elliot and Merrill)، *Social disorganization*, 4th Ed. (نیویارک: Harper &Row Publishers، ۱۹۶۱ء)، ص ۳۴۔

۴۔ اوون۔زی۔ووگٹا اینڈ جان ایم۔روبرٹس (Avon Z. Vogta and John M. Roberts)، *the study of volues Reading in Sociology* (نیویارک: ۱۹۷۲ء)، ص ۶۷۔

۵۔ شیخ محمد اکرامؒ، ثقافتی ورثہ کی نوعیت، مشمولہ پاکستانی ثقافت، مرتبہ ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء)، ص ۴۹-۵۰۔

۶۔ آصف محمود جاہ، چڑھتے سورج کے دیس میں، (لاہور: زاہد نوید پرنٹر، ۲۰۱۸ء)، ص ۲۶۶۔

۷۔ عامر بن علی، جہان گردی، (لاہور: نستعلیق مطبوعات، ۲۰۱۷ء)، ص ۴۷۔

۸۔ ضیاء الاسلام انصاری، چڑھتا سورج، (اسلام آباد: مکتبہ راحت الاسلام، ۲۰۱۴ء)، ص ۴۸۔۴۹۔

۹۔ عامر بن علی، آج کا جاپان، (لاہور: نستعلیق اردو بازار، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۱۔

۱۰۔ ضیاء الاسلام انصاری، چڑھتا سورج، ص ۶۷۔

۱۱۔ الطاف شیخ، گیشاؤں کے دیس میں، (لاہور: جہانگیر بک ڈپو س۔ن)، ص ۲۷۔

۱۲۔ آصف محمود جاہ، چڑھتے سورج کے دیس میں، ص ۲۱۰۔

۱۳۔ حکیم محمد سعید، جاپان کہانی، (کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ۱۹۹۴ء)، ص ۳۸۔

۱۴۔ الطاف شیخ، جاپان کے دن، (کراچی: ویلکم بک پورٹ، ۲۰۱۶ء)، ص ۳۹۔

۱۵۔ جاپان https://dailyaftab.pk/latest-column/maqsood-ahmad-japan بتاریخ مارچ ۲۰۲۴ء، بوقت ۲:۲۰۔

۱۶۔ https://www.mukaalma.com/121638/، بتاریخ مارچ ۲۰۲۴ء، بوقت ۸:۱۲ بجے۔

۱۷۔ الطاف شیخ، جاپان کے دن، (کراچی: ویلکم بک پورٹ، ۲۰۱۶ء)، ص ۳۹۔

۱۸۔ جاپانیوں کی داستان https://baseeratafroz.pk/article/451?fb_comment_id=3475616762545790_3486163478157785 بتاریخ جنوری ۲۰۲۴ء بوقت ۱۱:۵۶ بجے۔

۱۹۔ رفیق ڈوگر، جاپان نورد، (لاہور: دید شنید پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء)، ص ۶۴۔

۲۰۔ https://jang.com.pk/news/1316727 بتاریخ جنوری ۲۰۲۴ء بوقت ۲:۱۵ بجے۔

۲۱۔ مجتبیٰ حسین، جاپان چلو جاپان چلو، (حیدرآباد، حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، ۱۹۹۴ء)، ص ۴۷۔

۲۲۔ https://www.rekhta.org/articles/rasm-o-riwaaj-sir-syed-ahmad-khan-articles?lang=ur ص ۱۶۱، بتاریخ فروری ۲۰۲۴ء بوقت ۱۲:۲۳ بجے۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۶۱۔

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۶۳۔

۲۵۔ رواج https://dunya.com.pk/index.php/special-edition/2022-02-23/2368 بتاریخ جنوری ۲۰۲۴ بوقت ۳:۳۶ بجے۔

۲۶۔ https://www.rekhta.org/articles/rasm-o-riwaaj-sir-syed-ahmad-khan-articles?lang=ur ص ۱۶۱، بتاریخ فروری ۲۰۲۴ء بوقت ۱۲:۲۳ بجے۔

۲۷۔ شاہد حسین صدیقی، پاکستانی مسلمانوں کے رسم و رواج، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۶۵ء)، ص ۳۳۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۴۵۔

۲۹۔ رفیق ڈوگر، جاپان نورد، ص ۱۱۔

۳۰۔ فرخ ناز، ہتھیلیوں پر جگنو، (لاہور: عدن پبلشرز، س۔ن)، ص ۱۶۲۔

۳۱۔ ابن انشا، دنیا گول ہے، (لاہور: پنجاب پریس، ۱۹۸۲ء)، ص ۸۴۔

۳۲۔ ابن انشا،ابن بطوطہ کے تعاقب میں،(دہلی:اُردو بکس دریا گنج نئی دہلی،۲۰۰۰ء)ص ۸۱۔
۳۳۔ الطاف شیخ،جاپان کے دن،ص ۳۸۔
۳۴۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص ۵۹۔
۳۵۔ آصف محمود جاہ، سنگاپور سے جاپان،ص ۱۲۳۔
۳۶۔ ایضاً،ص ۲۴۔
۳۷۔ جاوید دانش،مزید آوارگی،ص ۱۰۔
۳۸۔ رفیق ڈوگر،جاپان نورد،ص ۵۴۔
۳۹۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلو جاپان چلو،ص ۳۰۔
۴۰۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج ،ص ۶۱۔
۴۱۔ رفیق ڈوگر،جاپان نورد،ص ۷۰۔
۴۲۔ بیگم اختر ریاض الدین،سات سمندر پار ،(لاہور: مکتبہ اُردو ڈائجسٹ، سمن آباد،۱۹۴۹ء)،ص ۱۱۱۔
۴۳۔ آصف محمود جاہ، سنگاپور سے جاپان،ص ۲۰۲۔
۴۴۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج،ص ۹۴۔
۴۵۔ ایضاً،ص ۱۰۱۔
۴۶۔ مجتبیٰ حسین،جاپان چلو جاپان چلو،ص ۷۸۔
۴۷۔ الطاف شیخ،گیشاؤں کے دیس میں،ص ۷۴۔
۴۸۔ عامر بن علی،آج کا جاپان،(لاہور: نستعلیق اردو بازار،۲۰۱۴ء)،ص ۵۳۔
۴۹۔ رفیق ڈوگر،جاپان نورد،ص ۹۳۔۹۴۔
۵۰۔ http://urdu.alarabiya.net/authors%D9%85%D8%A
A7%DF%D8%B9%D8%B1%D 86%9-بتاریخ ۱ مارچ ۲۰۲۴ء بوقت ۴ بجے۔
۵۱۔ F-:/urdu.alarabiya.net/authors/%D9%85%D8%
7%D9%86- 8%B9%D8%B1%D9%81%بتاریخ مارچ ۲۰۲۴ء بوقت ۴ بجے۔
۵۲۔ ضیاءالاسلام انصاری،چڑھتا سورج ،ص ۲۱۵۔

۵۳۔ عامر بن علی، آج کا جاپان، ص۲۱۵۔

۵۴۔ آصف محمود جاہ، سنگاپور سے جاپان، ص۱۹۔

۵۵۔ ضیاءالاسلام انصاری، چڑھتا سورج، ص۴۷۔

۵۶۔ عامر بن علی، آج کا جاپان، ص۴۴۔

۵۷۔ آصف محمود جاہ، چڑھتے سورج کے دیس میں، (لاہور: زاہد نوید پرنٹر، ۲۰۱۸ء)، ص۲۳۱۔

۵۸۔ ایضاً، ص۲۸۔

۵۹۔ قراۃ العین حیدر، ستمبر کا چاند (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۲ء)، ص۱۱۶۔

۶۰۔ جاوید دانش، مزید آوارگی، ص۹۸۔

۶۱۔ عامر بن علی، آج کا جاپان، ص۴۱۔

۶۲۔ آصف محمود جاہ، سنگاپور سے جاپان، ص۱۸۷۔

۶۳۔ https://urdu.arynews.tv/young-japanese-began-to-refuse-marriage/ بتاریخ مارچ ۲۰۲۴ء بوقت ۱۰:۳۲ بجے۔

۶۴۔ ابن انشا، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، ص۳۴۔

۶۵۔ الطاف فخ، گیشاؤں کے دیس میں، ص۱۹۷۔

۶۶۔ آصف محمود جاہ، چڑھتے سورج کے دیس میں، ص۲۲۲۔

ماحصل

جاپان ایک قدیم سلطنت ہے۔ جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ طلوع ہوتے سورج کی زمین ہے۔ جاپان لفظ کے لغوی معنی بھی سورج اور لفظ جاپانی کا مطلب بھی سورج کا سر چشمہ ہے۔ جاپان کے لوگ اپنی تمام قوم کو ایک خاندان سمجھتے ہیں اور اس خاندان کا سب سے بڑا بزرگ اپنے شہنشاہ کو مانتے ہیں اور آج تک ان کے ہاں یہی طریقہ برقرار ہے۔ تاریخ میں ان شہنشاؤں کو ذکر ملتا ہے۔ جاپانیوں کی تاریخ میں دو باتیں بے مثال ہیں ایک بات تو یہ ہے کہ جو موجودہ حکمران ہیں وہ ان پرانے وقتوں سے حکومت کرتے آرہے ہیں جب انسان کی تاریخ محض ایک داستان کی حیثیت رکھتی تھی دوسری بات جاپان کئی مرتبہ مسخر کرنے کوشش کی گئی لیکن حملہ آوروں کو ہمیشہ اپنے منہ کی کھانی پڑی اور ناکامی کا سامنا ہوا ہے۔ جاپانی اپنے شہنشاہ کو صرف ایک بادشاہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ ان کا شہنشاہ ایک زندہ خدا ہے۔ جاپانیوں کے دل میں اپنے بادشاہ کی عظمت اس درجہ زیادہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس کے چہرے کو سکوں اور ڈاک کی ٹکٹوں پر بنانا مناسب ہی نہیں سمجھتے چوں کہ یہ چیزیں استعمال کرنے سے خراب ہوتی ہیں اس لیے اگر ان پر شہنشاہ کا چہرہ بنایا جائے گا تو یہ شہنشاہ کی بے ادبی ہوگی۔ جاپان چھوٹے بڑے مختلف جزیروں کا مجموعہ ہے زمین کا زیادہ تر حصہ چار بڑے جزیروں نے گھیر رکھا ہے۔ سمندر کے آس پاس کی جو زمین ہے وہ ناہموار شکل میں پانی میں ڈوبی ہوئی ہے اس میں چھوٹے بڑے جزائر ہونڈو، کیوسیو، ویسکیو کو کے درمیان واقع ہیں۔ ایک چشمہ موج سیاہ ہے اس کا پانی سمندر سے بھی زیادہ گرم ہے۔ جاپان جو کہ زیادہ طرح پہاڑی ملک ہے۔ جزیرہ ہندو میں مسلسل پہاڑی سلسلہ واقع ہے اور جس کی چوٹی نو ہزار تک بلند ہے۔

فیوجی سان جسے کوہ فیوجی بھی کہتے ہیں مشہور گاؤدم کوہ آتش فشاں ہے۔ اس کی بلندی ۲۰۰ فٹ ہے۔ تقریبا سارا سال اس کی چوٹی برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ اس کی خوبصورتی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ اگر کوئی صبح صبح اس کا نظارہ کرے تو بالکل گلابی نظر آتا ہے اور اگر دن نکلنے کے بعد دیکھے تو سفید اور جب سورج غروب ہو رہا ہو تو اس کی شعاعوں کے پڑنے سے اورانظر آتا ہے۔ جاپانی اس کو بے نظیر پہاڑ کہتے۔ رقبے کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں مختلف آرا بیان کی گی ہیں۔

زمانہ قدیم میں شمالی ایشیا نسل منغول ہے جن کا مذہب چینیوں سے ملتا جلتا ہے اور وسط ایشیا میں ایرین آباد تھے اور پھر منغول نسل بھی ایرین قوم کے مشرق اور مغرب میں پھیلنے گئی۔ ''چینی مورخین'' کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ منغول نسل کا کچھ حصہ جزیرہ کوریا میں اور کچھ حصہ دوسرے جزائر میں جا کر بس گیا اور پھر ایرین قوم نے ہند

پہنچ کر وحشی قومیں جو ہند میں آباد تھی ان سے مقابلہ کر کے ان کو مغلوب بنالیا اس طرح جاپانیوں نے انہی جزائر دیگر اقوام جیسے اینوس وغیرہ جن کو وحشی بھی کہا جاتا ہے ان سے جنگ دوم کی اور ان جزائر پر قبضہ کر لیا۔ اب بھی جزیرہ ہونڈو کے شمال میں جگہ جگہ ''اینوس'' قوم کی ہڈیاں موجود ہیں، جنہیں جاپانی نوجوانوں قتل کیا تھا اور ابھی تک ان قوموں میں نااتفاقی موجود ہے، چونکہ جاپانی نسل منغول سے ہیں، اس طرح جاپانی قوم کی اصلی ابتدا منغول نسل سے ہوتی ہے، اہل یورپ کی طرح ان کے سر بڑے ہوتے ہیں اور یورپ کی عورتوں کے برابر جبکہ ان کی عورتوں کے قد چھوٹے ہوتے ہیں۔ جاپانیوں کا تعلق دو گروہ سے ایک خاص نسل منغول جبکہ دوسری نسل میں دیگر قوم کی آمیزش شامل ہے۔ جاپان جزائر فلپائن کے بعد دنیا کا کوہ آتش فشاں ملک ہے جو کہ جاپان میں کثرت سے ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے جاپان میں سخت آفت رہتی ہے کوئی ایسا دن نہیں جس میں جاپان کے ہر شہر میں آگ نہ گئے۔ جاپان میں قریب قریب ہر جگہ گرم چشمے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہ چشمے تمام دنیا سے زیادہ جاپان میں واقع ہوئے ہیں۔

محل وقوع کی وجہ سے جاپان کی آب وہوا بڑی خوشگوار ہوتی ہے۔ جاپان میں باقاعدگی سے چار موسم ہوتے ہیں اور ہر حصے کی آب وہوا دوسرے حصے سے مختلف ہے اگر کوئی ملک دنیا میں مذہبی رواداری کی بہترین مثال ہے تو وہ جاپان ہے جہاں ایک گھر میں بودھ مت، شنٹو دھرم، عیسائی مذہب اور کیمونزم کے ماننے والے ایک خاندان کے افراد مل جل کر رہتے ہیں۔ مذہبی عقائد کے لحاظ سے جاپان میں بے شمار فرقے موجود ہیں ان فرقوں کی تعداد تقریباً پانچ سو تک ہے۔ ان کے مذاہب آئے دن تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں جاپان کو پانچ سو مذاہب کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو خاص قسم کے مذہب ہیں یہ مذہب آپس میں اتنے ملتے جلتے ہیں کہ باہمی رنجش کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ ایک بدھ مت اور دوسرا شنٹو مذہب ہے۔ جاپان کی سرزمین ناہموار ہونے کے باوجود معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں کے لوگ محنتی اور حالات کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔

سفر نامہ ایک بیانیہ غیر نثری صنف ہے۔ بعض سفر نامے منظوم بھی لکھے گئے ہیں۔ سفر نامے میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ سیاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی میر کرتا ہے، وہاں جو کچھ دیکھتا ہے، اس کی تفصیل سفر نامے میں پیش کر دیتا ہے۔ اس تفصیل میں جغرافیائی محل وقوع، تاریخی مقامات، تہذیب وتمدن، رسم ورواج، سماجی حالات سیاسی صورت حال ادبی وثقافتی سرگرمیاں وغیرہ جیسے بہت سے موضوعات شامل ہیں۔ ایک ہی منظر، ایک ہی واقعہ، ایک ہی مقام، ہر دیکھنے والے آنکھ پر اپنے رنگوں کو مختلف انداز میں واضح کرتا ہے اسی لیے ایک ہی مقام کے ہزاروں سفر نامے لکھے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کی قلبی واردات، اُس کا اندازِ بیان اور اُس کے خیالات مختلف اور منفرد ہوتے ہیں۔ ایک عالم اور فاضل شخص کا سفر نامہ ایک عام سیاح اور معمولی ذہانت کے شخص مختلف ہو گا ایک سرمایہ دار اور کاروباری شخص کا احوال سفر ایک شاعر اور ادیب کے سفری معاملات سے یکسر الگ ہو گا اور یہی اندازِ بیان

سفر نامے کو ایک نئی جدت بخشتا ہے۔اردو میں جاپان کی سیاحت پر بے شمار سفر نامے لکھ گئے ہیں۔ان سفر ناموں میں جاپان کے معاشی، معاشرتی اور ثقافتی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح جاپانیوں نے دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے باوجود ایمانداری، ذہانت اور محنت سے صنعتی، ثقافتی اور تعلیمی میدان میں ترقی کر کے ساری دنیا کے لیے مثال بن گئے ہیں۔

منتخب اردو سفر ناموں میں جن ادیبوں نے جاپان کی سیاحت پر سفر نامے لکھے ہیں ان میں مجتبیٰ حسین، ابن انشاء، ضیاء اسلام انصاری، ڈاکٹر آصف محمود جاہ اور جاوید دانش کا نام نمایاں ہے۔ مجتبیٰ حسین، حیدر آباد (دکن) سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی سطح کے معروف و مقبول طنز و مزاح نگار ہیں۔ مجتبیٰ حسین نے مختلف ممالک جاپان، امریکہ، برطانیہ، فرانس، کنیڈا، روس اور پاکستان وغیرہ کے سفر کئے اور بہترین سفر نامے لکھے۔ان کا مشہور و معروف سفر نامہ جاپان چلو جاپان چلو ہے۔ جس کو جاپانی زبان میں بھی منتقل کیا جا چکا ہے۔ یہ مجتبیٰ حسین کا یادگار سفر نامہ ہے جو بہت دلچسپ اور مزاحیہ سفر ناموں کی تاریخ کا ایک روشن حصہ بھی ہے۔اس میں مجتبیٰ حسین نے جاپان کی قومی و ملکی اہم خصوصیات کا اپنے مخصوص اسلوب میں ذکر کیا ہے۔ جاپانیوں کی کم آمیزی، محنت و مشقّت، کردار پرستی، مشکلات سے نپٹنے کے لیے تراکیب استعمال کی ہیں سفر کے دوران میں پیش آنے والی مشکلات کی مرقع کشی کی ہے۔اس سفر نامے میں اس ملک کو دیکھایا گیا ہے جس نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم کی تباہی کو جھیلا تھا، اور ڈھائی لاکھ سے زیادہ انسان پلک جھپکتے میں موت کی نیند سو گئے تھے۔ آج وہی جاپان دنیا کا سب سے بڑا صنعتی ملک ہے اور الیکٹرونکس کی دنیا میں اس کا نام ہے۔وہاں کے مناظر اس کے دل میں چبھے مگر جاپان کی بدحالی پر نہیں بلکہ اپنے ملک کی خستہ حالی پر یہ مختصر سا سفر نامہ، جاپان کی ایک دلکش تصویر پیش کرتا ہے۔

ابن انشاء نام شیر محمد اور تخلص انشا تھا۔ابن انشا کے سفر نامہ دنیا گول ہے اور ابن بطوطہ کے تعاقب میں جاپان کی سیاحت کا ذکر ہے جس میں جاپان کی جاپانی تہذیب و ثقافت قدیم ترین انسانی تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ جاپانیوں نے اپنے تہذیبی آثار کی خوب حفاظت کی ہے، جاپانی ایٹم بم کی تباہی کو نہیں بھولے، ہیروشیما اور ناگا ساکی میں تباہی کی یادگاریں قائم ہیں مگر اس تباہی نے ان کے پاؤں کو نہیں جکڑا۔

جاوید دانش اردو کے ان ادیبوں میں سے ہیں جو وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع المشاہدہ بھی ہے۔ جاوید دانش ڈرامہ نگار اور سفر نامہ نگار تھے۔مزید آوارگی ان کا سفر نامہ جاپان کی سیاحت پر ہے جس میں انہوں نے جاپان کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کی ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ وہاں کے تاریخی و یادگاری مقامات، عمارتوں، تعلیم گاہوں، مشہور چیزوں، وہاں کے طرز بود و باش، کھان پان، لباس، تہذیب و تمدن، آب و ہوا، جغرافیہ، میں ہونے والی تبدیلیوں غرض ایک ایک اہم چیز کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور اس کو اپنے سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔

''ضیاءالاسلام انصاری'' صحافی، مترجم، کالم نگاراور سفر نامہ نگار ہے۔ وہ واحد قومی اخبار جو پاکستان کے چاروں صوبوں سے شائع ہوتا تھا اس کے چیف ایڈیٹر اور چیف ایگزیکٹو تھے چڑھتا سورج سفر نامہ جاپان میں جاپان کی سیاحت کی روداد بیان کی گئی ہے۔ ضیاءالاسلام انصاری نے سفر نامے کو واقعات کی سچائی اور دلچسپ انداز بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس میں واقعات کو بیان کرتے ہوئے جاپانی تہذیب کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔اس سفر نامے کے موضوعات میں استاد کا احترام، روبوٹ سے محبت، ہیروشیما('خیابان و گلزار و باغ آفریدم)، گیاوقت ہاتھ آتا نہیں وغیرہ سر فہرست ہیں۔اس سفر نامے میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر تباہ شدہ جاپان کی حیرت انگیز ترقی اور خوش حالی کا تفصیلی بیان ہے۔

مجوزہ تحقیق میں جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے منتخب سفر ناموں میں جاپان کے بارے میں مصنفین نے اپنے مشاہدوں اور تجربات کو بیان کیا ہے۔اس مقالے میں جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے منتخب اردو سفر ناموں میں جاپان کے ثقافتی اور سماجی تغیرات کا تجزیاتی مطالعہ : دوسری جنگ عظیم کے تناظر کو موضوع بنایا گیا ہے تاکہ ان منتخب سفر ناموں میں جاپان کے ثقافتی اور سماجی تغیرات کا مطالعہ کیا جاسکے ۔اس لیے ان سفر ناموں کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالے کی بنیاد ان سوالات پر رکھی گئی تھی۔

ا۔اردو کے سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے اقداری نظام اور رسم ررواج کو کس طرح دکھایا گیا ہے؟

۲۔ابن انشا، جاوید دانش، اور مجتبیٰ حسین کے سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد کے جاپان کی معاشی، تعلیمی اور ثقافتی زندگی کی نوعیت کیا ہے؟

۳۔اردو کے سفر ناموں میں دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے صنعتی اور ٹیکنالوجیکل انقلاب سے وابستہ تبدیلیوں کو کس انداز میں پیش کیا گیا ہے؟

ان سوالات کی بنیاد پر اس مقالے کو تحریر کیا گیا ہے اور ہر ممکنہ کوشش کی گئی ہے کہ تمام سوالات کے جوابات تلاش کیے جاسکیں۔ جہاں تک دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کا صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے انقلاب کو اپنے ترقیاتی منصوبوں میں اولیت دینے کے بیان کا تعلق ہے تو ان سفر ناموں میں صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے انقلاب کو اپنے ترقیاتی منصبوں میں اولیت دینے کا بیان ملتا ہے۔ان منتخب سفر ناموں میں سفر ناموں نگاروں نے جاپانیوں کی صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے انقلاب کو اپنے اپنے مشاہدے کے مطابق تحریر کیا ہے۔ جن میں جنگ عظیم کے بعد تباہ حال معیشت کا بہتر بنانے کے لیے بڑے تاجروں اور گھریلوں صنعتوں کے ملازمین اور گورنمٹ کے اشتراک کو اصلاحاتی ایجنڈے کا حصہ بنایا گیا۔ صنعتی لحاظ سے سٹیل ملز، بجلی کے کارخانوں، کوئلے کی کانوں، جہاز اور ریل گاڑیاں بنانے والے کاخانے

بنائے گئے۔ جو بعد میں پوری دنیا میں مضبوط معیشت کی حیثیت اختیار کر گئے۔ امریکہ کی مدد سے ہی پرانے کارخانوں کی تعمیر نو، بھاری مشینری، الیکٹرک پاور پلانٹس اور اصلاحات کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ جاپان میں قومی تعمیر نو کی صورت میں ترقیاتی بینک کا قیام کیا گیا اور معاشی اصلاحات کے لیے غیر معمولی سود کے کنٹرول کا قانون بنایا گیا۔ تاکہ عام آدمی کو بینکوں کی اجارہ داری سے بچایا جاسکے۔ نئی نئی اصلاحات کے بعد جاپان اس قابل ہو گیا کہ صنعتی ترقی کا مقابلہ کر سکے۔ یوں پوری دنیا میں میڈاِن جاپان کا غلبہ ہونے لگا اور جاپانی اشیاء کو مغربی دنیا میں اہمیت حاصل ہو گی۔ اس ترقی کے پیچھے دراصل جاپان کے لوگوں کی محنت، خلوص، قومی جذبہ، تکنیکی مہارت اور جدت پسندی کارفرما تھی۔

جہاں تک قانونی، معاشی اور سیاسی حوالے سے ان کے ہاں یورپی ماڈل کو اختیار کرنے کا تعلق ہے تو ان سفر ناموں کے تناظر میں دیکھیں تو جاپان کا جدید قانونی نظام یورپی خاص طور پر جرمن اور فرانسیسی سول قانون کے نظام پر مبنی تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جاپان میں دوسرا آئین تشکیل دیا گیا۔ جس میں جمہوریت کو فروغ دینے کے لیے ایسی پالیساں بنانے کا فیصلہ ہوا جو عوام کی امیدوں پر پورا اتریں۔ اس آئین کی قیادت امریکہ کر رہی تھی۔ یہ آئین یورپی اور امریکی اثرات کی عکاسی کرتا ہے۔ معاشی حوالے سے جاپان کی صنعتی ترقی یورپی صنعت کاری اور تجارتی طریقوں سے متاثر تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد معاشی ترقی جرمنی اور فرانس جیسے یورپی ممالک کی طرح برآمدات پر مبنی مینوفیکچرنگ کے ذریعے چلائی گئی۔ جہاں تک سیاسی حوالے سے یورپی ماڈلز کو اختیار کرنے کی بات ہے تو ان سفر ناموں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جاپان کا سیاسی نظام، بشمول اس کی پارلیمانی جمہوریت اور سیاسی جماعت یورپ خاص طور پر برطانیہ اور جرمن کے نظاموں سے متاثر تھی۔ ملک کا سیاسی کلچر جس میں ریاست کا کردار، حکومت اور معاشرے کے درمیان تعلقات بھی یورپی نظریات اور اقدار سے تشکیل پائے۔ تاہم یہ بات بھی اہم ہے کہ جاپان نے اپنے منفرد ثقافتی اور تاریخی تناظر کو بھی برقرار رکھا اور ان یورپی ماڈلز کو اپنے حالات اور ضروریات کے مطابق ڈھالا۔

جاپان کے اقداری نظام، رسم ورواج کو روایتی انداز میں ہی جاری رکھنے کے فیصلے کے بارے اس مقالے کے باب چہارم میں مثالوں کے ساتھ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جاپانیوں نے اپنے اقداری نظام اور رسم رواج کو کس طرح روایتی انداز میں جاری رکھا اس کے متعلق مصنفین نے اپنے ذاتی مشاہدے سے سفر ناموں میں بیان کیا ہے کہ جاپانی معاشرہ جو دور حاضر کا جدید ترقی یافتہ نا صرف مشینی بلکہ الیکٹرانک معاشرہ بننے کے باوجود قدیم ثقافتی، اقداری، مذہبی اور رسم رواج کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں چٹائی پر بیٹھ کر چائے پی جاتی ہے اور کھانا کھایا جاتا ہے۔ جھک کر سلام کرنا ان کے ہاں معمول ہے۔ شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر تحفے کی رسم جاپان کا لازمی جز سمجھی جاتی ہے۔ ان کے ہاں گھروں میں جوتے نہ پہننے کا رواج بھی زمانہ قدیم سے ہے۔ چھوٹے اور نوجوان اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں۔ جاپان

نے شعوری طور پر اپنے روایتی سماجی انداز کو برقرار رکھنے کا انتخاب کیا ہے۔اپنی قدیم اور جدید روایت کو یکجا کیا ہے۔اس منفرد انداز نے ملک کو اپنی ثقافتی شناخت قائم رکھنے کے قابل بنایا ہے۔

جاپان کی روایتی اقدار جیسا کہ قانون کا احترام، وقت کی پابندی، صفائی، محنت، ایمانداری، اخلاقیات اور نظم و ضبط جیسی اقدار پر اس معاشرے کی بنیاد قائم ہے جس کو یہ معاشرہ دل و جان سے قائم رکھے ہوئے ہے۔اپنی روایتی اقدار کو جاپان نے مغربیت کے اثرات سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جاپان کا سماج دیگر اقوام سے منفرد ثقافت و روایت پر مبنی ہے۔

جاپان کا امیر قوم اور طاقتور فوج کے تناظر میں جاپانیوں کا اپنی معاشرتی زندگی کو ترتیب دینے کے متعلق بات کی جائے تو اس دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان اور اتحادیوں کے درمیان ۱۹۵۱ء امن معاہدہ ہوا۔جاپانیوں نے امیر قوم اور طاقت ور فوج کے تناظر میں اپنی معاشرتی زندگی کو محنت اور ایمانداری سے کام کرنے کی طرف مائل کیا۔تعلیم کو لازمی قرار دیا اور ملکی ترقی کے لیے انفرادی سوچ کے بجائے اجتماعی سوچ کو فروغ دیا۔مل جل کر کام کرنے اور فیصلے کرنے کو اہمیت دی گئی، جو ملک کی بقاء اور ترقی کے لیے ضروری تھی۔

ٹوکیو دنیا کا سب سے بڑا شہر ہونے کے باوجود اس میں رہائش، خوراک کی بڑھتی ہوئی قیمیتوں اور افراط زر کے مسائل کا ہونا اس کے متعلق بات کی جائے تو سفر نامہ نگاروں نے جاپان کے شہر ٹوکیو کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اپنے اپنے تجربات کے مطابق دیا ہے جس مصنف کا واسطہ اس شہر سے جتنا پڑا اس نے اتنا اس کے متعلق بیان کیا ہے۔اس مقالے کے باب دوم میں مثالوں کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے کہ ٹوکیو کی مہنگائی کا رونا ہر سفر نامہ نگار نے رویا ہے کہ ٹوکیو دنیا کا مہنگا ترین شہر ہے خاص طور پر غیر ملکی اقوام جو سیاحت کے لیے آتی ہے یا وہ افراد جو ملازمین کی صورت میں یہاں رہائش اختیار کرتے ہیں ان کے لیے اس مہنگائی سے نمٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ٹوکیو دنیا کا شب سے بڑا شہر ہونے کے باوجود، سستی رہائش، خوراک فراہم کرنے سے قاصر ہے۔اس شہر میں رہائشی بحران، آسمان کو چھوتے کرائے، متوسط آمدنی والے رہائشیوں کے لیے چھوٹے چھوٹے اپارٹمنٹس میں رہائش اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔خوراک کی قیمتیں بھی بہت زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے رہائشیوں کو غذائیت سے بھرپور خوراک تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

قومی اتحاد اور " تعلیم سب کے لیے ناگزیز کا ملکی منشور کا حصہ ہونا کے بارے میں دیکھا جائے تو جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے سفر ناموں میں مصنفین نے وہاں کی تعلیم کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ان میں بتایا گیا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے آئین میں قومی اتحاد اور تعلیم سب کے لیے کو ترجیح دی گئی۔آئین کا آرٹیکل ۲۶ سب کے لیے تعلیم کے حق کی ضمانت دیتا ہے۔قومی اتحاد اور جمہوری اقدار کے احساس کو فروغ دینے کے لیے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کا کم وقت میں زیادہ ترقی کے پیچھے ان کی محنت

اور تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کا ہاتھ جس کی وجہ سے جاپانیوں نے اپنی تعلیم اور تربیت پر توجہ دی اور اپنے ملک کی ترقی میں آگے بڑھا اور دنیا میں اپنی پہچان بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

جہاں تک دفاعی شعبے کے لیے زیادہ سے زیادہ بجٹ مختص کرنے کی حکمت عملی کو اپنانے کی بات ہے تو جاپان کا اپنے بجٹ کا ایک اہم حصہ دفاعی شعبے کے لیے مختص کرنے کا فیصلہ قومی سلامتی کو یقینی بنانے اور علاقائی استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے ایک اہم حکمت عملی ہے۔ مشرقی ایشیا میں جغرافیائی سیاسی منظر نامے کے ساتھ، جاپان نے پڑوسی ممالک سے ممکنہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوجی صلاحیتوں کو تقویت دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفاع شعبے میں سرمایہ کاری کر کے، جاپان کا مقصد اپنی مسلح افواج کو جدید بنانا، اپنی تکنیکی صلاحیتوں کو بڑھانا، اور ہم خیال ممالک کے ساتھ اپنے اتحاد کو مضبوط بنانا ہے۔ وسائل کی یہ حکمت عملی کی تقسیم ممکنہ حملہ آوروں کی روک تھام کے طور پر بھی کام کرتی ہے، جو اپنی خود مختاری اور مفادات کے دفاع کے لیے جاپان کے عزم کو مضبوط بناتی ہے۔ دفاعی اخراجات کو ترجیح دے کر جاپان ابھرتے ہوئے سیکورٹی مسائل سے نمٹنے، اپنے شہریوں کی حفاظت اور سلامتی کو یقینی بنانے اور علاقائی امن و استحکام میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے سرگرم ہے۔

منتخب سفر ناموں کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ کے بعد جاپان نے اپنی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، مذہب، اور اقداری نظام کو برقرار رکھا ہے۔ ان تمام عوامل سے جڑ کر بھی یہ ملک دنیا میں سب سے آگے ہے۔ اگر باقی اقوام بھی ترقی کرنا چاہتی ہیں تو انہیں جاپانیوں کے اصولوں کو مد نظر رکھنا ہوگا، تبھی وہ قومیں دنیا میں آگے بڑھ سکے گی۔ مصنفین نے جاپان کے معاشرے کی پوری تصویر اپنے سفر ناموں میں بیان کی ہے۔ انہوں نے اس معاشرے کو نزدیک سے دیکھا ہے اور اس کا نقشہ اپنے سفر ناموں میں بڑی خوبصورتی سے کھینچا ہے۔ وہاں کے حالات و واقعات، رسم رواج، تہذیب و ثقافت اور صنعتی ترقی کی وجوہات کو جانا ہے۔ اور نہ صرف اس سے متاثر ہوئے ہیں بلکہ اپنے ملک میں بھی انہی اقدامات کو اپنانے کے بارے میں تعقید کی ہے۔

منتخب اردو سفر ناموں کے مطالعے کے بعد یہ نتائج سامنے آتے ہیں کہ

۱۔ جاپانیوں نے اپنے ملک کی ترقی کے لیے اپنی سوچ کو قومی اور اجتماعی سطح پر فروغ دیا ہے۔

۲۔ گروپ کی صورت میں کام کرنا سیکھا ہے۔

۳۔ جاپان میں کسی بھی کام کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ قدیم روایت اور ثقافت کو برقرار رکھتے ہوئے ہوئے جاپان نے ٹیکنالوجی کی دنیا میں ترقی کی ہے۔

۵۔ تعلیم کو جدید علوم اور فن سے آراستہ کیا ہے۔

۶۔ دوسرے علوم کا تراجم کر کے اپنے ملک کو بیرون ممالک کی سوچ سے آگاہی دی ہے تاکہ ملک دوسری اقوام

کے بارے میں اپنی زبان میں معلومات حاصل کر سکے۔

۷۔ جاپان نے اپنی زبان کو فروغ دیا ہے۔

۸۔ وقت کی قدر کرتے ہوئے ایک ایک لمحے کو بھی اپنے کام میں لانا جاپانیوں سیکھا ہے۔

۹۔ جاپانی دن رات اپنے ملک کی ترقی کے لیے محنت کرتے ہیں۔

۱۰۔ جاپانی قوم نظم وضبط اور قانون کی پاسداری کرتی ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر ہی اس ملک نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کم وقت میں ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ اگر دوسرے ممالک کی اقوام بھی اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنانا چاہتی ہے تو اُسے چاہیے کہ جاپانیوں کے نقشے قدم پر چلے تاکہ جلد کامیاب ہو سکے۔

سفارشات

۱۔ جاپان کی سیاحت پر لکھے گئے اردو سفر ناموں کا تقابلی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ کسی اور ملک کی سیاحت پر لکھے گئے سفر ناموں میں وہاں کی معاشی، ثقافتی اور تعلیمی تبدیلیوں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

۳۔ ان منتخب سفر ناموں میں بین المتنیت کا اظہار ملتا ہے اس اعتبار سے تحقیقی و تنقیدی کام ہو سکتا ہے۔

۴۔ ان منتخب سفر ناموں میں تانیثی عناصر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ ان منتخب سفر ناموں جاپان کے تاریخی پہلوؤں کے حوالے سے کام کیا جاسکتا ہے۔

ضمیمہ جات

جاپان کا جھنڈا

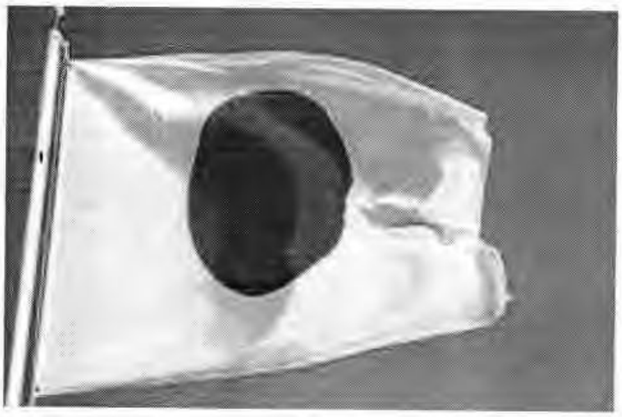

جاپان کے صوبے

جاپان کے کوہ فیوجی خوبصورت پہاڑ

کوہ آتش فشاں کا منظر

جاپان کا روایتی لباس کیمونو

جاپان میں تعظیماً جھکنے کی رسم

جاپانی کھانوں کی اقسام

جاپان ایک نظر میں

کتابیات

آفاقی،ارشاد۔مجتبیٰ حسین ۔ فن شخصیت اور کارنامے،مرتب صفدرامام قادری،۲۰۱۸ء۔

اختر مونکا،محمد۔سفر تین درویشوں،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء۔

انشا،ابن۔دنیا گول ہے،لاہور:پنجاب پریس،۱۹۸۲ء۔

انشا،ابن۔ابن بطوطہ کے تعاقب میں،دہلی:اُردو بکس دریا گنج نئی دہلی،۲۰۰۰ء۔

انصاری،ضیاءالاسلام۔چڑھتا سورج،اسلام آباد:مکتبہ راحت الاسلام،۲۰۱۴ء۔

بلگرامی،علی امام۔سیاست جاپان،دکن:ادارہ اشاعت اردو،حیدرآباد،۱۹۴۳ء۔

بن علی،عامر۔آج کاجاپان،لاہور:نستعلیق اردو بازار،۲۰۱۴ء۔

بن علی،عامر۔جہاں گردی،لاہور:نستعلیق مطبوعات،۲۰۱۷ء۔

جاء،آصف محمود۔چڑھتےسورج کےدیس میں،لاہور:زاہد نوید پرنٹرز،۲۰۱۸ء۔

جعفری،احمد،سید نجم الدین۔موجودہ جنگ اورجاپان،انڈیا:قومی محاذ جنگ،الہ آباد۔

حامد بیگ،مرزا۔اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۷ء۔

حسین،مجتبیٰ۔جاپان چلوجاپان چلو،حیدرآباد،حیسامی بک ڈپو،مچھلی کمان،۱۹۹۴ء۔

حقی،شان الحق۔(مرتبہ)فرہنگ تلفظ،اسلام آباد:ادارۂ فروغ قومی زبان،۲۰۱۷ء۔

حمید۔ذکیہ ارشد۔سورج کے ساتھ ساتھ،راولپنڈی:مطبوعاتِ سلمانیہ،۱۹۸۸ء۔

حیدر،قراۃالعین۔ستمبرکا چاند،دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۰۲ء۔

دانش،جاوید۔مزید آوارگی،سفر نامہ،کلکتہ:پرنٹ ویل آفسٹ،۱۹۹۴ء۔

دہلوی،احمد،مولوی،سید۔فرہنگ آصفیہ،(جلددوم)(نئی دہلی:ترقی اردو بیورو،۱۹۶۷ء۔

دین،احمد،مترجم۔ آئینہ جاپان،لاہور:مطبع خادم التعلیم،۱۹۰۱ء۔

ڈوگر،رفیق۔جاپان نورد،لاہور:دید شنید پبلی کیشنز۔

سدید،انور۔اردو ادب میں سفر نامہ،لاہور:مغربی پاکستان اکیڈمی،۱۹۸۶ء۔

سعید،خالد۔(نگران)،اقبال کا نظریہ ثقافت ڈاکٹر فرحان فتح پوری،اسلام آباد:مضمون شعبہ تحقیق و مطبوعات ادارہ ثقافت پاکستان،جون ۱۹۸۲ء۔

شیخ،الطاف۔جاپان کے دن،کراچی:ویلکم بک پورٹ،۲۰۱۶ء۔
صدیقی،حفیظ،ابوالاعجاز،کشاف تنقیدی اصطلاحات،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۹ء۔
علی،سیدامجد۔پاکستانی ادب ،دستکاریوں کی ثقافتی اہمیت،ترتیب وانتخاب رشیدامجد،فاروق علی
روالپنڈی:ایس ٹی پرنٹرز،دریاآباد،فروری ۱۹۸۲ء۔
علی،محمد ناصر۔جاپان کی صنعتی ترقی،حیدرآباد:اعظم اسٹیم پریس،۔
فیض ،فیض احمد۔پاکستانی ادب، پاکستان کے اجزائے ترکی،(مرتبہ) رشید احمد، (جلد اول)،
مئی،۱۹۸۱ء۔
کاشمیری،کاشمیری۔جاپان میں اُردو،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۶ء۔
کامران،محمد۔گ سے گڑیا ج سے جاپانی،لاہور:ماوراپبلشر،۲۰۱۰ء۔
مثنّیٰ ندوی،حسن۔مجتبیٰ حسین اور فن مزاح نگاری،دہلی:نوب لائن پروسس،۲۰۰۳ء۔
محمد سعید،حکیم۔سعید سیاح جاپان میں،کراچی:ہمدرد فاؤنڈیشن پریس ۱۹۹۵ء۔
مسعود،سیدراس۔جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق،انڈیا:مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ،
حیدرآباد،۱۹۲۴ء۔
مسعود،سیدراس۔روح جاپان ،دکن:مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی،حیدرآباد ۱۹۲۷ء۔
نیر،نورالحسن۔نور اللغات،(جلد دوم) پاکستان:جنرل پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۹ء۔
ہاشمی،رفیع الدین۔اصناف ادب۔لاہور:سنگ میل پبلشرز،۱۹۹۱ء۔

رسائل وجرائد:
ملک،فتح محمد۔انداز نظر،لاہور:۱۹۸۰ء۔
حق،نفیسہ۔سفر نامہ :فن اور جواز،پشاور:ادراک،۱۹۹۵ء

ویب سائٹس(Websites):

جاپان کی تاریخ،https://www.rekhta.org/ebooks/detail/japan-e-tareekh-unknown author?lang=ur ebooks، بتاریخ ۱۴جولائی بوقت:۳۳:۱ بجے۔

جاپان کہانی، https://www.neonetwork.pk/16-Oct-2021/109240،بتاریخ اکتوبر۲۳ ۲۰۲ءبوقت ۲۳:۱ابجے۔

مکالمہ جاپان کی دلچسپ معلومات، https://www.dawnnews.tv/news/1053904 ،بتاریخ نومبر۲۳ ۲۰۲بوقت ۱۲:۱۲ابجے۔

معاشیات، https://www.mobility-talent/reward-total/insights/ mercer.com، بتاریخ نومبر ۲۰۲۳ءبوقت ۰۰:۷بجے۔

ایک سفر جاپان کا، https://www.mukaalma.com/55973/، بتاریخ اکتوبر ۲۰۲۳ءبوقت ۳۴:۱۰ابجے۔

سیاستِ جاپان، https://www.mukaalma.com/55973/بتاریخ نو مبر ۲۰۲۳ءبوقت ۴۵:۱ابجے۔

جاپان کا تعلیمی نظام، https://www.nawaiwaqt.com.pk/17-Nov-2018/942487،بتاریخ ستمبر بوقت ۰۰:۸بجے۔

سیاستِ جاپان، http://www.nawaiwaqt.com.pk/17-Nov-2018/942487بتاریخ دسمبر ۲۰۲۳ءبوقت ۵۵:۱۰ابجے۔

سیاستِ جاپان، http://www.nawaiwaqt.com.pk/17-Nov-2018/942487بتاریخ دسمبر ۲۰۲۳ءبوقت ۵۲:۷بجے۔